وہ بھی کیا ضمیر ہے جو غیر کی ممنون ہو
بات جب ہے، اپنی دنیا آپ پیدا کیجیے

(تیج ونت رائے ساحر)

نغمۂ ناقوس

تذکرۂ شعرائے ہنود

سنہ ۱۹۰۱ء تا سنہ ۱۹۲۵ء

مؤلفہ

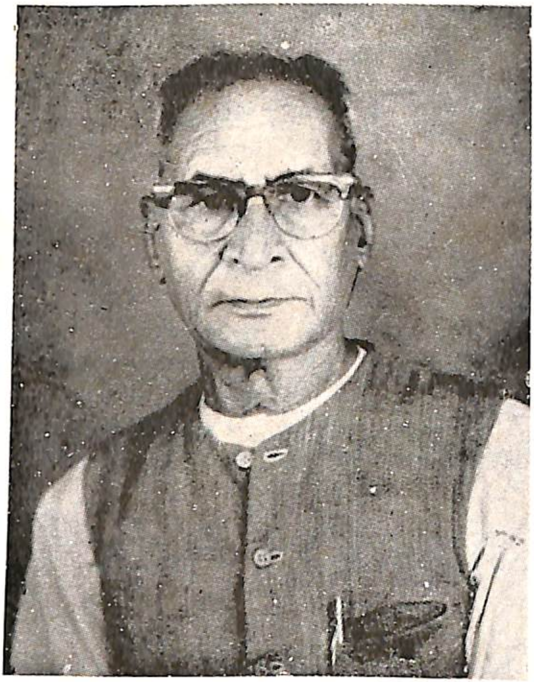
بدھ پرکاش گپتا جوہر دیوبندی

ڈی لٹ آنرز (علیگ)

۱۹۸۵ء
قیمت تیس روپیہ

نام کتاب	نغمۂ ناقوس
مصنف	بدھ پرکاش گپتا جوہر دیوبندی
بارِ اوّل	چھ سو (۶۰۰)
مطبوعہ	محبوب پریس دیوبند
کتابت	محمد اسلام انجم سہارنپور
سن اشاعت	۱۹۸۵ء
قیمت	تیس ۳۰ روپے

یہ کتاب فخرالدین علی احمد میموریل کمیٹی لکھنؤ
کے مالی تعاون سے شائع ہوئی



JOHAR DEOBANDI

انتساب

میں اپنی تصنیف "نغمۂ ناقوس" کو بہ خلوصِ دل
اپنے رفیقِ کہن شری پریم چند رویش پروپرائٹر
چندرا برادرس۔ ڈائرس اینڈ ڈرائی کلینرس" میرٹھ
و سابق صدر روٹیری کلب میرٹھ کے نامِ نامی و
اسمِ گرامی پر معنون کرتا ہوں۔

جوہر دیوبندی

دیگر تصانیفِ مُصنف

جوہرِ سخن (شعری مجموعہ) ــــ سنہ ۱۹۶۵ء

نقشِ معتبر ــــ سنہ ۱۹۷۷ء

موجِ گنگ ۱۔ تذکرہ شعرائے ہنود۔ ابتدائے شاعری تا انیسویں صدی، سنہ ۱۹۸۳ء

نغمۂ ناقوس، ملنے کے پتے

---

(۱) جوہر دیوبندی گپتا نواس، مکھن نگر (ریلوے کالونی) سہارنپور (۲۴۷۰۰۱) یوپی

(۲) مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامع مسجد۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

(۳) اسٹار بک سینٹر ۴/۵ آصف علی روڈ نئی دہلی

(۴) مکتبہ شانِ ہند انصاری مارکیٹ دریا گنج۔ نئی دہلی

(۵) سید اختر الاسلام مدیر میرٹھ میلہ۔ ۱۵۸ شاہ پیر میرٹھ (یوپی)

دعوتِ نظر

"نغمۂ ناقوس" میری اس تصنیف کی دوسری کڑی ہے جو "موجِ گنگ" کے عنوان سے ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکی ہے۔ جسمیں ابتدائے شاعری سے انیسویں صدی تک کے قریب نوسو شعرائے ہنود کا تذکرہ شامل ہے۔ "موجِ گنگ" کی اشاعت کے بعد دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس سلسلہ کو اور آگے بڑھایا جائے۔ لہٰذا اسی خیال کے پیشِ نظر میں نے بیسویں صدی کے طبقۂ اول کے شعرائے ہنود کی تلاش و جستجو کا سلسلہ شروع کردیا جو ایک جدوجہد کے بعد اشاعت کی منزل میں داخل ہوا۔ اس مجموعہ میں ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۵ء تک کے قریب (۱۸۰) شعرائے ہنود کا تذکرہ شامل ہے یہ تذکرہ "نغمۂ ناقوس" کے عنوان سے اہلِ ادب اور اہلِ نظر کے سامنے حاضر ہے۔

مجھے یہ دعویٰ تو نہیں کہ میں اس تذکرہ میں دورِ ہٰذا کے تمام شعرائے ہنود کا احاطہ کرنے میں کامیاب ہوا ہوں۔ البتہ جن جن گوشوں تک رسائی کرسکا میں نے کی۔ مجھے یہ اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ کافی شعراء کو بسبب اپنی نارسائی کے اس تذکرہ کی زینت نہ بنا سکا جس کا مجھے بیحد افسوس ہے اور ان شعراء حضرات سے معذرت خواہ ہوں۔

اس کتاب کی تکمیل میں چند تذکروں، شعری مجموعوں اور شعراء صاحبان سے ذاتی طور پر رابطہ قائم کرکے کام لیا گیا ہے۔ کتاب ہٰذا کی تیاری کے دوران کچھ شعری مجموعے ایسے بھی سامنے آئے جو مصنف کے تعارف کے محتاج تھے یا پھر ان میں مصنف کے اصل نام کی کسی جگہ بھی نشاندہی نہیں کی گئی تھی صرف تخلص کا سہارا لیا گیا تھا جس کے سبب کتاب کی تیاری میں کچھ تاخیر واقع ہوئی۔ کیونکہ اس تلاش وجستجو میں کافی وقت غیر ضروری پر ضائع ہو گیا کچھ ایسے شعراء حضرات سے بھی واسطہ پڑا جن کو خطوط لکھ کر تعارف اور کلام حاصل کرنے کی التجا کی گئی۔ مگر یہ حضرات خاموشی اختیار کر گئے۔ ان کے علاوہ کچھ ادب نواز اور مخلص شعراء صاحبان ایسے بھی سامنے آئے کہ جن کو کسی معتبر ذریعہ سے یہ معلوم ہو کر کہ میں اس قسم کا کوئی تذکرہ ترتیب دے رہا ہوں انھوں نے ازخود اپنے کوائف سے نواز کر میری حوصلہ افزائی کی اور اس تذکرہ کو زینت بخشی۔ ان حضرات کا میں بہت بہت شکر گذار ہوں۔

اس کتاب کی تکمیل کیلئے میں قبلہ رام رتن صاحب مضطر امرتسری اور عزیزی منظور احمد مظلوم کشمیری انچارج لوکل لائبریری سری نگر، کا بیحد ممنون ہوں کہ ان حضرات نے اس راہ میں میرا ساتھ دیا اور اپنے دلی تعاون سے نواز کر کافی شعراء کو اس تذکرہ کی زینت بنانے میں میری مدد فرمائی۔ آداب۔

خاکسار، جوہر دیوبندی ۔ گپتا نواس، مکھن نگر۔ ریلوے کالونی
سہارنپور (یو-پی) 247001

ہدیۂ تشکر

میری تصنیف "موجِ گنگ" کے متعلق جن مندرجہ ذیل اہلِ ادب اور اربابِ فکر حضرات نے اپنے تحریری، تقریری اور منظوم افکار و آرا سے نواز کر میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔ میں ان تمام کرم فرماؤں کا تہِ دل سے شکر گزار ہوں۔

آنریبل گیانی ذیل سنگھ صاحب صدر جمہوریہ ہند
جناب ہدایت اللہ صاحب سابق نائب صدر ؍؍
ڈاکٹر عمار رضوی صاحب سابق وزیر تعلیم یوپی
جناب مالک رام صاحب (مصنف تلامذۂ غالب) دہلی
؍؍ ڈاکٹر شارب ردولوی صاحب دہلی
ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب ہیڈ شعبۂ اُردو دہلی یونیورسٹی دہلی
ڈاکٹر حکم چند نیر صاحب ہیڈ شعبۂ اُردو بنارس ہندو یونیورسٹی بنارس
ڈاکٹر خلیق انجم صاحب سکریٹری انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی
پروفیسر گنپت سہائے سری واستو جھانسی، مصنف "اردو شاعری کے ارتقا میں ہندو شعرا کا حصہ"

پروفیسر نریندر وشسٹ صاحب دہلی
جناب رام لال صاحب افسانہ نگار لکھنؤ
ڈاکٹر عنوان چشتی صاحب جامعہ ملیہ دہلی
جناب توصیف احمد علوی صاحب عاصی بی۔اے۔ کیرانوی
جناب تبسم علی پوری صاحب (مرحوم) ایڈیٹر ہفتہ وار "روشنی" پانی پت (ہریانہ)
پروفیسر بخشی اختر صاحب، شاعرِ خاص "ماہنامہ ہند سندیش"، دہلی
جناب راجندر سمن صاحب (مرحوم) جائنٹ ایڈیٹر ماہنامہ "ہند سندیش"، دہلی
سید اختر الاسلام صاحب۔ مدیر "میرٹھ میلہ میرٹھ"

جناب چرخ چنیوٹی صاحب دہلی
" منوہر لال صاحب طالب چکوالی۔ دہلی
" خان غازی کابلی صاحب دہلی
" سعید میرٹھی صاحب، بی، اے
" علامہ سادھو رام صاحب آرزو (مرحوم) سہارن پوری
" اندرجیت گاندھی صاحب دہلی
" واجد بہادر صاحب موج ایڈووکیٹ فتح گڑھ
" ڈی۔ اے ہریش قربان صاحب مرادآبادی مصنف "اردو کے مسیحی شعراء"
" دھنپت رائے راز صاحب لاہوری، دہلی

پروفیسر رام رتن مضطر صاحب امرتسری
جناب سرسوتی سرن صاحب کیف بسایق
ایڈیٹر ٹریبیون چنڈی گڑھ
پروفیسر بی۔ ڈی شیدا صاحب انبالوی
جناب مہیش سروپ نادان الہ آبادی
جناب منظور احمد مظلوم صاحب انچارج لوکل لائبریری سری نگر۔ کشمیر
گیانی ہتندر سنگھ، ایڈیٹر "آن پنجاب" پٹھان کوٹ۔
رضی بدایونی صاحب ایڈیٹر دارالسلطنت دہلی
شاہین جمالی صاحب، ایڈیٹر "دیوبند ٹائمز دیوبند"

میں اُتر پردیش اُردو اکیڈمی لکھنؤ کا بھی بالخصوص ممنون ہوں کہ اُس نے میری تصنیف "موجِ گنگ" کو اپنے مالی تعاون سے بھی نوازا اور اپنے ایوارڈ سے بھی سرفراز فرما کر میری ہمت افزائی کی۔"

جوہر دیوبندی

فکرِ جمیل

از۔ ڈی، اے ہیرین ستر بآن۔ ایم۔ اے۔ بی، ٹی مراد آبادی
مصنف ,,اُردو کے مسیحی شعراء''

اُردو ادب میں تذکرہ نگاری قریب قریب اسی قدر پرانی ہے جس قدر اُردو شاعری۔ دراصل تذکرہ نگاری ایک مشکل فن ہے۔ یہ تحقیق کی زد میں آتا ہے اور تحقیق کا میدان اسقدر وسیع ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ یہ وہ منزل ہے جس کی آخری حدود تک رسائی ممکن نہیں۔ البتہ اس منزل کے مسافر ابتدا سے ہی اس دشوار گزار راہ میں چراغ جلاتے آرہے ہیں اور یہ سلسلہ آجتک جاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک سینکڑوں کی تعداد میں تذکرے عالمِ وجود میں آچکے ہیں۔ لیکن ان میں سے کسی ایک کو بھی مکمل ہونے کا دعویٰ نہیں ہُوا۔ یہ ضرور ہے کہ ہر تذکرہ نے مشعلِ راہ کا کام ضرور دیا۔

دراصل ہر دَور میں اُردو شعراء کی تعداد اس قدر وسیع رہی ہے کہ جو شاید کسی دوسری زبان میں ملتی ہو۔ اور یہ امر بھی اُردو زبان کی ہر دلعزیزی کا ایک ثبوت ہے۔ اب اس کثیر تعداد میں سے اپنی پسند کے شعراء کا انتخاب کرنا، اُن کے حالاتِ زندگی اور کلام فراہم کرنا جوئے شیر لانے سے کچھ کم نہیں۔

کچھ عرصہ پیشتر جوہر صاحب کا ایک قابلِ قدر تذکرہ ,,موجِ گنگ'' جو

ابتدائے شاعری سے انیسویں صدی تک کے قریب نو سو شعرائے ہنود پر مشتمل ہے ۱۹۸۳ء میں منظرِ عام پر آچکا ہے جو کافی مقبول ہوا اور اُتر پردیش اُردو اکیڈمی لکھنؤ نے اس شاہکار کو انعام سے بھی نوازا۔ "موجِ گنگ" کی اشاعت کے بعد جوہرؔ صاحب کا نام بھی تذکرہ نویسوں کی فہرست میں شامل ہو گیا۔

جوہرؔ صاحب دراصل ایک کہنہ مشق اور بلند پایہ شاعر ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے بعنوان "جوہرِ سخن" اور "نقشِ معتبر" ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۷ء میں شائع ہو کر شائقینِ ادب سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔

جوہرؔ صاحب دیوبند جیسی مردم خیز اور علم و ہنر کی سرزمین سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی ولادت قصبہ دیوبند میں ۲ر اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ایک متموّل اور..... خوشحال خاندان میں ہوئی۔ بزرگوں کا پیشہ زمینداری۔ غلّہ کی تجارت، اور ساہوکارہ تھا۔ آپ کا بچپن اور جوانی نہایت خوشحالی اور فارغ البالی میں بسر ہوئے۔ ابھی آپ کی عمر گیارہؔ سال ہی کی تھی کہ والد لالہ کشوری لال کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ مگر آپ کے دادا چچا اور بڑے بھائی نے آپ کو والد کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا۔ آپ نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ کیونکہ آپ کی زندگی بے فکر تھی۔ طبیعت میں لااُبالی پن تھا اور خانگی تفکرات سے آزاد تھے لہٰذا آئندہ کالج اور کتابوں کی پابندی گوارا نہ کر سکے اور تعلیم کا سلسلہ ختم کر دیا۔ ۱۹۳۴ء میں آپ کے بزرگوں نے سہارنپور میں کاروبار کا ایک نیا سلسلہ

شروع کیا اور جوہر صاحب کو اس فرم کا انچارج بنا کر سہارنپور بھیجدیا اور آخر جوہر صاحب مستقل طور پر یہیں سکونت پذیر ہو گئے۔ آپ اپنی خوش مزاجی اور شگفتہ دلی کے سبب ایک کامیاب تاجر کی منزل میں پہنچ گئے۔ تجارت کے ساتھ ساتھ آپ کا شوقِ شاعری بھی پروان چڑھتا رہا اور خوش قسمتی سے آپ کو مشاق اُستاد بابو شمبھو دیال بھٹناگر سرشار سہارنپوری کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ اور ۱۹۶۵ء میں استاد کی جانشینی کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ جوہر صاحب ایک وطن پرست، صاف دل اور دوست نواز انسان ہیں۔ آپ میں پُرانے بزرگوں کے اوصاف دور سے ہی نظر آتے ہیں۔ وہی اخلاق و مروت وہی محبت اور صدق دلی بزرگوں کی ہی عزت و احترام کا ثمرہ ہے کہ آپ ایک بلند پایہ شاعر اور ادیب کی صف میں شمار ہونے لگے۔

ایک محقق کا شاعر ہونا تو سہل ہے لیکن ایک شاعر کا محقق ہونا دشوار ہے اس کام کیلئے بڑی عرق ریزی۔ وسیع مطالعہ اور لامحدود ذرائع کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جوہر صاحب کو تلاش و جستجو سے خاص شغف ہے۔ کوئی نئی چیز اگر نظر آتی ہے تو اس کی مکمل تحقیق کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی شوق اور جستجو کا نتیجہ ہے کہ آپ کا دوسرا تذکرہ "نغمۂ ناقوس" کی صورت میں اہلِ ادب کے روبرو ہے جس کے ذریعہ کافی تعداد میں استاد اور گمنام شعرائے ہنود کی نشاندہی فرمائی گئی ہے۔"

موجودہ تذکرہ "نغمۂ ناقوس" ایک لحاظ سے "موجِ گنگ" کی ہی دوسری کڑی کہی جا سکتی ہے۔ جسمیں مؤلف نے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۲۵ء تک کے قریب ۱۰۰ شعرائے ہنود کو شامل کیا ہے۔ اس تذکرہ کے مرتب کرنے میں مؤلف کو کس قدر محنت اور کاوش کرنی پڑی ہوگی، اس بات کو ایک مؤلف ہی بخوبی سمجھ سکتا ہے۔

اس تذکرہ کے آغاز میں جوہر صاحب نے "اُردو زبان کی مختصر تاریخ" کے عنوان سے جو مقالہ سپردِ قلم کیا ہے واقعی وہ بڑا معیاری، تحقیقی اور علمی ہے اور اپنی امتیازی شان کا حامل ہے۔ غرضکہ جوہر صاحب نے "نغمۂ ناقوس" ایک ایسی دستاویز تیار کی ہے جو آنے والی نسلوں کی ہمیشہ ہمیشہ رہنمائی کرتی رہے گی اور اربابِ تحقیق کے لئے اچھا خاصا تحقیقی مواد فراہم کرے گی یہ ایک ایسا قیمتی سرمایا ہے جس پر ادب رہتی دنیا تک ناز کرے گا۔ اور یہ ایسا سرچشمۂ علم ہے جس سے تشنگانِ ادب سیراب ہوتے رہیں گے۔"

ڈی۔ اے۔ ہیریسن فریانؔ

قطعہ

نتیجۂ فکر:۔ سید اخلاق حسین واصفؔ عابدی مصنف "حریمِ فکر۔ سہانیو"

جلوۂ فہم و فراست، نغمۂ ناقوس ہے
فکر و دانش کی لطافت نغمۂ ناقوس ہے

نغمۂ ناقوس کے جوہر ہیں واصف آشکار
آبروئے علم و حکمت نغمۂ ناقوس ہے

اُردو زبان کی مختصر تاریخ

اُردو زبان کی تاریخ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زبان کا حمل آج سے قریب تیرہ سو[۱۳] سال قبل اس وقت قرار پایا تھا جب ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم نے ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ محمد بن قاسم کے حملہ کے بعد عربوں کے حملے پے در پے ہندوستان پر شروع ہو گئے۔ مامون رشید بن ہارون رشید نے ہندوستان میں آکر چوبیس[۲۴] لڑائیاں لڑیں، اور اس سبب اس کی فوجوں کو یہاں چوبیس[۲۴] سال قیام کرنا پڑا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عرصہ میں عربی زبان کے بہت سارے الفاظ یہاں کی زبان کو مل گئے۔ عربوں کے حملوں سے قبل یہاں دو زبانیں رائج تھیں (۱) سنسکرت (۲) پراکرت۔ سنسکرت زبان راج دربار کی زبان تھی۔ اور پراکرت بھاشا جو سنسکرت کے بطن سے نکلی ہوئی زبان تھی۔ عام لوگوں میں بولی جاتی تھی۔ عربوں کے حملوں کے بعد ترک لوگوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور ایرانی لوگ بھی حملہ ور کی صورت میں یہاں داخل ہوئے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں کے الفاظ یہاں کی زبان میں شامل ہوتے چلے گئے۔

خراسان کے بادشاہ سبکتگین نے ۹۷۰ء میں پنجاب پر حملہ کیا۔

سبکتگین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمود غزنوی تخت نشین ہوا اور ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور ۱۰۳۱ء تک یعنی اپنی وفات کے وقت تک ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور خوب مال وزر لوٹ کر اپنے ساتھ لیجاتا رہا۔ اس کے بعد قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں ہندوستان پر چڑھائی کی اور اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے جس کا اثر یہ ہوا کہ اور بہت سے غیر ملکی الفاظ یہاں کی زبان کے پیٹ میں سما گئے۔ یعنی یہ بچہ اب حمل سے باہر آگیا اور پوشیدہ پوشیدہ اس نے اپنا امتزاج شروع کر دیا۔ سوائے دربار کے عام لوگوں یعنی غیر ملک والوں اور یہاں کے بسنے والوں کو ضرورت پیش آئی کہ ایک دوسرے کی زبان کو سمجھیں اور سیکھیں۔ لہٰذا انھوں نے اس ضرورت پر عمل شروع کر دیا اور اب یہ زبان ریختہ کے نام سے جانی پہچانی جانے لگی۔

اُردو زبان کا جنم لشکر کے بازار میں ہوا تھا۔ ہر ملک کے لوگ لشکر میں موجود تھے اور اپنی اپنی زبانیں ساتھ لیکر آئے تھے۔ ادھر بازار لگانے والے ہندی دوکاندار تھے۔ سودا سلف کی احتیاج سے آپس میں بات چیت کی ضرورت پیش آئی۔ لہٰذا سامان کی خریداری کے وقت غیر ملک والوں کو ہندی دوکانداروں سے اپنی زبان میں اپنی ضرورت ظاہر کرنی ہوتی تھی۔ یا پھر اشاروں کے ذریعہ سامان طلب کیا جاتا تھا۔ یہی حالت ادھر ہندی دوکانداروں کی تھی۔ اس طرح دونوں فریقین کو ایک دوسرے کے ذریعہ

رہنے اور آپس میں گفتگو سے ایک دوسرے کی زبان سیکھنے اور سمجھنے میں کافی مدد ملی اور خود بخود ایک نئی زبان وجود میں آنی شروع ہوگئی۔ چونکہ اُردو زبان کا جنم لشکر کے بازار میں ہوا تھا لہٰذا اس کا نام اُردو مشہور ہوا۔ ترکی زبان میں اردو کے معنی لشکر کے بازار کے ہیں۔

کھولے ہوئے پر کہتے ہیں شاہین[۱] ترازو
پلّے ہوں برابر کہ یہ عادل کا ہے اُردو[۲] (میر انیسؔ)

اسی طرح زمانہ گذرتا گیا اور حکومتوں کے عروج و زوال ظہور میں آتے رہے اور یہ یتیم و لاوارث بچہ کس مپرسی کے عالم میں بے یار و مددگار۔ بھیڑ بھاڑ میں اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا رہا اور کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی۔ آخر امیر خسرو کی گوہر شناس نظریں اس ہونہار بچہ پر گئیں۔ اور اس نے اس کو اپنی آغوش میں لیکر پرورش شروع کردی۔ یعنی عربی، ترکی اور فارسی کے میل جول سے جو بچہ ہندوستان کے بطن سے پیدا ہوا تھا اسکو روشناس کرانے کا بیڑا اٹھایا۔ امیر خسرو اوّل شخص تھے جو اس زبان کو جان کر کام میں لائے، اور فارسی آمیز غزل کہی یعنی ایک مصرع فارسی اور دوسرا ہندی یا آدھا مصرع فارسی اور آدھا ہندی اس طرز کے کلام کو "صنعت ملمع" کہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ایسا کلام بھی کہا جسمیں فارسی اور ہندی کے الفاظ یکے بعد دیگرے استعمال کیے گئے ہیں۔ امیر خسرو کا زمانہ ۱۲۵۳ء سے ۱۳۲۵ء تک ہے۔ یہ علاء الدین خلجی کے عہد میں موجود تھے اور سرکار سے ایک ہزار روپیہ سالانہ بطور

---

[۱] شاہین سے مراد وہ کپڑا ہے جو ترازو کی ڈنڈی کے درمیان بندھا ہوتا ہے [۲] بازار

وظیفہ پاتے تھے۔

امیر خسرو کی شاعری کا نمونہ

زحالِ مسکیں مکن تغافل ورائے نیناں بنائے بتیاں
کہ تاب ہجراں ندارم ایجاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں
شبانِ ہجراں درازچوں زلف روزِ وصلت چو عمر کوتاہ
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں
یکایک از دل دو چشم جادو بصد فریبم ببرد تسکیں
کسے پڑے جو جا سنادے پیارے پی کو ہماری بتیاں
چوں شمعِ سوزاں چو ذرہ حیراں زمہرآں مہ بگشتم آخر
نہ نیند نیناں نہ انگ چیناں نہ آپ آویں نہ بھیجے پتیاں
بحقِ روزِ وصالِ دلبر کہ داد مارا فریب خسرو
سپیت من کی دراری راکھوں جو جائے پاؤں پیا کی گھتیاں

پہیلیاں

اندھا گونگا بہرا بولے گونگا آپ کہائے
دیکھ سفیدی ہوت انگارا گونگے سے بھڑ جائے
بانس کا مندر واہ کا باشا باشی کادہ کہا جا
سنگ ملے تو سر پر رکھیں واکو را درا جا
سی سی کر کے نام بتایا تا میں بیٹھا ایک
الٹا سیدھا ہر پھر دیکھو وہی ایک کا ایک
بھید پہیلی میں کہی تو سن لے میرے لال
عربی، فارسی۔ ہندی تینوں کر دخیال

وہ آوے تب شادی ہوئے — اس بن دوجا اور نہ کوئے
میٹھے لاگے وا کے بول — اے سکھی ساجن، نا سکھی ڈھول

آپ ہلے اور مُجھ کو ہلاوے — وا کا ہلنا مورے من بھاوے
ہل ہلا کے ہوا نسنکھا — اے سکھی ساجن، نا سکھی پنکھا

سگری رین چھتین پہ راکھا — رنگ روپ سب وا کا چاکھا
بھور بھئی جب دیا اتار — اے سکھی ساجن، نا سکھی ہار

ایک ناری دنت دنتیلی — دُبلی پتلی، چھیل چھبیلی
جب وا تریا کو لاگے بھوک — ہری سوکھی چباوے روکھ
بیر ط
جو کوئی بتادے تا کے بلہاری
خسرو کہے میں بتاؤں رے آری

۱۴۸۸ء میں سکندر لودی کا دور شروع ہوا اور ۱۴۹۷ء میں پرتگیز یوں کا جہاز اسی بادشاہ کے زمانہ میں پہلے پہل سمندر کے کنارے دکن میں اترا تھا۔ پرتگال والوں کی دیکھا دیکھی ڈچ، فرانسیسی اور دوسرے یورپ والے بھی دکن میں سمندر کے راستے سے داخل ہوئے۔ امیر خسرو کے بعد کبیر داس

کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ کبیر داس سکندر لودی کے زمانہ میں موجود تھے ان کا زمانہ ۱۴۴۲ء سے ۱۵۱۸ء تک ہے۔ امیر خسرو کے بعد کبیر داس نے اس بچہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنی شاعری میں خوب اُجاگر کیا۔

اہل یورپ کے ہندوستان میں داخل ہونے سے اب اس بچہ کو یورپ کی ہوا بھی لگنی شروع ہوگئی اور دکن میں خاطر خواہ پرورش ہونے لگی۔

حکومتوں کے اسی اتار چڑھاؤ میں بادشاہ بابر کا عہد شروع ہو گیا بابر ۱۵۳۰ء میں انتقال کر گیا اور اس کا بیٹا ہمایوں تخت نشین ہوا۔ آخر وہ بھی کوٹھے سے گر کر جاں بحق ہوگیا۔ اب ہمایوں کے بیٹے جلال الدین اکبر نے تیرہ ۱۳ سال کی عمر میں عنانِ حکومت سنبھالی۔ اکبر بڑا دانا اور دور اندیش بادشاہ تھا۔ سلطنت کے انتظام کے لئے وہ نو ارکان قائم کئے جو اس دور کے بڑے فہیم اور دانشور مانے جاتے تھے۔ ان نو ارکان میں ہندو مُسلم دونوں قوموں کے افراد شامل تھے اور اس جماعت کا نام "نورتن" تجویز کیا۔

اکبر نے جے پور کے راجہ کی بیٹی جودھا بائی سے شادی کی۔ اور باہم عہد و پیمان ہو گیا کہ آئندہ جو تخت پر بیٹھے گا وہ اسی رانی جودھا بائی کے بطن کی اولاد ہو گی۔ اور اس ملک کی عورتیں سہیلیوں کے طور پر محل شاہی میں خدمت کے لئے رہا کریں گی۔

لیجئے بادشاہ کی شادی ہو گئی۔ اور سسرال سے دُلہن کا ڈولا روانہ

ہوا۔ سینکڑوں سہیلیاں راجستھانی زرق برق پوشاک پہنے اپنی روایتی سج دھج کے ساتھ ڈولے کو گھیرے چلی آ رہی ہیں۔ دلہن کی سواری محل میں داخل ہوئی اور ہندی عورتوں نے محل پر اپنا تسلّط قائم کر لیا۔ بعد ازاں اکبر نے جودھپور کے راجہ کی بیٹی سے شادی کی اور اس کے ساتھ بھی سینکڑوں سہیلیاں بطور خادمائیں محل میں داخل ہوئیں اور اسی نسبت سے جے پور اور جودھپور کے راجے بھی دربار شاہی سے منسلک ہو گئے۔
اب اکبر کو ضرورت پیش آئی کہ ہندی بول چال اختیار کی جائے۔ لہٰذا اکبر اور اس کے غیر ملکی درباری جو دربار اور محل سے وابستہ تھے۔ آپس میں غلط سلط اور اناپ شناپ جو جیسا جس سے سُنا اور سمجھ میں آیا بولنا شروع کر دیا اسی سبب اکبر نے قلعہ میں زنانہ بازار کی بنا ڈالی اور اس کا نام "مینا بازار" تجویز کیا۔ اس بازار میں سب اہلِ پیشہ اور حرفہ کی خواتین عربی، ترکی، ایرانی ہندی اپنی اپنی دوکانیں سجاتی تھیں اور محلات شاہی اور امراء کی بیبیاں اور محل کی دیگر خواتین خرید و فروخت کرتی تھیں۔

یہ بازار ہر ہفتہ لگایا جاتا تھا۔ اس طرح ہندی عورتوں کو ولائتی عورتوں سے اور ولائتی عورتوں کو ہندی عورتوں سے بات چیت کا اچھا موقعہ ملا۔ بلکہ یوں کہیئے کہ امیر خسرو اور کبیر داس کا گود کھلایا یہ بچہ اب کھیلتا کودتا نظر آنے لگا۔ سنت تلسی داس جنھوں نے رام چرتر مانس

ہندی بھاشا میں تصنیف کی ہے، اکبر بادشاہ کے ہی زمانہ میں ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی ہندی شاعری میں کافی الفاظ فارسی زبان کے استعمال کیے ہیں جیسے گریب نواج (غریب نواز) جین (زین) ساج (ساز) جہاج (جہاز) پرمان (فرمان) بجار (بازار) وغیرہ وغیرہ۔

اس زمانہ کے قریب ہی سورداس ہوئے ہیں۔ انھوں نے بھی اپنی ہندی شاعری میں اسی طرح فارسی الفاظ کا استعمال کیا ہے۔

فرزند احمد صفیر بلگرامی اپنی تصنیف "تذکرہ جلوۂ خضر" حصّہ اول مطبوعہ ۱۸۸۵ء میں رقمطراز ہیں کہ ایک رباعی اکبر بادشاہ کی بزبان اُردو "تزکِ جہانگیر" میں نظر آئی ہے جو اس موقعہ کی ہے کہ جب جہانگیر نے بسببِ عناد ابوالفضل کو مروا ڈالا تو اکبر کو بڑا صدمہ گذرا اور باپ بیٹے میں کشیدگی پیدا ہوگئی۔ کچھ روز بعد لوگوں نے باپ بیٹے میں صلح کرائی اور اکبر بادشاہ نے جہانگیر کو بلوایا۔ جہانگیر نے لکھ بھیجا کہ نجومیوں سے کوئی ساعتِ سعید نکلوا کر بھیجیے کہ میں قدمبوسی کو حاضر ہوں۔ اکبر نے جواب میں جہانگیر کو مندرجہ ذیل رباعی بزبان اُردو لکھ کر بھیجی۔

رُباعی

پوچھی جو گھڑی مجھ سے براہِ عادت — تو وصل کو ساعت کی نہیں کچھ حاجت
ہو جاتی ہے ملنے سے مُبارک ساعت — ساعت کا بہانہ نہیں خوش ہر ساعت

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو زبان کا ڈھنگ اکبر کے زمانہ میں شروع ہو چکا تھا۔ اب اکبر کو بیماری نے گھیر لیا اور بستر پر فراش ہو گیا۔ کام کرنے کی ہمت جواب دے گئی۔ آخر ۱۶۱۲ء، ۱۰۱۸ھ میں اس جہانِ فانی سے کوچ کر گیا اور شہزادہ نورالدین محمد جہانگیر تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ جہانگیر نے اپنے والد کی وہ تمام روایات بدستور قائم رکھیں جو اس کے دور میں رائج تھیں اسی طرح مینا بازار کا وجود بھی قائم رکھا۔ نورجہاں بیگم اسی بازار کی جنس گراں بہا تھیں کہ جہانگیر نے نقد جاں سے اس کی خریداری پر کمر باندھی تھی۔ اس نے نورجہاں کے ساتھ بڑی دھوم دھام سے نکاح کیا۔ نورجہاں بڑی عقلمند اور سمجھدار عورت تھی۔ سلطنت کا تمام انتظام خود کرتی تھی اور جہانگیر برائے نام ہی بادشاہ تھا۔ لہٰذا محل میں ہر ملک کی عورتوں کی آمدورفت کے باعث اس زبان کو کافی سہارا ملا۔ اور اب یہ لڑکا لشکر کے بازار سے نکل کر محلوں میں داخل ہو گیا۔ نورجہاں جو فارسی زبان کی شاعرہ تھی اس کے دو شعر زبان اُردو حاصل ہوئے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

دیں جگر زخم جفا کو دلِ صد چاک میں ہم   دیکھیں گر کچھ بھی وفا اس بتِ بیباک میں ہم
نقشِ پا کی طرح اے راحتِ جانِ عاشق   تیرے قدموں سے جدا ہو کے ملے خاک میں ہم

جہانگیر کے بعد اس کا بیٹا شاہجہاں تخت نشین ہوا۔ اس نے آگرہ اور لاہور کو چھوڑ کر پرانی دہلی کے پاس اور ایک نئی دہلی شاہجہاں آباد کے

نام سے بسائی اور اسے اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ دہلی میں اس نے قابلِ دید لال قلعہ تعمیر کرایا۔ آگرہ میں تاج محل بنوایا اور کروڑوں روپیوں کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا۔ اب دیکھیئے کہ ان تعمیرات کے لئے کہاں کہاں سے ماہرین فن آکر جمع ہوئے ہوں گے۔ کتنا عرصہ ان کی تکمیل میں صرف ہوا ہوگا۔ اور ضرورت کے مطابق ایک دوسرے کی زبان بھی سیکھنی اور سمجھنی پڑی ہوگی۔ اس طرح کتنے ہی اور نئے الفاظ اسکے دامن کی زینت بن گئے۔ خود شاہجہاں کے دربار میں دو ہستیاں لالہ ولی رام ولی اور پنڈت چندربھان برہمن ایسی موجود تھیں جو عربی، فارسی اور سنسکرت کے جید عالم تھے۔ اور دربار شاہی میں میر منشی کے عہدوں پر ممتاز تھے۔ امیر خسرو کے بعد شمالی ہند میں یہ دونوں حضرات ہی سب سے اوّل کے ریختہ گو شاعر ہوئے ہیں۔

سنہ ۱۶۵۲ء میں اورنگ زیب (جس نے پچپن سال حکومت کی اور سنہ ۱۷۰۷ء میں وفات پائی) نے بھائیوں کو صید اور اپنے والد شاہجہاں کو قید کر کے تخت پر قبضہ جمالیا۔ سنہ ۱۶۸۰ء میں اس نے دکن کی کمان بولدی اور لشکر لیکر ابوالحسن تاناشاہ پر جو مرہٹوں کا طرفدار تھا چڑھائی کردی، اب دہلی اور آگرہ سنسان ہوگئے اور تمام فوج دکن میں جمع ہوگئی، یہاں لڑائی میں اتنا عرصہ صرف ہوگیا کہ کچھ ایسے سپاہی جن کی شادیاں حال ہی

میں ہوئی تھیں ان کی نوعروسوں نے انتظار میں بال سفید کر لیئے۔ اور اشتیاق نامے لکھ لکھ کر وہاں اپنے شوہروں کو بھیجے، وہاں سے جواب آیا

بیٹھی رہو قرار سے اور من میں راکھو دھیر
منتی کرو اس سائیں سے کر بھوریں عالمگیر

فوج جو شمالی ہند سے دکن پہنچی اور کافی لمبے عرصہ تک وہاں قیام رہا اور کیسے کیسے عالم فاضل لوگ ساتھ تھے تو وہاں کے قیام نے دکن کے لوگوں کے ساتھ بات چیت اور میل ملاپ کا اچھا موقعہ دیا جس کا انجام یہ ہوا کہ سب زبانیں شیر و شکر ہو کر ایک ہو گئیں اور اب یہ زبان تقریر سے تحریر کے میدان میں اُتر آئی۔

زیب النساء بیگم دختر عالمگیر جو فارسی زبان کی شاعرہ تھی، نے بھی اُردو زبان میں شعر کہے ہیں جو بطور نمونہ ذیل میں درج کیئے جاتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُردو زبان اب خاص و عام کی زبان ہوتی جا رہی ہے۔

اشعار زیب النساء بیگم

جس طرح دل کو لگی ہے چاہ کسو کی — اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی
ہر ایک پہ تم جور و جفا کرتے ہو پیارے — دھڑکے ہے مرا دل نہ لگے آہ کسو کی

نہ نامہ، نہ پیغام، زبانی، نہ نشانی
حالت سے کوئی کیونکہ ہو آگاہ کسو کی

اگر ہماری نعش پہ کیا یار کر چلے | خواب عدم سے فتنہ کو بیدار کر چلے
خواہ ہی پیالہ خواہ سبو کیجیو کلال | ہم اپنی خاک پر بجھے اختیار کر چلے

جدا ہو مجھ سے مرا یار خدا نہ کرے | خدا کسی کے تئیں دوست سے جدا نہ کرے
صنم جو تجھ سے ہوا آشنا سوجی سے گیا | خدا کسی کے تئیں تجھ سے آشنا نہ کرے

آخر یہ کھچڑی زبان جو ایک مدت سے بک رہی تھی شمس الدین ولی دکنی کے بہت کام آئی، اس نے اس زبان کو اپنا کر شعر کہنا شروع کر دیا۔ اور اپنا شعری مجموعہ بھی شائع کرالیا۔ ولی دکنی کے دور تک اور بھی بہت سے شعراء دکن میں ہو چکے ہیں جن میں سے کچھ کی فہرست مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ شاہ میراں جی، وفات ۹۰۲ھ
۲۔ شاہ برہان الدین خانم، وفات ۹۹۰ھ
۳۔ محمد نصرت نصرتی ۱۰۹۷ھ میں موجود تھے
۴۔ سید میراں ہاشمی (آپ مادرزاد نابینا تھے، وفات قریب ۱۱۶۹ھ)
۵۔ راما راؤ
۶۔ سیوا
(۷) محمد قلی قطب شاہ، دورِ حکومت ۹۸۸ھ تا ۱۰۲۰ھ
(۸) وجہی
(۹) محمد قطب شاہ، دورِ حکومت ۱۰۲۰ھ تا ۱۰۳۵ھ
(۱۰) حسن شوق
(۱۱) غواصی
(۱۲) عبداللہ قطب شاہ دورِ حکومت ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۸۳ھ
(۱۳) ابن نشاطی

(۱۴) ابوالحسن تانا شاہ (۱۷) اشرف
(۱۵) قاضی محمود بحری (۱۸) شمس الدین ولی دکنی
(۱۶) فائز وفات ۱۱۱۹ھ

مگر ان میں سے کسی کو بھی اتنی شہرت نصیب نہیں ہوئی جتنی کہ ولی دکنی کو۔ سبب یہ تھا کہ ان شاعروں کا کلام کتابی صورت اختیار نہ کرسکا جس کی وجہ سے یہ سب شعراء دکن تک ہی محدود ہو کر رہ گئے۔ محمد قلی قطب شاہ جو ولی دکنی سے قریب سو سال پیشتر ہوئے ہیں، کا دیوان ضرور شائع ہوچکا تھا مگر وہ بھی دکن سے باہر نہ جاسکا۔ شمالی ہند میں ولی دکنی کی شہرت کا باعث یہ ہوا کہ اسے سیر و سیاحت کا بڑا شوق تھا۔ ادھر اس کا دیوان شائع ہوچکا تھا لہٰذا وہ اپنا دیوان لیکر شمالی ہند پہنچ گیا۔ یہ دور اورنگ زیب بادشاہ کا تھا اس وقت جو شعرا شمالی ہند میں موجود تھے وہ محض فارسی کلام کہنے تک ہی محدود تھے مگر جب ریختہ میں ولی دکنی کا کلام ان تک پہنچا تو اس نئی زبان کے کلام سے بے حد متاثر ہوئے اور آخر اس زبان کا چٹخارا لئے بغیر نہ رہ سکے اور اس زبان میں طبع آزمائی شروع کردی

شمالی ہند میں طبقۂ اوّل کے ریختہ گو شعرا ہیں۔ لالہ دلی رام ولی، اور پنڈت چندر بھان برہمن کے بعد فائز دہلوی، شاہ آبرو، خان آرزو، امیر خاں انجام۔ ناجی، مضموں۔ مہاراجہ رام نرائن موزوں، منشی

ٹیک چند بہارؔ ۔ رائے سندرام مخلصؔ ۔ سرب سکھ دیوانہؔ ۔ منشی بندرابن راقمؔ وغیرہ ہوئے ہیں ۔

ولیؔ دکنی کی شاعری کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔

(۱) وہ اشعار جو خاص اس وقت کی زبان میں ہیں جن کی تبدیلی نہیں ہو سکتی ۔

(۲) وہ اشعار جن کے الفاظ کی تبدیلی ہو سکتی ہے ۔

(۳) وہ اشعار جو میر تقی میرؔ اور سوداؔ کی زبان کے مطابق ہیں ۔

(۴) وہ اشعار جن میں ناسخؔ کے دَور کی لکھنوی زبان ملتی ہے ۔

نمونۂ اشعار جو اس وقت کی زبان میں ہیں

تِرے بن مجکو ساجن تو گھر اور بار کرتا کیا
اگر تو نہ اچھے مجھ کن تو یہ سنسار کرتا کیا

پیتم ملنے سوں اگر اپنے سوہاگن نہ کرینگے مجھ
تو چورا کچکری کا اور گلے کا ہار کرتا کیا

تِرے آنے کی باٹ اوپر بچھائی انکھیاں کو میں
نو بیگی آ کر تجھ بن مجھ کو یہ گھر بار کرتا کیا

جو کوئی جالے پرت کی آگ میں تن من کو یوں اپنے
ولیؔ سنگم بنا اس کو ترا آدھار کرتا کیا

اشعار جن کی تبدیلی ہو سکتی ہے

نہ ہووے چرخ کی گردش سوں[۱] اس کے حال میں گردش
بجا ہے قُطب کے مانند استقلال عاشق کو

کم نما ہے نوجواں میرا برنگِ ماہِ نَو
ماہِ نَو ہوتا ہے اکثر اے عزیزو[۲] اس کم نما[۵]

---

[۱] سے [۲] عزیزو

محبت کے مرے دعوے پہ تا ہووے سند اسکوں
لکھا ہوں صفحۂ سینہ پہ خون دل سوں نام اس کا

جاتا ہے دن تمام اس مکھ کی یاد میں
ہوتا ہے فکر زلف میں احوال سب عجب

(۳) اشعار جو میرؔ و سوداؔ کی زبان کے مطابق ہیں

جوں سروِ بے خزاں ، جہاں میں وہ سبز بخت
تیری قدِ بلند پہ جس نے نظر کیا

یاد آتا ہے مجھے جب وہ گلِ باغِ وفا
اشک کرتے ہیں مکاں یہ گوشۂ داماں میں آ

از بسکہ زندگی میں یوں محو ہو ولیؔ ہیں
مشکل ہوا اجل کو کرنا سراغ میرا

اے ولیؔ گلبدن کو باغ میں دیکھ
دلِ صد چاک باغ باغ ہوا

(۴) اشعار جن میں لکھنؤ کی زبان ملتی ہے

پھر میری خبر لینے صیاد نہ آیا
شاید کہ مرا حال اسے یاد نہ آیا

نقشِ دیوار کیوں نہ ہو عاشق
حیرت افزا ہے بیوفا کی ادا

چاہتا ہے اس جہاں میں گر بہشت
جا تماشا دیکھ اس رخسار کا

کرتا ہے اسکے زلف کی تعلیم اے ولیؔ
جو ہے مرید سلسلۂ مستقیم کا

اٹھارویں صدی میں شاہ عالم کا زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ خود شاعر تھا اور آفتاب تخلص سے سرفراز تھا۔ چار دیوان زبانِ اردو اس سے یادگار ہیں۔ اس کے بعد اکبر شاہ ثانی نے حکومت سنبھالی اور آخیر میں مغلیہ سلطنت کے آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ کا دور آیا۔ یہ بادشاہ بھی شاعر تھا

اور ظفر تخلص فرماتا تھا۔ اسکے بھی چار دیوان بزبان اُردو یادگار موجود ہیں یہ وہ دور تھا کہ جب اُردو زبان بام عروج پر پہنچ چکی تھی اور نظم اور نثر کے میدان میں اپنی دھاک جما چکی تھی۔

بہادر شاہ ظفر کے زمانہ میں انگریزوں کے تشدد کا دور شروع ہو گیا جو ۱۸۵۷ء کے غدر کی صورت میں نمودار ہوا۔ بہادر شاہ کو قید کر لیا گیا۔ اسکے بیٹوں کو قتل کر دیا گیا۔ اور اب انگریزوں نے قریب قریب تمام ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

انگریزوں کی عملداری میں بہت سے انگریزی زبان کے الفاظ بھی کچھ تبدیلیوں کے ساتھ اس زبان کے دامن میں سما گئے۔ جیسے

Recruit	رنگروٹ
Lantern	لالٹین
Long cloth	لٹھا
Deputy	ڈپٹی
Report	رپٹ
Orderly	اردلی
Captain	کپتان
Bearer	بیرا
Battalion	پلٹن ، وغیرہ وغیرہ

اسی طرح ہندی زبان کے بھی بہت سے الفاظ کچھ تبدیلیوں کے بعد اس زبان میں سماتے چلے گئے۔ جیسے

اُردو	ہندی
ساون	شراون
پھاگن	پھالگن
دکن	دکشن
برات	بریاترا
کھیت	چھیتر
چودھری وغیرہ	چھتردھاری

انیسویں صدی کے اوائل میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ڈاکٹر جان گلگراسٹ کی نگرانی میں اُردو زبان کی ترقی کے لئے کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کو اُردو زبان کا مرکز قرار دیا۔ اور ملک کے نامور انشاپردازوں اور ادیبوں کو جمع کرکے تحقیق و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور اُردو زبان میں کافی تعداد میں کتابیں تصنیف کرائیں۔

اس کالج میں کام کرنے والوں میں میرامن۔ شیر علی افسوس۔ میر بہادر علی حسینی، حیدر بخش حیدری۔ نہال چند لاہوری۔ للو لال جی بینی نرائن وغیرہ حضرات شامل تھے۔

انیسویں صدی کے آخر میں ڈاکٹر فیلن نے دہلی میں ایک ضخیم اُردو

لغت کی ترتیب کا سلسلہ شروع کیا۔ ان کی زیرِ نگرانی کام کرنے والوں میں مسلم ادیبوں کے علاوہ ہندو اصحاب میں ماسٹر پیارے لال، بابو جگجیون لال اور فقیر چند وغیرہ شامل تھے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اُردو زبان کے ارتقاء میں روزِ اوّل سے ہی ہندو مسلم دونوں قومیں دوش بدوش نظر آتی ہیں۔ ہندوؤں میں بڑے بڑے اُستاد شاعر ہو چکے ہیں۔ جن کا تذکرہ میں اپنی تصنیف "موجِ گنگ" میں کر چکا ہوں جسمیں ابتدائے شاعری سے انیسویں صدی تک کے قریب نو سو شعرائے ہنود کا تذکرہ شامل ہے۔

شاعری کے علاوہ اہلِ ہنود نے نثر نگاری کے میدان میں بھی خوب جوہر دکھائے ہیں۔ اور پیچیدہ علمی عنوانات پر کافی تعداد میں کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن کی فہرست مختلف موضوعات پر بطورِ نمونہ ذیل میں درج ہے۔ اسکے علاوہ مطبع منشی نول کشور کی خدمات بھی اُردو ادب کے ارتقاء میں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ جہاں کچھ مصنفین نے آپسی بھائی چارے اور فراخدلی کو برقرار رکھا ہے وہاں کچھ مصنفین نے تنگ نظری اور تعصب کا سہارا لیکر اُردو ادب کے دامن کو داغدار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ادب کسی ایک فرقہ کی جاگیر نہیں۔ ادب اور فن سب کا ملا جلا قابلِ فخر سرمایہ ہے اسکو حصوں اور خانوں

میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ جوہر دیوبندی

نمونہ تاریخی تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سن اشاعت
۱	آئینہ تاریخ نما ۳ جلد	راجہ شیو پرشاد	۱۸۸۷ء
۲	اقوام ہند	بابو کشوری لال	۱۸۶۶ء
۳	پریم ساگر	منشی سوامی دیال	۱۸۸۸ء
۴	تاریخ راجستھان	شیو برت لال دوارکا پرشاد	۱۸۷۷ء
۵	تاریخ پنجاب	رائے کنہیا لال بہادر	۱۸۸۱ء
۶	تاریخ تزک ہند	منشی دیبی پرشاد	۱۸۸۳ء
۷	تاریخ دوربین جہاں	منشی گوری شنکر	قریب ۱۸۸۷ء
۸	تاریخ راجگان ہند	" "	۱۸۸۷ء
۹	اعمال نامہ لاؤس	پنڈت رتن ناتھ سرشار	۱۸۸۷ء
۱۰	تاریخ کانپور ۳ جلد	منشی درگاہی لال	۱۸۵۷ء
۱۱	گلشن پنجاب	لالہ دیبی پرشاد	۱۸۵۰ء
۱۲	تاریخ کشمیر	پنڈت ہرگوپال کول	"
۱۳	محاربۂ عظیم	پنڈت کنہیا لال	۱۸۶۱ء

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	سن اشاعت
۱۴	واقعات پنج ہزار سالہ	منشی رادھے لال	۱۸۷۸ء
۱۵	وقائع راجپوتانہ	بابو جوالا سہائے	۱۸۸۷ء
۱۶	تاریخ چین	منشی گوکل پرشاد	۱۸۹۸ء
۱۷	تزک جرمنی	بشمبر ناتھ	
۱۸	تاریخ عہد مغلیہ	پنڈت سکھ رام شرما	۱۹۱۲ء
۱۹	تاریخ فرماں روایانِ اودھ	منشی رادھے لال	۱۸۷۸ء
۲۰	عمدۃ التواریخ	بابو سوہن لال	
۲۱	کارنامۂ سکندری	لالہ گوکل پرشاد	۱۸۷۴ء
۲۲	مراۃ السلاطین	" "	۱۸۸۳ء
۲۳	سیر گلشنِ ہند	منشی بابو رام	۱۸۷۱ء
۲۴	تاریخ سلطنت انگلیشیہ	بابو کشن لال	۱۸۷۱ء
۲۵	تاریخ اجودھیا	راجہ درگا پرشاد	۱۹۰۴ء
۲۶	رہنمایانِ ہند	پنڈت نرائن پرشاد	۱۹۰۴ء
۲۷	تذکرۃ الکاملین، وغیرہ وغیرہ	ماسٹر رام چندر	۱۸۸۴ء

نمونہ فنی تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	فن	سن اشاعت
۱	تلخیص الحساب	دیبی پرشاد	ریاضی	۱۸۷۸ء
۲	علم مساحت	رام رتن	"	۱۸۷۷ء
۳	خلاصۃ المنطق	دیبی پرشاد	منطق	۱۸۷۲ء
۴	منطق قیاسی	دین گوپال ایم۔ اے	"	۱۸۷۹ء
۵	حقائق الموجودات	شیو پرشاد	سائنس	۱۳۱۲ھ
۶	رسالہ علم طبیعات	رگھوناتھ سہائے	"	۱۸۸۳ء
۷	اصول فکری نظری	کنہیا لال	فلسفہ	۱۸۶۶ء
۸	آسمانی سائنس	دیا رام	ہیئت	۱۸۹۷ء
۹	ارض النجوم	چندو لال	"	۱۹۰۳ء
۱۰	اصول مساحت	دیبی پرشاد	ریاضی	۱۸۸۵ء
۱۱	مرآۃ العلوم	"	سائنس	۱۸۷۵ء
۱۲	اقلیدس	آتما رام	ریاضی	۱۸۸۵ء
۱۳	علم مثلث مستوی	رام رتن	"	۱۸۷۳ء
۱۴	اقلیدس مقالہ	رام پرشاد	"	۱۸۷۹ء

۱۵	تعلیم المساحت	رام پرشاد	ریاضی	سنہ ۱۸۸۵ء
۱۶	لیلاوتی	دیوی چند	"	سنہ ۱۲۷۸ھ
۱۷	اصل الحساب ۴ حصے	ایشری پرشاد	"	سنہ ۱۸۷۹ء
۱۸	اقلیدس ۲ مقالے	بنسی دھر	"	سنہ ۱۸۸۴ء
۱۹	کتاب علم سکون	آپارام	"	سنہ ۱۸۷۹ء
۲۰	جبر و مقابلہ ۲ حصے	بنسی دھر	"	سنہ ۱۸۷۸ء، ۱۸۵۶ء
۲۱	علم الحساب "	درگا پرشاد	"	سنہ ۱۸۸۱ء
۲۲	علم مثلث	شنیل پرشاد	"	سنہ ۱۸۷۲ء
۲۳	علم حرکت	موتی بھوشن مکرجی	"	سنہ ۱۸۷۹ء
۲۴	جغرافیہ طبعی	ہریش چندر بوس	سائنس	سنہ ۱۸۸۶ء
۲۵	علم کیمیا	مکند لال	"	سنہ ۱۸۷۱ء
۲۶	شمس الضحیٰ	رتن ناتھ	"	سنہ ۱۲۹۰ھ
۲۷	قوتِ کہربائی	تیلو رام	"	سنہ ۱۸۹۱ء
۲۸	اوراقِ پریشاں	آتما رام	"	سنہ ۱۹۱۶ء
۲۹	خزینۃ الحساب	سکھدیو سنگھ	ریاضی	سنہ ۱۸۷۹ء
۳۰	علم حساب	ساگر چند	"	سنہ ۱۸۸۱ء

نمونہ طبی تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	فن	سن اشاعت
۱	علم و عمل فن جراحی	برج لال گھوش	طب	۱۸۸۴ء
۲	آئینۂ حیات	پنڈت بشمبر ناتھ	"	۱۸۹۲ء
۳	اکسٹرا فارما	نگندر حیدر بزدجی	"	۱۸۹۷ء
۴	امراض شش و قلب	ڈاکٹر بیلی رام	"	۱۸۸۲ء
۵	امراض گوش	ڈاکٹر مولا رتن بیباک	"	۱۸۸۷ء
۶	پریکٹس آف سرجری	"	"	۱۸۸۷ء
۷	پرنسپلز آف سرجری	"	"	۱۸۸۶ء
۸	علم و عمل طب	ڈاکٹر بھولا ناتھ	"	"
۹	پریکٹیکل فارمیسی	ڈاکٹر مکند لال	"	۱۸۸۷ء
۱۰	میٹریا میڈیکا	"	"	۱۹۰۵ء
۱۱	پریکٹیکل ہائی جین	ڈاکٹر بیلی رام	"	
۱۲	ہادیِ صحت	"	"	۱۹۰۵ء
۱۳	ذخیرۃ العلاج	حکیم لچھمی پرشاد	"	۱۹۵۳ء
۱۴	عجالۂ جراحی	دلیپ سنگھ	"	۱۸۸۷ء

۱۵	کیمیائے انسان	دوارکا ناتھ	طب	سنہ ۱۸۹۵ء
۱۶	کلیاتِ طب ۲ حصہ	ڈاکٹر نوین چندر بنرجی	"	سنہ ۱۸۸۳ء
۱۷	مخزن الادویہ (انگریزی کا ترجمہ)	ہوشیار سنگھ	"	سنہ ۱۸۸۷ء
۱۸	میٹریا میڈیکا	پنڈت بال کشن	"	سنہ ۱۹۰۲ء
۱۹	دلائل ارسطو	پیارے لال	"	سنہ ۱۸۹۳ء
۲۰	معالجات ضروری	دلیپ سنگھ	"	سنہ ۱۸۸۶ء
۲۱	گلشنِ حکمت	بابو رام	"	سنہ ۱۸۹۴ء
۲۲	معلم الملات فی شرح	بشمبر ناتھ	"	سنہ ۱۸۸۴ء
۲۳	الجروح والاموات	"	"	
۲۴	اکسیر دماغ	حکیم بلاقی داس	"	
۲۵	مفتاح البصارت	ڈاکٹر گرودت سنگھ	"	سنہ ۱۸۸۵ء
۲۶	گنجِ حکمت	حکیم بلاقی داس	"	سنہ ۱۸۹۹ء

فہرست شعراء

تخلص	نام	صفحہ نمبر
ابد	گنگا رام سرہندی	۴۳
ابر	دیس راج شرما	۴۴
آتش	دیوی دیال بھادلپوری	۴۵
اثر	کالی چرن دہلوی	۴۸
احقر	بابو رادھے شیام لکھنوی	۴۹
اختر	ستیہ پال رضوانی	۵۰
اختر	پنڈت ہری چند	۵۱
اختر	کنول نین روجھانوی	۵۲
اختر	شوری لال بخشی امرتسری	۵۳
اختر	گیان پرکاش لکھنوی	۵۵
اخگر	بابو نند کشور فیروزپوری	۵۶
اخگر	کے، ایل شہانوی	۵۸
ادیب	گورسرن لال لکھنوی	۶۰
آرزو	سادھو رام سہارنپوری	۶۲
ارمان	پریتم لال محمود کوٹی	۶۵
آزاد	جگن ناتھ	۶۶
ازل	مدن موہن لال	۶۸
افسر	سروپ کشن پشاوری	۶۸
اکمل	پنڈت رام پرتاپ جالندھری	۶۹
امر	رنبیر الہ آبادی	۷۱
آدمی	اوم پرکاش سنبھلی	۷۲
بجاج	اوم پرکاش فیروزپوری	۷۳
برق	بھگوان داس رہتک	۷۵
برق	لالہ رام رکھا مل سیالکوٹی	۷۶
برق	گردھاری لال	۷۶
برگ	منشی شیو پرشاد پانڈہ	۷۷
بسمل	لالہ دیوی چند کیرانوی	۷۸
بسیم	خزان چند بھاٹیہ	۸۰

بہار رائے منوہر لال حیدر آبادی ۸۱
بہار پروفیسر امر چند ۸۲
بہار شیو راج کپور امرتسری ۸۵
بیتاب، بابو جگیشور ناتھ بریلوی ۸۷
بیدار سردار کرپال سنگھ ۸۸
بیتوا گیندن لال جہان آبادی ۹۰
تاباں منشی پرشوتم دیو ۹۱
تاجور تاجور سامری ۹۲
تبسم بھگت لچھمن داس علی پوری ۹۳
تسنیم پنڈت گنگا دھر ۹۵
تلخ منشی لال شرما نارنول ۹۶
تمنا رام پرکاش انبالوی ۹۷
تیغ سردار ہربنس سنگھ ہوشیارپور ۹۹
ثاقب بابو کشن لال بریلوی ۹۹
جاوید شیو پرشاد وشششٹ فرید آبادی ۱۰۲
جور منشی کیدار ناتھ بسوانی ۱۰۴
جوش پنڈت ہری ہر ناتھ الہ آبادی ۱۰۴
جوہر بدھ پرکاش دیوبندی ۱۰۵
جوہر چندر پرکاش بجنوری ۱۰۹
چرخ اسیر داس چنیوٹی ۱۱۱
چندن ادتم چند ٹونک ۱۱۳
حامی ماسٹر داس تیواڑی کیتھل ۱۱۵
حسرت پنڈت گوکل چند انبالوی ۱۱۶
خمار پنڈت موہن ناتھ زتشی دہلوی ۱۱۸
خوش پنڈت گوبند لال سرحدی فرید آباد ۱۱۹
خوشتر رائے بشن سنگھ حیدر آباد دکن ۱۲۱
درد ڈاکٹر جگدیش مہتہ دہلی ۱۲۲
درد نوہریا رام نکودر ۱۲۳
درشن سردار درشن سنگھ دگل راولپنڈی ۱۲۵
ذکر ذنکر راؤ ایڈووکیٹ حیدر آباد ۱۲۶
دیوان بیلا رام ۱۲۶
ذاکر کشمیری لال ۱۲۸
راحت اوم کرشن فرید آباد ۱۲۹
راز دھنپت رائے لائلپوری ۱۳۱

راز سردار پورن سنگھ چنڈی گڑھ ۱۳۲
راز سردار جسونت سنگھ ۱۳۳
راز شیتلا سہائے ضلع کانپور ۱۳۵
رانا پنڈت سورج پرکاش جے پور ۱۳۶
راہی رام پرکاش دہلی ۱۳۷
راہی رگھبیر سرن دواکر ریاست رامپور ۱۳۸
رتن پنڈت رلارام پنڈوری ۱۳۹
رشک پنڈت رام ناتھ جالندھر ۱۴۰
رشی بام دیو پٹیالوی ۱۴۱
رضا کالی داس بمبئی ۱۴۳
رفیق دینا ناتھ پونچھ ۱۴۵
روشن روشن لال پٹیالوی ۱۴۶
روشن روشن لال نکودر ۱۴۷
زار ادم پرکاش انبالوی ۱۴۸
زار پنڈت بشن داس کپورتھلہ ۱۵۰
زخمی لالہ بھاگیرت لال حصاری ۱۵۱
ساغر پنڈت سوہن لال امرتسری ۱۵۳
ساحر تیج ونت رائے سنام ۱۵۴
ساحر پنڈت رگھبیر داس سیالکوٹی ۱۵۵
ساحر رام پرکاش ہوشیارپوری ۱۵۶
ساحر بخشی رام سبھایا ایڈوکیٹ امرتسری ۱۵۹
ساگر کرشن گوپال ہوشیارپوری ۱۶۰
سحاب شیو دیال ۱۶۲
سحر کنور ہنر سنگھ بیدی ۱۶۳
سحر گھنشیام چندر سنبھل ۱۶۵
سرشار جیمنی سرشار ۱۶۵
سرشار بھیم سین کھتری ۱۶۷
سرشار دوارکا داس کرتارپور ۱۶۸
سرشار پنڈت امرناتھ ۱۶۸
سرور سورج کنول جالندھر ۱۷۰
سمن رام چندر سرحدی دہلی ۱۷۱
سوز خیراتی لال امرتسری ۱۷۴
سوز ہیرانند فرید آبادی ۱۷۵
سہگل رادھا کرشن سہگل دہلی ۱۷۷

شادؔ مرلی دھر دہلوی ۱۷۹

شادؔ ہر بھگوان جالندھری ۱۸۰

شادؔ لالہ جگن ناتھ بسوانی ۱۸۱

شاکرؔ لالہ گوردھن داس ضلع رہتک ۱۸۲

شایاںؔ جگدیش پرشاد شرما مظفرنگری ۱۸۲

شبابؔ وید پرکاش ۱۸۴

شبابؔ ششیش چند اسقانہ ۱۸۷

شررؔ اوتم چند ۱۸۷

شعلہؔ ددار کا داس ۱۸۹

شفاؔ ڈاکٹر پریم لال دہلوی ۱۹۰

شفقؔ منشی کرتار ناتھ سیالکوٹی ۱۹۳

شگفتہؔ پنڈت برج بھوکن لال اورنگ آبادی ۱۹۴

شمیمؔ بی۔ ایس ماتھر لکھنوی ۱۹۴

شنکرؔ لالہ شنکر لال دہلوی ۱۹۵

شوقؔ چودھری ہردیال ۱۹۶

شوقؔ شنکر دت درما ۱۹۷

شہیدؔ منوہر لال علی پوری ۱۹۷

شہیرؔ پنڈت لوک چند ضلع انبالہ ۱۹۹

شیداؔ بنارسی داس انبالوی ۲۰۰

صابرؔ ماسٹر ست دیو کھنہ ۲۰۳

صابرؔ ڈاکٹر دولت رام پانی پتی ۲۰۴

صابرؔ سردار ارام دھرم پور ۲۰۵

صابرؔ نوبہار ٹوہانوی ۲۰۷

صہباؔ مہتہ عجیب چند شرما دھرانی ۲۰۹

صندلؔ ماسٹر صندل سنگھ کیلاشپوری ۲۱۰

ضیاؔ ڈاکٹر ہریشچندر دیوانندی ۲۱۳

ضیاؔ لہر لال فتح آبادی ۲۱۴

ضیاؔ کرشن مراری میرٹھی ۲۱۷

طالبؔ نرائن داس پانی پتی ۲۱۹

طالبؔ ونود بہاری لال بھرتپوری ۲۲۱

طالبؔ لالہ ششیش چندر دہلی ۲۲۳

طالبؔ چندر پرکاش امین آبادی ۲۲۴

طوفانؔ کرشن دت دہلوی ۲۲۵

ظفرؔ بھیم سین ۲۲۵

عاجز رائے گورچرن حیدرآبادی ۲۲۶
عرش پنڈت بال مکند ملسیانی ۲۲۶
فانی کرپال سنگھ بٹالوی ۲۲۸
فدا لقب فدائے سخن پٹیالوی ۲۳۰
فدا پنڈت برج کشن گنجور فیض آبادی ۲۳۱
فرحت بابو گنگادھر کانپور ۲۳۲
فلک ہیرالال دہلوی ۲۳۳
قابل سلیکھ چند جین دہلوی ۲۳۴
قمر چاند پرکاش ہوشیارپوری ۲۳۷
قیس امر چند جالندھری ۲۳۸
کاش سومناتھ رویڑ ۲۳۹
کامل منشی بدری ناتھ پنجابی ۲۴۱
کامل سردار سنتوکھ سنگھ جہلم ۲۴۱
کرشن مراری لال دہلوی ۲۴۲
کمتر بابو کنہیا لال لکھنوی ۲۴۳
کنول پنڈت دیس راج سلطانپور ۲۴۴
کنول کنول لال شرما انبالوی ۲۴۶
کنول پنڈت بلونت سہائے ۲۴۸
کیف سرسوتی سرن چنڈی گڈھ ۲۴۹
گاندھی اندرجیت دہلی ۲۵۱
لاغر پنڈت اوم پرکاش جگراؤں ۲۵۳
لطف اندرجیت جموں ۲۵۴
مجور لکھپت رائے سلطانپور ۲۵۵
مدہوش منشی ست پرشاد باندہ ۲۵۷
مست دینا ناتھ کشمیری ۲۵۹
مسرا رام سرن سہارنپوری ۲۶۰
مضطر بال کرشن بھاردواج ۲۶۲
مضطر رام رتن امرتسری ۲۶۳
مغموم بادا کرشن گوپال چنڈی گڈھ ۲۶۵
ملا آنند نرائن لکھنوی ۲۶۷
موج راجندر بہادر ایڈوکیٹ مسج گڈھ ۲۶۹
مونس لالہ پرکاش چند سیوہارا ۲۷۰
موہن منشی موہن لال دہلی ۲۷۱

مہتاب ستیہ پرکاش پسروری ۲۷۲
مہندر رینہ ۲۷۵
نادان مہیش سرد پ الہ آبادی ۲۷۶
ناز بال مکند بجنوری ۲۷۸
نازش مہندر سنگھ ریاست جے پور ۲۸۰
نسیم لالہ لچھمی چند نور محلی ۲۸۰
نشاط بابو بخت بہادر لسبوان ۲۸۱
نشور بال کشور بھٹناگر اجین ۲۸۲
نور کرشن بہاری لکھنوی ۲۸۳
نیر درگا داس امرتسری ۲۸۴
نیرنگ منشی جگندر ناتھ نوشہرہ ۲۸۵
ورما رام چندر سنبھل ۲۸۵
وفا بابو پرتاپ نرائن شاہجہان پوری ۲۸۶
ہما مہتہ برہم دت (ہماہریانوی) ۲۸۷
ہمت رائے شرما ممبئی ۲۸۸
ہنر پورن سنگھ امرتسری ۲۸۹

ضمیمہ

پھول منشی پھول چند ۲۹۰
دل رج لال کپور ۲۹۳

ابدؔ

گنگارام خلف لالہ دیوی دیال متوطن لکھن پور، تحصیل سرہند ضلع پٹیالہ (پنجاب)
ولادت ۱۹۱۵ء، شاگرد جناب سیمابؔ اکبر آبادی۔

آپ زمانۂ طالب علمی ہی سے وطن پرستی کا جذبہ رکھتے ہیں۔ تحریک آزادی کے سلسلہ میں سزائے قید بھی کاٹ چکے ہیں۔ آپ کا دیوان موسوم "چراغ فکر" ۱۹۸۱ء میں شائع ہو چکا ہے۔

حکمراں ساقیِ گلفام ہے میخانہ میں
دم بخود گردشِ ایام ہے میخانہ میں

قصۂ حافظ و خیام ہے میخانہ میں
یعنی الہام ہی الہام ہے میخانہ میں

شوق سے آئیں جو آتے ہیں ادھر شیخ حرم
بارشِ لطف و کرم عام ہے میخانہ میں

حال کی فکر نہ اندیشۂ مستقبل ہے
زندگی عیش کا پیغام ہے میخانہ میں

سجدۂ شوق بجا لاؤ حضورِ ساقی
صبح کا وقت سرِ شام ہے میخانہ میں

خوب ہے حضرتِ واعظ کی بھی تقریر مگر
بادہ خواروں کو ذرا کام ہے میخانہ میں

آئیے تشنگیِ شوق ابدؔ دور کریں
میکشی جشنِ سرِ بام ہے میخانہ میں

شبنم کو آب و تاب چمن کو بہار دی
سحر جمالِ یار نے دنیا نکھار دی

دستِ طلب دراز کرے بھی تو کیوں کرے
جس کو خدا نے دولتِ صبر و قرار دی

دلشاد کیوں نتیجۂ تقسیم پر نہ ہوں
وہ جن کی انقلاب نے بگڑی سنوار دی

بیکار تھیں دُعائیں نہ سجدے فضول تھے — جب داد بندگی کی بصد انکسار دی
آئینۂ مصائبِ ماضی دکھائیں کیا — چہرے سے گردِ غم بھی خوشی نے اتار دی

دیکھیں اب امتحان کی صورت ہو کیا آبدؔ
ہم نے شبِ فراق بھی آخر گذار دی

ابرؔ

دیش راج شرما ولد اننت رام شرما۔ ولادت ۱۹۱۰ء متوطن دھول کلاں جلال پور جٹاں (پاکستان) شاگرد حضرت سیماب اکبر آبادی۔

۱۹۲۷ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ ۱۹۴۷ء میں فوج کی ملازمت سے علیحدہ ہونے کے بعد ہندو ہائی اسکول کیتھل (ہریانہ) میں بطور ٹیچر ملازم ہو گئے آپ کا دیوان موسوم "حدیثِ ناتمام" شائع ہو چکا ہے۔ ۱۹۶۳ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

رُباعیات

ساون آتا ہے بے قراری بن کر — یعنی سامانِ آہ و زاری بن کر
دل والوں کی آنکھوں سے برس جاتا ہے — اک موجۂ ابرِ نوبہاری بن کر

جو بھوک کے ماروں پہ روا ہے ہی نہیں — ایسا کوئی جور و جفا ہے ہی نہیں
لب بند ہیں جسکے اسے ملتی ہے سزا — مزدور کا جیسے کہ خدا ہے ہی نہیں

زمانہ آج خوں آشام ہے خونریز ہے ساقی
مئے رنگیں پلادے وقت رُستا خیز ہے ساقی
پلا جیسی پلائے جسقدر چاہے پلا مجکو
شراب تیز سے بھی شوق میرا تیز ہے ساقی
تکلف برطرف اس سے تو میخانہ کی رونق ہے
تجھے کیوں رندِ مے آشام سے پرہیز ہے ساقی
دو بالا نشہ ہو جائے نہ کیوں میخانہ والوں کا
کہ تیری چشمِ میگوں بھی سرور انگیز ہے ساقی

رحمتِ بیکراں

تجھ پہ مٹے ہیں دو جہاں کوئی تجھے نہ پا سکا
تیرا حریم پاک ہے فکر و خیال سے بلند
تیری ہی شانِ خاص ہیں تیری کرشمہ سازیاں
خاک میں بحر ہیں رواں اور ہوا خلا میں بند
رحمتِ بیکراں ہے تو مجھ پہ بھی ہو نگاہِ لطف
عاصیوں میں مجھے بھی کر روزِ حساب سربلند

زندگی

زندگی کی سرخوشی سے مست ہیں اہلِ جہاں
یہ کسی کو بھی نہیں معلوم کیا ہے زندگی
زندگی کی قدر کر غافل کہ ہستی زار میں
اک شگفتہ پھول اک اُٹھتی گھٹا ہے زندگی
زندگی کا نور ہے ارض و سما کی روشنی
خوبصورت ہے حسیں ہے خوشنما ہے زندگی

آتش

دیوی دیال ولد شری بھولارام - وطن خیرپور سادات، تحصیل علی پور ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) ولادت سنہ ۱۹۱۴ء۔

آپ ۱۹۳۶ء میں بسلسلہ کاروبار بھاولپور چلے آئے تھے - اور ۱۹۴۷ء تک وہیں مقیم رہے۔ اسی مناسبت سے آپ خود کو بھاولپوری لکھتے ہیں

۱۹۴۷ء کے بعد آپ جالندھر اور فیروزپور میں مقیم رہے۔ ۱۹۵۰ء سے آپ سونی پت (ہریانہ) میں مستقل طور سے آباد ہیں اور ایک ہفتہ وار پرچہ "پیغام" کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں نذرِ اقبالؔ اور "شمعِ فروزاں" ہیں۔ شاعری میں کسی اُستاد سے وابستہ نہیں ہیں۔

رباعیات

مغموم نے غمگین کہانی بیچی
مظلوم نے اشکوں کی روانی بیچی
افلاس زدہ ہند میں روٹی کیلئے
اک باپ نے بیٹی کی جوانی بیچی

راحت ملی ان کو نہ کچھ آرام ملا
تا زیست فقط غم ہی بہر گام ملا
پینے کو ملا زہر چڑھے سولی پر
سچ بولنے والوں کو یہ انعام ملا

یہ نظمِ جہاں زیر و زبر ہے کہ نہیں
اک حشر بپا شام و سحر ہے کہ نہیں
زردار کے گرتے ہوئے ایوان سے پوچھ
مزدور کی آہوں میں اثر ہے کہ نہیں

قطعہ

کل بصد فخر ہم یہ کہتے تھے
دوستوں سے بُرا نہیں ہوتا
دوستی آج نام ہے جس کا
اسکے پردے میں کیا نہیں ہوتا

برہم مزاجِ یار ہے کیسے غزل کہوں
بیتاب قلبِ زار ہے کیسے غزل کہوں
ہر دل ہے آج یاس کے عالم میں مبتلا
ہر آنکھ اشکبار ہے کیسے غزل کہوں

فرطِ الم سے شدتِ رنج و ملال سے
ہر قلب سوگوار ہے کیسے غزل کہوں

باغِ وطن کو اپنے زبوں حال دیکھ کر
سینہ مرا فگار ہے کیسے غزل کہوں

پھولوں پہ تازگی ہے نہ کلیوں پہ ہے نکھار
سہمی ہوئی بہار ہے کیسے غزل کہوں

ماحول پُرسکوں ہو تو فکرِ سخن کروں
محفل میں انتشار ہے کیسے غزل کہوں

اظہارِ حال کیلئے لب کھولتا مگر
خود مجھ کو ناگوار ہے کیسے غزل کہوں

ہوش و خرد کی بات کوئی سوجھتی نہیں
سر پر جنوں سوار ہے کیسے غزل کہوں

محسوس ہو رہا ہے کہ جیسے مرا وجود
دوشِ زمیں پہ بار ہے کیسے غزل کہوں

آتش رقیب سے نہ رہا ان کو احتراز
گل بھی شریکِ خار ہے کیسے غزل کہوں

کسی کے نقشِ کفِ پا پہ سر جھکاتے ہیں
آج ہم اپنے مقدر کو آزماتے ہیں

جو بے پناہیِ طوفاں سے خوف کھاتے ہیں
سفینے ان کے کنارے پہ ڈوب جاتے ہیں

رہِ وفا میں کچھ ایسے مقام آتے ہیں
جہاں پہنچ کے قدم اور ڈگمگاتے ہیں

کبھی تو کاش کسی دوست میں نظر آتا
وہی خلوص جو ہم دشمنوں میں پاتے ہیں

ذرا یہ دیکھیں ہمیں کیا جواب ملتا ہے
فرازِ طور سے چل کر صدا لگاتے ہیں

دکھائی دیتا ہے ہر چہرہ داغدار جنھیں
وہ اپنے چہروں کو آئینے سے بچاتے ہیں

حرم میں شیخ کو ہے جس کی جستجو آتش
اسی کو ڈھونڈنے ہم بتکدہ میں جاتے ہیں

اثرؔ

کالی چرن خلف منشی راج بہادر۔ قوم کائستھ سکسینہ ساکن دہلی۔ ولادت ۱۹۱۵ء۔ شاگرد جناب امرناتھ ساحر دہلوی دبرج موہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی و بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی و گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی۔

آپ نے ۱۹۳۰ء میں میٹرک اور ۱۹۵۲ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ آپ کے والد ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں ملازم تھے اور آپ بھی اسی دفتر میں ملازم ہو گئے۔ ادھر ادیب فاضل اور منشی فاضل کے طلباء کو بھی پڑھانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ کافی عرصہ ہوا آپ بھارت سے باہر چلے گئے ہیں۔

غمِ دُنیا، غمِ عقبیٰ، غمِ جاناں غمِ جاں — یہی ہیں زیست کے ساماں مجھے معلوم نہ تھا
لبِ گستاخی کی اجازت ہی نہیں غنچوں کو — اُف یہ دستورِ گلستاں مجھے معلوم نہ تھا
دستِ نازک کے اس اندازِ نمک پاشی پر — زخم ہو جائیں گے خنداں مجھے معلوم نہ تھا
دلکشی ایسی تو دنیا کے نظاروں میں تھی — یوں پکڑ لیں گے یہ داماں مجھے معلوم نہ تھا
میرے اعجازِ غزل گوئی سے محفل میں اثرؔ — یوں فضا ہو گی غزل خواں مجھے معلوم نہ تھا

تدبیر میری کاتبِ تقدیر بن گئی — تقدیر میرے ہاتھ کی تحریر بن گئی
ناکامیوں سے اور ہوئیں ہمتیں بلند — تخریب اور باعثِ تعمیر بن گئی
ماضی کا رنگ اسمیں بھرا ہم نے اے اثرؔ — کیا دیدہ زیب حال کی تصویر بن گئی

جیسے کوئی پہاڑ کاٹا ہو　یوں شبِ انتظار کاٹی ہے
بات ہم نے کی محبت کی　اس نے بیگانہ وار کاٹی ہے
جس پہ تھا آشیانہ، گلچیں نے　وہی شاخسار کاٹی ہے

جسقدر زندگی سے دور رہے　زندگی کی کمی سے دور رہے
نور اک ضد ہے تیرگی کی مگر　کس طرح زندگی سے دور رہے
موت سے ہم ہیں کھیلنے والے　کہہ دو اب زندگی سے دور رہے

غلط ہے یہ کہ عقبےٰ میں ملے گا　جو کچھ ملنا ہے دُنیا میں ملے گا
نہ تم سا کوئی دُنیا میں ملا ہے　نہ تم سا کوئی دُنیا میں ملے گا

احقر

بابو رادھے شیام خلف بابو رگھبیر دیال۔ باشندہ لکھنؤ۔ قوم رستوگی۔

ولادت ۱۹۰۶ء۔ شاگرد جناب ثمرؔ لکھنوی۔

تو ہی گل میں ہے تو ہی بو میں ہے تو ہی موج میں تو ہی ساز میں
تو ہی نشو میں اور نمو میں ہے تو ہی جملہ نقش و طراز میں
جو مثالِ شمع ہو لو لگی، تو وصال ہو گا ضرور ہی
جو حضورِ قلب ہو شیخ جی، تو اثر بھی ہو گا نماز میں

شب و روز اصغرؔ بے ریا رہے پائے بندۂ رضا

ہر دل سے اک یہی ہے دعا جناب بندہ نواز ہیں

ہو خاک کی نوک یا گلِ تر — ہر چیز میں جلوۂ خدا ہے

غرقابِ بلا سے جو بچائے — دراصل وہی تو آشنا ہے

تکلیف نہیں ہے مانعِ شوق — سرگرمِ سفر شکستہ پا ہے

عاصی سے کہو نہ چھوڑے اُمید

اسکی رحمت کا در کھلا ہے

اختر

ستیہ پال، باشندہ رضوان (پنجاب) مقیم جالندھر۔ ولادت قریب ۱۹۱۲ء

آپ زیادہ تر رباعیات کہتے ہیں اور بابائے رُباعیات کے لقب سے مشہور ہیں۔ کافی عرصہ سے آپ کا کچھ پتہ نہیں کہ آپ کہاں ہیں۔ حیات ہیں یا وفات پا چکے ہیں۔

رباعیات

جب جان پہ بن آئی ہے تب پوچھا ہے — کیا کچھ ہے مرا ذوقِ طلب پوچھا ہے

صد شکر کہ اک عمر گزر جانے پر — یاروں نے مرے غم کا سبب پوچھا ہے

دل آج بھی پامال ہے کیا پوچھتے ہو — گردوں کی وہی چال ہے کیا پوچھتے ہو

ارباب سے بس مری تقصیر معاف — پہلے سے بُرا حال ہے کیا پوچھتے ہو

پنڈت نے جو سامانِ حیا بیچ دیا
مُفتی نے ادھر لفظِ دُعا بیچ دیا
کچھ حرج نہیں حسبِ ضرورت آخر
مُلّا نے اگر نامِ خدا بیچ دیا

گو میرے مقدّر کا الم کم نہ ہُوا
میں اہلِ ہوس کی طرح برہم نہ ہُوا
مجبور سہی مفلس و لاچار سہی
سر گردشِ دوراں سے مراخم نہ ہُوا

رعنائی ہی رعنائی ہے کیا ممکن ہے
گھنگھور گھٹا چھائی ہے کیا ممکن ہے
میں کنجِ قفس میں ہوں مگر سُنتا ہوں
گلشن میں بہار آئی ہے کیا ممکن ہے

اختر

پنڈت ہری چند۔ باشندہ صاحبہ (پنجاب) ولادت ۱۹۱۱ء وفات ۱۹۵۸ء

بروزِ حشر حاکم قادرِ مطلق خُدا ہو گا
فرشتوں کے لکھے اور شیخ کی باتوں سے کیا ہو گا
سکونِ مستقل، دل بے تمنّا، شیخ کی صحبت
یہ جنّت ہے تو اس جنّت سے دوزخ کیا بُرا ہو گا
بھروسا اسقدر ہے تجکو اختر اسکی رحمت پر
اگر وہ شیخ صاحب کا خدا نکلا تو کیا ہو گا

محبت میں تپاکِ ظاہری سے کچھ نہیں ہوتا
جہاں دل کی لگی ہو، دل لگی سے کچھ نہیں ہوتا
یہ ہے جبرِ مشیّت یا مری تقدیر ہے یارب
سہارا جس کا لیتا ہوں، اسی سے کچھ نہیں ہوتا
مرے دستِ طلب کو جرأتِ گستاخ دے یارب
یہاں دستِ دُعا کی عاجزی سے کچھ نہیں ہوتا

وہاں محشر میں سب کو اپنی اپنی ہی پڑی ہوگی　　بغل میں لے چلو پینے کا ساماں کون دیکھے گا

تو مرے اعمال کا پابند نکلا حشر میں　　اے خدا میرے خدا تجھکو خدا سمجھا تھا میں

خدا تو خیر مسلماں تھا اس سے کیا شکوہ

مرے لئے مرے پرماتما سے کچھ نہ ہُوا

اختر

کنول نین ۔ ادیب فاضل ۔ باشندہ رو جھانی ضلع ڈیرا غازی خان ۔
شاگرد جناب تلوک چند محرومؔ ۔

نسیمِ صبح

جاں بخش کس قدر ہے نوائے نسیمِ بہار　　آتے ہیں چار سمت نظر سبز کوہسار

لب ہائے جو پہ رقص فرازیِ شاخسار　　صحنِ چمن میں جلوہ طرازی لالہ زار

عیسیٰ نفس ہے جنبشِ بادِ بہار کیا

ہر مردہ گل کے واسطے ہے تازہ کار کیا

شاخِ شجر پہ بیٹھ کے مدحت سرائے گل　　ہیں محوِ نغمہ سنجیِ نازو ادائے گل

پہنے نسیمِ صبح نے جب پردہ ہائے گل　　بے ساختہ زبان سے نکلا کہ ہائے گل

گلشن کمالِ صنعتِ پروردگار ہے

حُسن و جمالِ دوست کا آئینہ دار ہے

اختر

شوری لال بخشی ولد شری کرپا رام بخشی۔ باشندہ امرتسر، مقیم دہلی ولادت ۱۹۰۹ء
شاگرد جناب منشی پیارے لال رونق دصوفی پنڈت سردیپ نرائن رازداں ایمن
آپ نے ہندو سبھا کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کی اور پنجاب یونیورسٹی کے گریجویٹ ہیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ بھلروال الیکٹرک سپلائی اینڈ جنرل ملز بھلروال ضلع سرگودھا (پاکستان) کے مینیجر مقرر ہو گئے۔ تقسیم وطن کے بعد آپ دہلی تشریف لے آئے اور یہاں کے کالجوں میں اُردو اور فارسی پیچرر کی حیثیت سے کام کرتے رہے۔ آپ بہت سے رسائل اور ادبی انجمنوں کے سرپرست رہ چکے ہیں۔ فارسی زبان میں بھی کلام کہتے ہیں۔ صاحب تلامذہ اور صاحبِ دیوان ہیں۔ فن عروض اور تاریخ گوئی میں کمال رکھتے ہیں۔

رباعیات

یہ راز جوانی میں نہاں دیکھا ہے — ظلمت میں بھی اک نور عیاں دیکھا ہے
جس سمت بھی ڈالی ہے جوانی نے نظر — ہر چیز کو ہر شے کو جواں دیکھا ہے

گیسوئے بُتِ سامری فن دیکھا ہے — لہراتا ہوا سانپ کا پھن دیکھا ہے
اس زلف کے سایہ میں دمکتا ہوا چہرہ — واللہ کسی ناگ کا مَن دیکھا ہے

ہر ذرہ میں اک وسعتِ صحرائی ہے
ہر قطرہ میں اک جوششِ دریائی ہے
ہر جزوِ حقیقت میں ہے کُل کا منظر
عاجز مگر انسان کی بینائی ہے

جس کا فروغ جلوۂ شام و سحر میں ہے
وہ حُسنِ لازوال ہماری نظر میں ہے

تنویر جس کی عرش پہ شمس و قمر میں ہے
جلوہ اسی کا فرش پہ اور بحر و بر میں ہے

خود توڑتا ہے اور بناتا ہے آئینہ
کیا جانے کیا کوئی دلِ آئینہ گر میں ہے

تنویرِ آفتاب بھی اختر ہے بے اثر
نورِ جمالِ حُسن وہ میری نظر میں ہے

ترے قربان ساقی وہ پلائے جام وحدت کے
حجاب اٹھے دوئی کے کھل گئے پردے حقیقت کے

نہیں ہمسر کوئی اس کا نہیں ثانی کوئی اس کا
دو عالم میں ہیں چرچے ایک اسکی شانِ وحدت کے

لگی جب پیاس تیرے اخترِ تشنہ کو اے ساقی
برسنے لگ گئی مے بنکے بادل اسکی رحمت کے

ملا ہے مرتبہ مجکو یہ اُستادوں کی خدمت سے
کہ لہراتا ہے عرشِ شعر گوئی پر علَم میرا

رہے گا نام میرا تا ابد راہِ مریدی میں
کہ رہرو کیلئے رہبر ہے ہر نقشِ قدم میرا

عقیدت سے مرید رونقِ دامن ہوا اختر
نظر میں اہلِ فن کی مرتبہ پھر کیوں ہو کم میرا

جب سے لگا ہے دل بُتِ ناوک فگن کے ساتھ
رہتے ہیں ہم بھی سینہ سپر بانکپن کے ساتھ

دل لیکے جارہا ہے مجھے کوئے دوست میں — منزل کو جارہا ہوں مگر راہزن کے ساتھ
اختر خزاں میں خود ہی اُڑ جائے گا تمام — دیوانگی کا جوشِ بہارِ چمن کے ساتھ

رہے تا وقتِ آخر تجھ سے وابستہ یہ دَم میرا — حجاب اٹھیں دوئی کے اور رہ جائے بھرم میرا
اسے کہتے ہیں معراجِ کمالِ عجزِ انسانی — فرشتے چومتے ہیں عرش پر نقشِ قدم میرا

اختر

گیان پرکاش ۔ متوطن لکھنؤ ۔ ولادت ۱۹۰۸ء ۔

تحصیلِ علم کے بعد آپ دہلی تشریف لے آئے اور یہاں ایک اعلیٰ عہدہ پر ممتاز ہوگئے ۔ آپ کا مجموعۂ کلام بعنوان "عرضِ نیاز" ۱۹۴۹ء میں لکھنؤ سے شائع ہو چکا ہے

کیا مٹائے گا طلسمِ ہستیِ فانی مجھے — داغِ دل پہلو میں ہے نقشِ سلیمانی مجھے
بارِ خاطر ہے لباسِ ہستیِ فانی مجھے — اپنی جانب کھینچ لے اے شانِ عریانی مجھے
خار و خس کی طرح ہوں بحرِ حوادث میں رواں — اور کر دیتی ہے اونچا موجِ طوفانی مجھے
حیرتی وہ ہوں کہ قصدِ انکشافِ رازِ پر — آئینہ لا کر دکھائے میری حیرانی مجھے
باعثِ وحشت ہے دل کو ہر وجودِ بے ثبات — اپنے سائے سے بھی ہوتی ہے پریشانی مجھے
شوق کی منزل ہے اوجِ کامیابی سے بلند — سعیِ بے حاصل نہیں وجہِ پشیمانی مجھے
نذرِ سجدہ ہو چکی پہلے ہی قسمت کی لکیر — اب تو خطِ لوحِ دل ہے خطِ پیشانی مجھے
آہ کر اٹھیں وہ نظریں چارہ سازی کیلئے — بن چکی تھی زندگی جب دردِ پنہانی مجھے

خانماں برباد مجھ سا بھی نہ ہو یارب کوئی
سوئے صحرا لے چلی ہے گھر کی ویرانی مجھے

سوزشِ پنہاں سے اخترؔ ہوں میں سرگرمِ حیات
بخش دی ہے زیست نے غم کی فراوانی مجھے

اخگر

بابو نند کشور ولد شری جگن ناتھ آنریری مجسٹریٹ۔ ولادت ۱۹۰۱ء۔ شاگرد جناب عبدالرؤف عشرتؔ لکھنوی۔

آپ نے بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی تک تعلیم حاصل کی اور وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۳۰ء میں والد کی وفات کے بعد پنجاب گورنمنٹ کی منظوری سے آپ بھی آنریری مجسٹریٹ مقرر ہو گئے۔ تقسیمِ ملک کے بعد آنریری مجسٹریٹی کے عہدے قصۂ پارینہ بن گئے۔ لہٰذا آپ نے پھر سے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ ۱۹۶۷ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

رباعیات

مظلوم ہیں ہر طرح خطادار افسوس
اب صاحبِ قدرت ہیں ستمگار افسوس
منظور ہر کسی کو ہے طاعت زر کی
مفلس کا نہیں کوئی بھی غمخوار افسوس

لڑتے ہیں بہم دگر برادر افسوس
سر ان کا پھر گیا ہے سراسر افسوس
خویشوں کی نگہ سے تلملاتے ہیں
غیروں کی کھا رہے ہیں ٹھوکر افسوس

خودی کو چھوڑ دے ایثار کو تو حرزِ جاں کرلے
فنا ہو قوم پر حاصل حیاتِ جاوداں کرلے

رہینِ منتِ پیکاں نہ رہ اے ہندیِ ناداں
کماں ہاتھوں میں لے اب تیز شمشیر و سناں کرلے

سہے لاکھوں ستم قائم ابھی تک ہے نشاں اپنا
فلک، اے کینہ پرور اور بھی کچھ امتحاں کرلے

لبوں پر دم ہے ظالم، ظلم کر یا ظلم سے توبہ
جو کرنا ہے وہ جلدی انقلابِ آسماں کرلے

پھر اکتا نہیں ہے مردِ میداں بات سے اپنی
نہیں۔ پھر ہو نہیں سکتی اگر اک بار ہاں کرلے

اسیری ہی میں آزادی کی لذت ہے اب اے بلبل
نکل تو بھی چمن سے اور قفس میں آشیاں کرلے

جیتے جی ناصح ہم شکرِ قضا کرتے ہیں
زندگی چار دنوں کی بے مزا کرتے ہیں

شمع کو پردۂ فانوس میں عُریاں پایا
حُسن دیتا ہے خدا جن کو حیا کرتے ہیں

میں ہر اک حال میں ہوں اپنی وفا پر قائم
آپ کیوں مجھ پہ وہی مشقِ جفا کرتے ہیں

ڈھونڈ لو علم کے خوش آب گہر اے اخگر
عام بازاروں میں یہ موتی بکا کرتے ہیں

ہوک اُٹھی جگر میں اور ہو گئی دل کے پار بھی
تیغِ ستم سے کم نہیں یادِ ستم شعار بھی

دل کی کلی نہ کھل سکی ہجر میں ایکبار بھی
اب کے برس گزر گئی بن کے خزاں بہار بھی

لُطف و کرم کہاں کہ اب جور و جفا بھی بند ہیں
کتنی ستم ظریف ہے گردشِ لیل و نہار بھی

اخگرِ زار مرتے دم ختم نہ ہو متاعِ غم
آپ کے ساتھ کیوں مٹے آپ کی یادگار بھی

اجل دَم لے ذرا ہم بھی ترے ہمراہ چلتے ہیں
ابھی کچھ سانس باقی ہیں وہ نذرِ دوستاں کر لیں
تغزّل کس کو کہتے ہیں ہمیں معلوم ہے اخگرؔ
سخن کے جوہری آئیں ہمارا امتحاں کر لیں

ابھی صیاد تعمیرِ نشیمن نامکمل ہے
ٹھہر جا آج کے دن کل اسے برباد کر لینا
چمن والو! اسیروں کی فقط اتنی تمنّا ہے
بہار آئے تو ان بھولے ہوؤں کو یاد کر لینا

اخگرؔ

شری کے، ایل. متوطن شہان تحصیل بکھر ضلع اعظم گڈھ (پاکستان)
ولادت ۱۹۱۸ء. شاگرد جناب فاتح محمد فاتحؔ۔

آپ کی تعلیم ایم. اے تک ہے۔ آپ دوآبہ کالج جالندھر اور دیال سنگھ کالج کرنال میں اُردو اور فارسی کے ٹیچر رہ چکے ہیں۔ ۱۹۶۳ء میں دیال سنگھ کالج کرنال سے علیحدہ ہونے کے بعد آپنے اپنا ایک کوچنگ سینٹر "اسٹیڈی ہال" کے نام سے کرنال میں قائم کر لیا تھا اور اس کوچنگ سینٹر کے ذریعہ طالبانِ علم کی خدمت میں مصروف ہیں۔ آپ کا دیوان بعنوان "گستاخیاں" کافی عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے نیز تین شعری مجموعے ہندی زبان میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

قطعات

شباب و شعر سے ہم کام عمر بھر لیں گے
گناہ سارے زمانہ کے اپنے سر لیں گے
جئیں گے اور جئیں گے کہ جینے آئے ہیں
کبھی جو مرنا بھی آیا تو غور کر لیں گے

اپنا چراغ آپ بجھاتا بھی کون ہے
اپنے ہی گھر کو آگ لگاتا بھی کون ہے
سنتے تو ہیں کہ کوئی نہیں سنتا دل کی بات
سوچیں تو دل کی بات بتاتا بھی کون ہے

پینے والے تجھے میخوار سمجھ لیتے ہیں
جو سمجھتے ہیں سمجھدار۔ سمجھ لیتے ہیں
مجھکو کہتے ہیں خدا والے خدا کا جلوہ
اور گنہگار، گنہگار سمجھ لیتے ہیں

لمبے لمبے سلام ہوتے ہیں
یہ تماشے تو عام ہوتے ہیں
پوچھتا کون ہے لیاقت کو
اب خوشامد سے کام ہوتے ہیں

جب دعائیں ہی بے اثر جائیں
جینے والے بتا کدھر جائیں
اپنی مرضی کا جب نہ ہو جینا
ایسے جینے سے کیوں نہ مر جائیں

تھک کے آخر شاعری کرنی پڑی
رہبروں کی رہبری کرنی پڑی
دوستوں کی دوستی کو دیکھ کر
دشمنوں سے دوستی کرنی پڑی
حضرت آدم کی سادہ بھول سے
تا قیامت بندگی کرنی پڑی
دے دیا جب چاند سورج نے جواب
دل جلا کر روشنی کرنی پڑی
جب کسی نے بھی نہ کچھ سمجھا ہمیں
ہار کر پیغمبری کرنی پڑی

یہ مناسب نظر نہیں آتا — بے خبر آئیں بے خبر جائیں
زندگی ہے اِدھر اُدھر جنت — تیرے بندے کدھر کدھر جائیں
زندگی غم سہی مگر اس کا — یہ تو مطلب نہیں کہ مر جائیں
ہم تو اپنے مرنے سے جائیں گے
جانا چاہیں تو ہم سفر جائیں

ادیب

گُرشرن لال خلف مہادیو پرشاد عاصی قوم کائستھ سری داستو، باشندہ لکھنؤ۔ ولادت ۱۹۰۲ء شاگرد جناب مولانا عزیز لکھنوی۔

آپ نے لکھنؤ سے بی، اے، کا امتحان پاس کیا۔ سات سال ہائی اسکول لال باغ لکھنؤ میں بحیثیت معلّم کام کرتے رہے۔ زاں بعد خمخانۂ جاوید کی ترتیب کے سلسلہ میں دہلی آکر ملازمت اختیار کرلی۔ آپ کی رُباعیات کا مجموعہ موسوم "رُباعیاتِ ادیب" ۱۹۷۲ء میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ جناب گوپی ناتھ امن (مرحوم) لکھنوی کے برادرِ خُرد ہیں۔

رُباعیات

یہ عہدِ شباب اور یہ بستی دل کی — ویران ہے ابھی سے آہ بستی دل کی
لازم ہے کہ اس کی قدر کرنا سیکھو — ناچیز نہیں ادیب یہ ہستی دل کی

دو قوموں کی تفہیم نے مارا ہم کو
بگڑی ہوئی تعلیم نے مارا ہم کو
بچپن میں ریاضی سے ڈرا کرتے تھے
پیری میں بھی تقسیم نے مارا ہم کو

احساس کا اظہار بہت مشکل ہے
خود جرم کا اقرار بہت مشکل ہے
دل اور زباں میں نہ رہے فرق ادیب
یہ عظمتِ کردار بہت مشکل ہے

ہر چشم کے دامن میں نظر پنہاں ہے
ہر شام کی ظلمت میں سحر پنہاں ہے
مظلوم کی ہو آہ کہ ہو حرفِ دُعا
اخلاص کے پردے میں اثر پنہاں ہے

منظرِ دہر کر دیا وقفِ نگاہِ نازِ دوست
دیکھیے کس کو دیکھ کر جلوۂ دلنوازِ دوست
شوق نہیں اگر مرا درخورِ بزمِ نازِ دوست
کیوں یہ نظر ملی مجھے لائقِ امتیازِ دوست
سعیِ بشر ہے منحصر کشمکشِ حیات پر
تلخیِ روزگار ہے لطفِ ستم طرازِ دوست
عکسِ جمال دیکھ کر خیرہ ہوئی ہے چشمِ دل
دستِ طلب نہ چھوڑ دے دامنِ امتیازِ دوست
سوئے حجاز جائیں کیوں منزلِ یار دل میں ہے
کعبہ سے ہے قریب تر کعبہ خانہ سازِ دوست
شکوۂ روزگار سے اور بڑھے گا رنج ادیب
محفلِ دل میں چھیڑیے قصۂ غم گدازِ دوست

ہر ذرۂ صحرا ہے اک راہ نما میرا
ہر خارِ بیاباں اک انگشتِ شہادت ہے

فطرت کا تقاضا ہے کچھ کام کئے جانا
مانا کہ وہی ہوگا جو اس کی مشیت ہے

معلوم نہیں مجھکو میں کیا ہوں ادیبؔ آخر
دنیا جسے کہتے ہیں اک وادیٔ حسرت ہے

آرزوؔ

سادھورام ولد چودھری کندن لال ۔ قوم یادو ۔ باشندہ سہارنپور ۔ ولادت قریب ۱۹۰۶ء ۔ شاگرد جناب حکیم غلام مصطفیٰ صاحب حکیم سہارنپوری و مولانا شوکت علی خاں فانی بدایونی ۔

آپ عربی اور فارسی کے عالم جید تھے ۔ کلام میں تصوف کا رنگ جھلکتا ہے نعت ۔ منقبت اور مرثیہ کہنے میں کمال حاصل تھا ۔ اپنے نعتیہ کلام کے سبب انڈوپاک میں کافی شہرت رکھتے تھے ۔ آپ کے کئی شعری مجموعے بعنوان "الہامِ سحر، نے و نغمہ، بہارستانِ اولیاء ۔ حدیثِ آرزو، ظہورِ قدسی وغیرہ شائع ہو چکے ہیں ۔ آپ بڑے زود گو شاعر تھے ۔ آپ کی زندگی کا زیادہ تر حصہ کلکتہ میں گذرا ۔ ۱۹۸۱ء میں سہارنپور تشریف لے آئے تھے اور ۲۵ دسمبر ۱۹۸۳ء کو سہارنپور میں ہی انتقال کیا ۔

نہ پوچھ میری طبیعت مری خوشی کا مزاج
بدل دیا ہے ترے غم نے زندگی کا مزاج

ہزار مرحلۂ کن گذر چکے ، لیکن
ملا کسی کو نہ آوازِ سرمدی کا مزاج

کہاں کا حسن کہ آج تک مشیت بھی
سمجھ سکی نہ مرے عشق کی خودی کا مزاج

کسے بتاؤں کہ کیا کیا گذر گئی دل پر — کبھی کی یاد نے پوچھا جو زندگی کا مزاج

جو کر سکے نہ ابھی طے منازلِ ایماں — سمجھ سکیں گے وہ کیا میری کافری کا مزاج

بڑے سکون سے گذرے گی اب حیات مری — سمجھ چکا ہوں ترے غم تری خوشی کا مزاج

رہا ابھی اسی رفتار پر اگر کچھ روز — سمجھ سکے گی نہ فطرت کبھی آدمی کا مزاج

میں اپنے طرزِ سخن کا ہوں آرزو موجد — جدا ہے سب سے مرے ذوقِ شاعری کا مزاج

اللہ جسے چاہے بخشے یہ جنسِ متاعِ عام نہیں — اک درد سے بڑھ کر دنیا میں فطرت کا کوئی انعام نہیں

پرواز اگر محدود نہیں اور سعیِ طلب بھی خام نہیں — وہ کونسا جلوہ ہے اے دل جو تیرے لئے پیغام نہیں

مانا کہ وہ کیف و نور نہیں وہ صبح نہیں وہ شام نہیں — خود حسن پہ بھی الزام ہے یہ کچھ عشق ہی پر الزام نہیں

مستی ہے مگر بے رنگ نہیں صہبا ہے مگر بے نام نہیں — اس دور کے پینے والوں کو اتنا بھی شعورِ جام نہیں

کہہ دو یہ ہوس کے بندوں سے کیوں عشق کو رسوا کرتے ہو — ہر چہرے کا پرتو صبح نہیں ہر زلف کا سایہ شام نہیں

جب یہ ہے ہوا اپنے دل کو یقیں تو دور نہیں ہیں اور نہیں — اے عشق کی قسمت کے مالک کچھ مجھکو غمِ انجام نہیں

محرومِ عشق کی منزل کو اے بے خبرو تم کیا جانو — اس راہ کے چلنے والے اگر ناکام بھی ہیں ناکام نہیں

ہر لفظ ہے اک سحرِ معنی ہر شعر ہے اک گنجِ معنی — اے آرزو تیری فکرِ سخن پھر کیا ہے اگر الہام نہیں

خدا جانے زباں پر آج کس کافر کا نام آیا — محبت جھوم جھوم اٹھی مشیت کا سلام آیا

طریقِ عشق میں اکثر اک ایسا بھی مقام آیا — قدم اٹھنے نہیں پائے کہ منزل کا سلام آیا

بدل کر رہ گئیں اے آرزو قسمت کی تحریریں — یہ کس کے دستِ نازک سے مرے ہاتھوں میں جام آیا

نظم، کرشن کنہیا کے دو بند

گود میں لینے لگا احساس بے پایانِ قدس ہو گئی گھر گھر میں روشن شمعِ صد ایوانِ قدس
دیوکی کی گود میں فطرت نے آنکھیں کھول دیں جلوہ فرما ہو گیا حُسنِ رُخِ جانانِ قدس

رحمتِ حق پر نئے سر سے شباب آ ہی گیا
سانولی راتوں میں کوئی بے نقاب آ ہی گیا

آ گیا جس نے رُخِ گیتی کو چمکایا وہ کرشن جس نے فطرت کے ہر اک گیسو کو سلجھایا وہ کرشن
اہلِ عالم کو سُنا کر درسِ پیغامِ ازل جس نے احساسِ رگِ ہستی کو چونکایا وہ کرشن

ظلمتوں سے جلوۂ بے رنگ پیدا کر دیا
قلبِ ہر شے میں اُجالا ہی اُجالا کر دیا

نعت کے چند شعر

دلِ فطرت ہے اک رنگیں جلو خانہ محمدؐ کا ازل سے تا ابد ہے حُسنِ جانانہ محمدؐ کا
بدل جائے نظامِ بزمِ گیتی آن واحد میں کوئی ضد پر اگر آ جائے دیوانہ محمدؐ کا
جہنم در بغل، کلمہ بلب، فردوس در دامن سرِ محشر یہ کون آتا ہے دیوانہ محمدؐ کا

بس اے آرزدؔ کیا شرحِ تفسیرِ نبوّت ہو
محمدؐ سے محمدؐ تک ہے افسانہ محمدؐ کا

کلیجہ حُسینؓ کا (چند شعر)

اللہ رے یہ شان یہ رُتبا حُسینؓ کا خود صانعِ ازل بھی ہے شیدا حُسینؓ کا

تعمیر ہو چکا تھا سراپا حسینؓ کا
ہونے نہ پائی تھی ابھی تخلیق کی سحر

یہ حوصلہ یہ دل یہ کلیجہ حسین کا
سرِ دے کے سر پہ لے لیا بارِ تمامِ دیں

اے آرزو ازل سے ہوں تقدیر کا دھنی
بندہ ہوں مرتضےٰ کا ہیں بردا حسین کا

ارمانؔ

پریتم لال خلف چودھری چھتر رام وطن محمود کوٹ ضلع مظفر گڈھ (پاکستان)

ولادت ۱۹۲۱ء۔

آپ ہائی اسکول اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کئے ہوئے ہیں۔ محکمہ ریلوے میں سگنیلر کے عہدہ پر مامور رہنے کے بعد ۱۹۷۹ء میں ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ آپ نے باقاعدہ کسی اُستاذ سے مشق سخن نہیں کی۔ البتہ چند غزلیں کشفی ملتانی کو ضرور دکھلائی تھیں۔ اس وقت آپ بہادر گڈھ ضلع رہتک (ہریانہ) میں آباد ہیں۔

فضا کے بدلے اسیرِ قفس رہے وہ طیور
فروغ پا نہ سکی جن کی فطرتِ پرواز

ضمیرِ کون و مکاں سے اُٹھا دیئے پردے
نگاہِ مرشدِ کامل کا کیا کہوں اعجاز

سمجھ میں آ نہ سکا سازِ زندگی کیا ہے
جو بج رہا ہے مسلسل مگر ہے بے آواز

ہزاروں عقدے خرد نے تو حل کئے لیکن
سمجھ سکا نہ کسی سے بھی اپنی ذات کا راز

دلوں میں کفر تو ارمانؔ سازیں بھی ہے سوز
دلوں میں صدق تو یکساں ہیں پستی و افراز

مجھ گمشدہ ہوش کی پروا نہ کریں آپ
اس حُسن کو صرف غم بے جا نہ کریں آپ

اُمید تڑپ اُٹھتی ہے ٹوٹے ہوئے دل میں
جاتے ہوئے مڑ کے مجھے دکھلا نہ کریں آپ

منت سے ہیں محروم اثر میری دعائیں
ہاں گریۂ بیتاب کی پروا نہ کریں آپ

ہوتے ہیں پریشان مری خاک کے ذرے
للہ مری قبر پہ آیا نہ کریں آپ

ساقی نامہ ، در قطعات

جب کالی گھٹا توبہ شکن ہے ساقی
جب تیری نظر برق فگن ہے ساقی

پھر کیوں یہ تصنع ، یہ تکلف کیسا
ارمان تو اک رندِ کہن ہے ساقی

ساغر کو پھر انداز دگر سے بھر دے
صہبا نہ سہی برق و شرر سے بھر دے

میخانہ کی ہر رسم کہن تازہ کر
ساقی مرا پیمانہ نظر سے بھر دے

جاتا ہے کوئی دم میں شباب اے ساقی
دے شوق سے جام مئے ناب اے ساقی

کہتے ہیں کہ کم ہوتا ہے توبہ سے عذاب
کیا کم ہے یہ توبہ کا عذاب اے ساقی

آزاد

جگن ناتھ ولد جناب تلوک چند محروم ۔ ولادت ۱۹۱۸ء ۔

آپ کا وطن عیسیٰ خیل ضلع میانوالی (پاکستان) ہے۔ تقسیم وطن کے بعد آپ کا خاندان دہلی میں آکر آباد ہوگیا تھا۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف

ہیں۔ اسوقت جموں یونیورسٹی جموں میں شعبۂ اُردو کے ہیڈ ہیں۔

دل ہے کلی کا خونچکاں چاک ہے گل کا پیرہن — کتنی عجیب ہے بہار، کتنا عجیب ہے چمن
فاتحِ بحر و بر سہی۔ آج کا آدمی مگر — آدمیت کی لاش وہ دیکھ پڑی ہے بے کفن
بوئے خلوص جسمیں ہو اب ملے گی وہ کلی — ذوقِ نگاہ سے کہو اب پھرے چمن چمن
حُسن کے سو لباس ہیں پھر بھی وہ مطمئن نہیں — عشق ہیں کے مست ہے اک دریدہ پیرہن
تجکو خبر بھی ہے کہ یہ بھاؤ گراں ہے کسقدر — بیچ کر اپنی روح کو تو نے بچا لیا جو تن
حُبِّ وطن کے دور میں اور سب بجا مگر — حیف کہ حُبِّ آدمی سو گئی اوڑھ کر کفن

ہو گئے رخصت یہاں سے ہائے کیا کیا آشنا — اب کہاں اس شہر میں کوئی ہمارا آشنا
او دلِ رفتہ نشاطِ عہدِ رفتہ کو نہ ڈھونڈ — یہ نئی دنیا ہے اسمیں کون کس کا آشنا
زندگی بھر کا تعلق آ گیا کس موڑ پر — آشنا برسوں کا اک پل میں ہوا نا آشنا
اب کھلا، اس باغ میں میں سبزۂ بیگانہ تھا — میں سمجھتا تھا کہ میں ہوں اس چمن کا آشنا
ساقیِ میخانہ تجھ سے تشنگی کی کیا کہوں — زندگی صحرا نورد اور شوق دریا آشنا
یہ نہیں ہے آشنائی یہ نہیں بیگانگی — یا تو بیگانہ ہو انساں اور ہو یا آشنا
مصرعِ صائبؔ ہیں میرے دل و جاں جدید — "فرق باشد جانِ ماں از آشنا تا آشنا"
اے وطن میں کیا کہوں صحرائے اعظم کا سفر — آتی تھی نظروں میں میری ہر گلی صحرا آشنا
کٹ گئی آزادؔ کس بیگانگی میں زندگی — کاش ہوتا شہر میں کوئی ہمارا آشنا

ازل

مدن موہن۔ متوطن داؤد پور سمرالہ ضلع لدھیانہ۔ ولادت ۱۹۲۳ء، تلمیذ بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔

آپ نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی اور اُردو فارسی کی تعلیم مولوی عبدالرشید طلعت سے لی۔ آپ نے دہلی آکر محکمۂ دفاع میں ملازمت اختیار کی۔ مابعد امپیریل بنک آف انڈیا میں ملازم ہو گئے۔ آپ کا مجموعۂ کلام بعنوان "نوائے ازل" ۱۹۸۵ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اسوقت آپ غازی آباد (یو۔پی) میں آباد ہیں۔

زلیخا یاد آتی ہے نہ کنعاں یاد آتا ہے
چمن میں رہ کے بھی مجکو بیاباں یاد آتا ہے

عجب ہلچل سی ہوتی ہے ہمارے گوشۂ دل میں
کبھی خلوت میں جب روئے نگاراں یاد آتا ہے

بہت مسرور ہوں طوقِ غلامی کاٹ کر لیکن
مجھے رہ رہ کے وہ خونِ شہیداں یاد آتا ہے

جو دل نے زخم کھائے اُن کا کچھ بھی غم نہیں مجکو
چبھا تھا دل میں جو پیکاں وہ پیکاں یاد آتا ہے

مجھے تو بھول بیٹھا توڑ کر رشتہ محبت کا
مگر مجکو ترا لطفِ فراواں یاد آتا ہے

خزاں کی قیدِ تنہائی میں دم گھٹنے لگا اب تو
مرے دل کو ازل جشنِ بہاراں یاد آتا ہے

افسر

سروپ کرشن کپور۔ ساکن پشاور۔ شاگرد جناب احمق پھپھوندوی۔

آپ کی ولادت ۱۹۱۲ء میں ایک متمول تاجر گھرانے میں ہوئی تھی۔ آپ کا

پہلا شعری مجموعہ ۱۹۵۲ء میں "فانوس" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ دوسرا مجموعۂ کلام ہندی رسم الخط میں چھپا تھا۔ نومبر ۱۹۸۲ء میں رام منوہر لوہیا اسپتال دہلی میں انتقال کیا۔

میری خوشیوں کا تراشا ہے یہ پیکر کس نے ۔۔۔ کر دیا ہے مرا ماحول معطر کس نے
آسماں ہمت پرواز سے کچھ دور نہیں ۔۔۔ اس تمنا کے مگر کاٹ دیئے پر کس نے
نا سمجھ قطرۂ ناچیز کی وقعت کو سمجھ ۔۔۔ تو سمندر ہے بنایا ہے سمندر کس نے
کس کی پازیب کا سنگیت ہے ہستی میری ۔۔۔ پاؤں سے باندھ لیا میرا مقدر کس نے
پرتو حسن ہے ناہید گزرگاہ خیال ۔۔۔ سر پہ رکھی ہے چھلکتی ہوئی گاگر کس نے
خوشنما دائرے بنتے ہی چلے جاتے ہیں ۔۔۔ دل کے تالاب میں پھینکا ہے یہ کنکر کس نے
تو مرا دوست سہی یار مگر اتنا تو بتا ۔۔۔ وقت پر دھوکا دیا ہے مجھے اکثر کس نے

دفعتہً کس نے جگا دی مری سوئی ہوئی قسمت
میرا منہ چوم لیا خواب میں افسر کس نے

اکمل

پنڈت رام پرتاپ ولد پنڈت بھگت رام باشندہ جالندھر۔ ولادت ۱۹۰۷ء
شاگرد جناب نظر سوہانوی و بشیشور پرشاد منور لکھنوی۔

آپ محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔ آپ کا شعری مجموعہ "بوئے گل" کے نام سے ۱۹۵۸ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ملازمت سے ریٹائرڈ ہو جانیکے بعد دہلی میں آباد ہیں۔

عروجِ نشۂ مے کا جواب ہوتا ہے / جب اپنے اوج پہ دورِ شباب ہوتا ہے
سکوں بقدرِ اضطراب ہوتا ہے / کسی کا غم بھی خوشی کا جواب ہوتا ہے
جمالِ یار کو پردہ کی احتیاج نہیں / یہ خود جوابِ رُخِ بے نقاب ہوتا ہے
اگر ہے شوقِ تماشا نگاہ پیدا کر / کہ جلوہ اپنی نظر کا جواب ہوتا ہے
وہ بے نقاب تو ہو جائے بزمِ عالم میں / مگر نظامِ دو عالم خراب ہوتا ہے
جسے زمانہ سمجھتا ہے دل لگی اکملؔ / وہ عشق باعثِ صد انقلاب ہوتا ہے

کیا حال ہوا دل کا حسرت ہے نہ ارماں ہے / ہر جوشِ مسرت کا اللہ نگہباں ہے
کیا تفرقہ ڈالا ہے بے دردِ محبت نے / میں دل سے پریشاں ہوں دل مجھ سے پریشاں ہے
یہ گریۂ پیہم ہے تمہیدِ قیامت کی / ہر اشک میں سو موجیں ہر موج میں طوفاں ہے
گردِ رہِ جاناں کا فیضان جزاک اللہ / جو خاک بداماں تھا اکسیر بداماں ہے
ہر جوشِ مسرت کا انجام ہے غم اکملؔ / ہر صبح کے پہلو میں اک شامِ غریباں ہے

تری قربت میں بھی دل کو سکوں حاصل نہیں ہوتا / یہ دیوانہ کبھی آسودۂ منزل نہیں ہوتا
وہ دیوانے تری محفل سے اُٹھ کر اب کہاں جائیں / تری محفل میں بھی جن کو سکوں حاصل نہیں ہوتا
گذرگاہِ محبت سے گذرنا سخت مشکل ہے / بظاہر دل لگا لینا تو کچھ مشکل نہیں ہوتا
محبت کا فسانہ رنگ پر آتا نہیں اکملؔ،
سرِ اشکِ غم میں جب تک خونِ دل شامل نہیں ہوتا

امر

رنبیر ولد مہتہ نرنجن داس دت، باشندہ ابد آباد (پنجاب) ولادت ۱۹۱۰ء

آپ کی تعلیم میٹرک تک ہے۔ آپ ہفتہ وار اخبار "کرم ویر" لاہور میں بطور نائب ایڈیٹر کام کرنیکے بعد ہفتہ وار "گورو گھنٹال" سے منسلک ہو گئے۔ ۱۹۴۴ء میں کراچی سے ہفتہ وار اخبار "اتفاق" جاری کیا۔ ۱۹۵۰ء میں بٹیالہ سے اخبار گورو گھنٹال کا اجرائے جدید کیا۔ آپ اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ قریب نصف درجن کتب کے مصنف ہیں۔

بیابانوں میں قصدِ گلستانی لیکے آیا ہوں
کہ چھالے پاؤں میں چھالوں میں پانی لیکے آیا ہوں

وہ راہی ہوں قدم لیتی ہیں جسکے منزلیں آکر
میں اپنے دم قدم میں کامرانی لیکے آیا ہوں

تخیل میں پر پرواز رکھتا ہوں میں شاہیں کا
قلم میں بادو باراں کی روانی لیکے آیا ہوں

فقط لایا تھا چند تنکے میں چن کر آشیانے کے
خبر کیا تھی بلائے آسمانی لیکے آیا ہوں

گلستانِ جہاں میں خار کی مانند ہوں لیکن
بہت خوش ہوں کہ فرضِ پاسبانی لیکے آیا ہوں

امر ہوں میں، ابد آباد ہے جدی وطن میرا
وراثت میں حیاتِ جاودانی لیکے آیا ہوں

دل میں ہر سو اُجالا ہے
کون اس گھر میں آنے والا ہے

لوگ غم پالتے ہیں رو رو کر
ہم نے ہر غم خوشی سے پالا ہے

آپ جس کو سنبھلنا کہتے ہیں
وہ مرا آخری سنبھالا ہے

پہلے ارمان نکالا تھا میں حوصلہ دل کا اب نکالا ہے
دیکھ کر وہ آم کو یوں بولے مرد ہے خوب گرچہ کالا ہے

اشعار متفرق

رونے دھونے سے بھی کٹتے ہیں کہیں قیدی کے دن
ہم قفس آ۔ بیٹھ کر گلزار کی باتیں کریں

بلاتے تھے مجھے تم ہر نفس کے ساتھ آ آ کر نہ میں نے کم نصیبی سے مگر آواز پہچانی
گلوں کا رنگ کلی کا نکھار پی لوں گا خزاں کی آنکھ بچا کر بہار پی لوں گا
مجھے بھی ہونا ہے خاکی سے ایک دن نوری وہ ذرہ کیا جو چمک کر ستارا ہو نہ سکا
خیال یار میں دل داغدار کر لوں گا میں ایک پھول سے پیدا بہار کر لوں گا
جوانی کے دن ہوں کہ ایام حسرت ہمیشہ رہیں گے نہ تیرے نہ میرے

آدمی

ادم پرکاش خلف شری گنگا رام قوم رستوگی ساکن سنبھل ضلع مراد آباد۔ یو۔پی
ولادت ۱۹۱۵ء۔ شاگرد جناب سید سرسوی۔
آپ غزل کے ساتھ نعت، منقبت اور سلام بھی خوب کہتے ہیں۔

اے دوست میرے نام سے نفرت تھی جنکو اب مدت کے بعد وہ مرے مہماں ہوئے تو ہیں
دیکھیں چلیں گے کتنے وہ احکام دین پر کہنے کو آج آدمی مسلماں ہوئے تو ہیں
خون ملت کا کریں جو اپنے مقصد کیلئے بعد مردن ایسے لوگوں کا کہیں ماتم نہیں

بھایا دین محمدؐ کی پاک گنگا کو
بساطِ شام کی لنکا کو شہ جلا کے رہے
لا نہیں سکا جہاں میں جن کی مستقبل نظیر
ختم ہے ان پر وفا وہ تو بہتر ہو گئے

بجاج

اوم پرکاش بجاج خلف لالہ رام چند بجاج باشندہ ضلع فیروز پور (پنجاب) ولادت ۱۹۲۲ء شاگرد جناب ہیرا لال ضیا فتح آبادی۔ پیشہ سرکاری ملازمت۔ آپ نے ۱۹۴۲ء میں فیروز پور شہر سے بی، اے کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۲ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔

قطعات

عشق کو جب تک نہ ہو عرفانِ غم
دل میں پیدا نور ہو سکتا نہیں
دار کو بس چوم کر اے ہم نفس
ہر بشر منصور ہو سکتا نہیں

غم کے احساس سے جو عاری ہو
وہ دل ہی نہیں ہے پتھر ہے
سچ تو ہے عزم و حوصلہ کے بغیر
زندگی موت کے برابر ہے

جو بھی میری نظر نے دیکھا ہے
وہی رنگ اب سخن میں ڈھالا ہے
زندگی کے گھنے اندھیرے میں
میں نے ڈھونڈا یہی اُجالا ہے

کیف جو بے خودی سے ملتا ہے — وہ کہاں آگہی سے ملتا ہے
بھول جاتا ہوں کون ہوں کیا ہوں — جب مرا دل کسی سے ملتا ہے
سرفروشوں سے کوئی یہ پوچھے — کیا انھیں سرکشی سے ملتا ہے
آ گئے ہو تو دل کی بات کہو — کیا تمھیں بے رخی سے ملتا ہے
دل کی تسکیں کو شعر کہتا ہوں — ورنہ کیا شاعری سے ملتا ہے
کج کلاہوں سے بھی بجاج حزیں — جانے کیوں سادگی سے ملتا ہے

حسن والے وفا نہیں کرتے — عشق والے دغا نہیں کرتے
ان کو ہم سے ہزار شکوے ہیں — ہم تو کوئی گلا نہیں کرتے
زندگی بے مزہ نہ ہو جائے — دردِ دل کی دوا نہیں کرتے
قول کا جنکو اپنے پاس نہیں — ان کو انساں کہا نہیں کرتے
پا ہی لیں گے بجاج ہم منزل — بڑھ کے پیچھے ہٹا نہیں کرتے

گل کھلاؤ بہار آئی ہے — مسکراؤ بہار آئی ہے
ساز اٹھاؤ بہار آئی ہے — گیت گاؤ بہار آئی ہے
میری نظریں ہیں منتظر کب سے — آ بھی جاؤ بہار آئی ہے

تلخیاں گردشِ زمانہ کی
بھول جاؤ بہار آئی ہے

برق

بھگوان داس ولد ملک لکھمی داس۔ وطن موضع گلی نو تحصیل شورکوٹ ضلع جھنگ، ولادت ۱۹۱۸ء۔ شاگرد مولوی اللہ دین مضطرؔ۔
آپ نے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ محکمہ تعلیم ہریانہ میں ملازم رہنے کے بعد ریٹائرڈ ہو چکے ہیں اور جھنگ کالونی رہتک میں مقیم ہیں۔

قطعات

وقت ہم نے بدلتے دیکھا ہے
ہم نے خورشید ڈھلتے دیکھا ہے
سیدھے منہ بات جو نہ کرتے تھے
سر کے بل انکو چلتے دیکھا ہے

مجکو بے چین کر رہا ہے صنم
تیرے وعدہ کا انتظار اب بھی
سادہ لوحی کوئی مری دیکھے
تجھ پہ کرتا ہوں اعتبار اب بھی

روداد، ہجر ان کو سنائی نہ جا سکی
چشمے پہ آکے پیاس بجھائی نہ جا سکی
شکوے ہزار دل میں تھے لیکن حضورِ حسن
لب سِل گئے زبان ہلائی نہ جا سکی
وہ دو قدم بھی چل کے یہاں تک نہ آسکے
جانِ مریضِ ہجر بچائی نہ جا سکی
وہ آگ جس کی چاہ میں تڑپے تمام عمر
ایسی لگی کہ مر کے بجھائی نہ جا سکی
شرمندگی سے حشر میں ان کے حضور برقؔ
گردن اٹھی پہ آنکھ اٹھائی نہ جا سکی

ہماری داستانِ غم نہ پوچھو — ابھی تک کیوں ہیں جیتے ہم نہ پوچھو
کسی کی سرمگیں آنکھوں کی مستی — کسی کے گیسوئے پُرخم نہ پوچھو
لگائے کس نے اتنے زخم دل پہ — صنم ہو جاؤ گے برہم نہ پوچھو
یہ دورِ ارتقائے عہدِ حاضر — زوالِ حضرتِ آدم نہ پوچھو
اِدھر جلنے کی ہم کو برقؔ جلدی — اُدھر ان کی وہ چشمِ نم نہ پوچھو

برقؔ

لالہ رام رکھا مل۔ باشندہ سیالکوٹ۔ مقیم کراچی۔ ۱۹۴۳ء میں آپ نوجوان تھے

تکلیفِ سیرِ باغ نہ دو مجھ نحیف کو — نرگس نہ دیکھ لے کہیں آنکھیں نکال کے
ان کی ہنسی پہ آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے — پیدا خوشی میں ہو گئے پہلو ملال کے
کیا خوب تو نے برقؔ دکھایا ہے زورِ طبع — کاغذ پہ رکھ دیا ہے کلیجہ نکال کے

آفتابِ حشر نکلے گا تری تعظیم کو — تو اگر پردہ سے باہر مہ لقا ہو جائے گا
نسیم لائی ہے گلشن سے پھول کی خوشبو — شہیدِ ناز کی تربت بسائی جاتی ہے

برقؔ

گردھاری لال۔ ولادت ۱۹۲۴ء۔ جائے پیدائش حویلی پاکستان۔ تلمذ حضرت سرون ناتھ آفتاب و دینا ناتھ رفیق۔ ۱۹۴۷ء میں آپ ترک وطن کر کے پونچھ (کشمیر) آ گئے اور وارڈ سیکرٹری کے عہدہ پر مامور ہو گئے۔

...ز نے سینکڑوں ساماں کئے ہیں زیست کی خاطر
مرے کانوں میں چُپکے سے فنا کچھ اور کہتی ہے

...یہ مانا دیدۂ تر سے رواں ہیں پیار کے آنسو
ترے رنگین ہاتھوں کی حنا کچھ اور کہتی ہے

...ہٹا دوں چاند سے رخ سے سیاہ زلفوں کی بدلی کو
مگر اے برقؔ نظروں کی حیا کچھ اور کہتی ہے

...صیاد کے ظالم ہاتھوں سے گلشن یہ مرا آزاد ہوا
اے اہلِ چمن اب فرض ہے یہ تزئین گلستاں ہو جائے

...اے برقؔ تمنا اتنی ہے مرجھائی کلیاں کھل جائیں
گلزار میں جلوہ طور کا ہو فردوس گلستاں ہو جائے

برگؔ

منشی شیو پرشاد قوم تمبولی ساکن باندہ (یو۔پی) شاگرد جناب تابؔاں مزدی

۱۹۳۲ء میں آپ نوجوان تھے۔

اشاروں ہی اشاروں میں ہوئی کچھ گفتگو ایسی
میں انکی داستاں سمجھا وہ میری داستاں سمجھے

...لب فریاد پر بھی ان کو دھوکا ہے تبسم کا
کسی کی جان جائے اور کوئی شادماں سمجھے

...کہیں اب کس زباں سے برگؔ اپنا حال بربادی
اُسی نے آشیاں لوٹا جسے ہم باغباں سمجھے

اُٹھا کر آئینہ یہ پوچھو ذرا مد مقابل سے
ابھی واقف نہیں ہو تم مری بربادیِ دل سے

تمہارے عشق میں رسوائے عالم ہو گئے پھر بھی
نہ نکلی ہے نہ نکلے گی تمھاری آرزو دل سے

بگاڑا کیا ہے، میں نے اس کا یارب
پڑا کیوں میرے پیچھے آسماں ہے

ترے تیرِ نظر کا آج زخمی
فقط اک میں نہیں سارا جہاں ہے

آئی فصلِ خزاں بہار گئی
اب ہمیں لذتِ شراب کہاں

کیا اُٹھے گی کہیں قیامت آج
آپ جاتے ہیں بے نقاب کہاں

یوں زندگی کا رنگ زمانہ گذر گیا
جیسے ہوا کا جھونکا ادھر سے اُدھر گیا

بسمل

لالہ دیوی چند۔ قوم ویش اگروال۔ باشندہ کیرانہ ضلع مظفر نگر۔ ولادت ۱۹۰۴ء شاگرد جناب عادل کیرانوی ولالہ شگن چند روشن پانی پتی۔

آپ کا ایک ہفتہ وار اخبار "ضرورت" کافی عرصہ سے کیرانہ سے شائع ہو رہا ہے۔ پہلے یہ اخبار اُردو میں شائع ہوتا رہا مگر اب آپ کی صحت خراب رہتی ہے۔ لہٰذا یہ اخبار اب ان کے بھتیجے ہمیش جی ہندی میں شائع کر رہے ہیں۔ بسمل صاحب غیر شادی شدہ ہیں اور تمام زندگی قومی، ادبی، سیاسی اور مذہبی مجلسوں میں گذار دی

آپ صاحبِ دیوان اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

میرا مرنا انبساطِ دل کا ساماں ہو گیا
محفلِ اغیار میں پھر سے چراغاں ہو گیا

آپکے آنے سے پہلے دل بہت بیتاب تھا
آپ کیا آئے ہیں دردِ دل کا ساماں ہو گیا

ملتے ہی آنکھوں، آنکھوں میں اشارے ہو گئے
پہلے کچھ شکوے ہوئے پھر عہد و پیماں ہو گیا

اس حسابِ زندگی کا دیکھ کر ظاہر وجود
کوئی حیراں ہو گیا کوئی پریشاں ہو گیا

اے مرے پختہ ارادے تجھ پہ قربان جان و دل
راستہ منزل کا اپنی تجھ سے آساں ہو گیا

جسقدر بھی خون نکلا ہے شہیدِ قوم کا
قصرِ آزادی کی منزل کا وہ ساماں ہو گیا

یوں تو دُنیا میں ہیں بسمل آدمی ہی آدمی
آ گئی انسانیت جسمیں وہ انساں ہو گیا

ہونا ہے جان و دل سے فدائے وطن مجھے
اب تو لگی ہے دیش کی اپنے لگن مجھے

اس زیست سے غلامی کی تو مرنا ہی خوب ہے
آغوش میں چھپا لے تو آبِ جمن مجھے

حبِ وطن میں سختیِ زنداں سے خوف کیا
سہنے پڑیں گے سینکڑوں رنج و محن مجھے

موسمِ بہار

ہو گئی رخصت خزاں اور آ گئی فصلِ بہار
ہے چمن میں تازگی اور عارضِ گل پر نکھار

غنچہ و گل میں نمایاں ہے وہ شانِ کردگار
پتے پتے سے عیاں ہے رونقِ حسنِ بہار

سبزہ لہراتا ہے اور طائر ہر اک دلشاد ہے
آج صحنِ باغ میں شورِ مُبارکباد ہے

بسیمؔ

خزان چند بھاٹیہ ولد شری گوبند سہائے بھاٹیہ۔ جائے پیدائش رام نگر۔ ضلع گجرانوالا (پاکستان) ولادت ۱۹۱۱ء تلمیذ جناب لبھو رام جوش ملسیانی،
آپ کے دو شعری مجموعے "تنکے اور شگوفے" کے عنوان سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۶ مارچ ۱۹۸۴ء کو دہلی میں انتقال کیا۔ آپ بسیمؔ حیرتی کے لقب سے مشہور ہیں۔

رباعیات

ذرے بھی ستاروں کی چمک رکھتے ہیں
تنکے بھی شگوفوں کی چمک رکھتے ہیں
غنچے بھی حسیں ہیں مگر اے حُسنِ نظر
کانٹے بھی عجب نوک پلک رکھتے ہیں

کیا پاؤں میں انعامِ رضا تو جانے
یارب ترا معیارِ جزا تو جانے
غرّہ ہے مجھے اپنی تہی دستی پر
کتنی ہے تجھے شرمِ عطا تو جانے

کوئی بھی عالم مری نظروں سے پوشیدہ نہیں
شوق سے دُنیا یہ سمجھے میں جہاں دیدہ نہیں
جسم کاہیدہ ہے لیکن عزم لغزیدہ نہیں
جادہ پُر پیچ میرے حق میں پیچیدہ نہیں
عصرِ حاضر کو جو پوچھو کچھ پسندیدہ نہیں
ذہن بالیدہ سہی اب سر تو شوریدہ نہیں
کون ایسا ہے میں جسکے غم میں نمدیدہ نہیں
لیکن اپنا دل خود اپنے غم سے رنجیدہ نہیں
یہ ہے سیدھی بات مبہم اور پیچیدہ نہیں
آج بے مطلب کسی کا کوئی گرویدہ نہیں

کہنہ ہو کر بھی خدا کا نظم بوسیدہ نہیں
جو اسے بوسیدہ کہتے ہیں وہ فہمیدہ نہیں

اے نسیم اس بات میں ہم خود بھی سنجیدہ نہیں
ورنہ دنیا کے سوال اتنے تو پیچیدہ نہیں

زخم کھا کھا کے بھی رہے زندہ
ہم بڑے سخت جاں نکلے

برق نادم ہے میرے گھر گر کر
چار تنکے ہی بس یہاں نکلے

اور بھی ہم پہ ڈھا ستم اے چرخ
بل ہمارے ابھی کہاں نکلے

میرا شیون ہی گرم گرم نہ تھا
اشکِ تر بھی دھواں دھواں نکلے

کہہ اٹھے سن کے وہ مرے حالات
یہ تو نا قابلِ بیاں نکلے

داد دینگے ہی اہلِ ذوق نسیم
شعر میرے رواں دواں نکلے

بھوک باقی نہ پیاس باقی ہے
تن پہ تھوڑا سا ماس باقی ہے

نقدِ جاں ہی مزید ہے ورنہ
کیا اب اور اپنے پاس باقی ہے

دل یہ کہتا ہے تیرے جینے کی
سانس رہنے تک آس باقی ہے

ہو نہ مایوس اے نسیم ابھی
زندگی کی اساس باقی ہے

بہار

رائے منوہر لال کائستھ باشندہ حیدر آباد دکن۔ ولادت ۱۹۱۳ء، شاگرد جناب جلیل مانکپوری، آپ کے بزرگ عربی، فارسی اور سنسکرت کے عالم تھے۔

اور عہدِ مغلیہ میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز رہے۔ آپ کے شعری ذوق کو ابھارنے میں گھر کے ماحول نے کافی مدد دی۔ آپ کے دو شعری مجموعے "بہارستان" اور "تکرارِ تمنّا" کے نام سے ۱۹۷۷ء اور ۱۹۷۹ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکے ہیں۔

عیسیٰ مسیح

رُخ سے پردے کو ہٹا عیسیٰ مسیح
جلوہ عالم کو دکھا عیسیٰ مسیح

کون کہتا ہے کہ تو مصلوب ہے
تو ہے روحِ لاالٰہ عیسیٰ مسیح

نام تیرا ہے زندہ بے خلوص
تو مجسّم ہے وفا عیسیٰ مسیح

تیرے نقشِ پا پہ چلتی ہے حیات
تو ہے اس کا رہنما عیسیٰ مسیح

نام لیکر تیرا منزل کی طرف
کاروانِ حق چلا عیسیٰ مسیح

آ گیا ہے لب پہ پیغامِ بہارؔ
نام لیکر آپ کا عیسیٰ مسیح

بہار

پروفیسر امر چند شاگرد جنابِ بشیشور پرشاد منوّرؔ لکھنوی۔

آپ مغربی پنجاب ضلع میانوالی (پاکستان) کے ایک قصبہ میں ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم میانوالی ہائی اسکول میں حاصل کی۔ تقسیمِ ملک کے وقت آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔اے کے طالب علم تھے۔ آپ کے والد ۱۹۴۷ء کے فسادات کی نذر ہو گئے تھے اور آپ بے سروسامان امرتسر کے ایک رفیوجی کیمپ میں پناہ گزین

ہو گئے۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے کیمپ کالج دہلی سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپنے منشی رام کالج فاضلکا اور دیال سنگھ کالج دہلی میں انگریزی ٹیچر کی حیثیت سے کام کیا۔ اس کے بعد بی۔ این چکرورتی گورنمنٹ کالج رہتک میں انگریزی کے لیکچر مقرر ہو گئے۔

رُباعیات

میں تجھ کو بتاتا ہوں محبت کیا ہے
کیا چیز ہے تہذیب، شرافت کیا ہے
بے لوث ہر انسان کی خدمت کرنا
دنیا میں بڑی اس سے عبادت کیا ہے

تو شعلۂ احساس کی مدھم نہ کرو
یہ آگ اگر تیز ہے کچھ غم نہ کرو
روشن ہے اسی آگ سے انساں کا ضمیر
اللہ کی اس دین کو تم کم نہ کرو

قطعات

یہ جو حرص و ہوا کے بندے ہیں
سب فریب و ریا کے بندے ہیں
جان دیتے ہیں جاہ و منصب پر
کون مانے خدا کے بندے ہیں

مشکلوں پر عبور پا لیں گے
زندگی کا شعور پا لیں گے
ہم نے بیراگ لے لیا ہے بہارؔ
اب تو منزل ضرور پا لیں گے

جو دہر کی آفت تھی ہمیں پر وہ پڑی ہے / ہنس ہنس کے مگر ہم نے ہر اک چوٹ سہی ہے
ہم شدتِ آلام میں بھی نغمہ سرا ہیں / سرشار ہیں سرمست ہیں کیا زندہ دلی ہے

لازم ہے لائیں ڈھونڈ کے خود کو کہیں سے ہم / کیا بے نیاز ہو گئے دنیا و دیں سے ہم
دنیائے پُر فریب کے انداز دیکھ کر / دل یوں بجھا کہ ہو گئے گوشہ نشیں سے ہم
پھر آ گئے ہیں کوچۂ جاناں میں لوٹ کر / نکلے تھے اک طویل سفر پر یہیں سے ہم
اس جانِ آرزو سے ملاقات یوں ہوئی / مدت کے بعد جیسے ملے ہیں ہمیں سے ہم
حاصل ہوئی ہیں فکر و نظر کو وہ وسعتیں / تکتے ہیں آسمان کی جانب زمیں سے ہم
اہلِ نظر کے سامنے رکھیں گے یہ غزل / حاصل کریں گے داد کسی نکتہ چیں سے ہم
جس ارضِ پاک نے دیا محروم کو جنم / آئے ہیں اے بہار اسی سرزمیں سے ہم

تلوک چند

لو دینے لگے داغِ جگر کے شبِ فرقت / کیا آتشِ خاموش مرے دل میں دبی ہے
محتاج ہے روٹی کیلئے آج بھی فنکار / کیا کاوشِ ذہنی کی اسے داد ملی ہے
پیتے ہیں غریبوں کا لہو چند ہوس کار / پھر اس پہ انہیں دعوائے حب الوطنی ہے
ہے مشقِ سخن خونِ جگر کی بھی طلبگار / الفاظ ہی الفاظ سے کب بات بنی ہے

روشن ہے بہار اہلِ بصیرت پہ ترا حال
نادار ہے تو پھر بھی طبیعت کا غنی ہے

بہار

شوراج کپور ولد بھگت گنپت رام کپور۔ ولادت ۱۹۲۳ء تلمیذ پنڈت میلارام وفا۔ آپ کی ولادت لاہور میں ہوئی تھی۔ آپ نے ۱۹۴۱ء میں پنجاب یونیورسٹی سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہو گئے۔ ۱۹۴۲ء میں کالج کو خیرباد کہہ کر جنگِ آزادی میں شامل ہو گئے اور اس سلسلہ میں قید و بند کی سعادت حاصل کی۔ تقسیمِ وطن کے بعد آپ لاہور چھوڑ کر امرتسر میں آباد ہو گئے آپ کا دیوان موسوم "موجِ بہار" ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

ہر طرف شہر میں اک بھیڑ ہے ارمانوں کی
بات سُنتا ہی نہیں اب کوئی دیوانوں کی

دامنِ شمع ہے اور لاشیں ہیں پروانوں کی
ہائے توقیر یہ اک رات کے مہمانوں کی

دھجیاں اُڑتی ہیں ہر سمت گریبانوں کی
قابلِ دید ہے وحشت ترے دیوانوں کی

اس کو ساحل پہ پہنچنے کا کوئی حق ہی نہیں
زحمتیں جس نے اُٹھائی نہ ہوں طوفانوں کی

بے نیازانہ ترے در سے گذر جاتے ہیں
یہ بھی اک شانِ وفا ہے ترے دیوانوں کی

آپ کچھ سوچیئے آرائشِ گلشن کے لئے
ہم ذرا خاک اُڑا آئیں بیابانوں کی

گردشِ وقت بھی کترا کے نکل جاتی ہے
ہمتیں قابلِ تعظیم ہیں دیوانوں کی

اے غمِ دوست خدا تجھ کو سلامت رکھے
تجھ سے آباد ہے دنیا مرے ارمانوں کی

ڈوبتوں کو جو کنارے پہ لگاتی ہیں بہار
ایسی موجیں بھی ہُوا کرتی ہیں طوفانوں کی

صبح کو منسوب کر دے شام سے
کام لے کچھ گردشِ ایام سے

ہو گیا ہوں اسقدر مانوسِ غم
دل لرزتا ہے خوشی کے نام سے

دل سے دل ملنے کا عالم کیا کہوں
جام ٹکراتا ہے جیسے جام سے

سرخرو ہونے لگی ہے زندگی
درد سے، آزار سے، آلام سے

ہائے اس طائر کی دُور اندیشیاں
آشیاں بدلا ہے جس نے دام سے

یا عطا کر سب کو اے پیرِ مغاں
یا اُلٹ دے بادہ میرے جام سے

مرنے والے کس لئے شاداں نہ ہوں
چھُوٹ رہے ہیں زیست کے الزام سے

میں ہُوا مصلوب اس تقصیر پر
ہٹ کے کیوں چلتا تھا راہِ عام سے

شیوۂ مردانگی ہے یہ بہار
کھیلتا جا گردشِ ایام سے

تجلّی کے پردے ہٹائے چلا جا
مجھے اپنا جلوہ دکھائے چلا جا

سمجھ سوچ کر چوٹ کھائے چلا جا
محبّت کی عظمت بڑھائے چلا جا

مرے ہر نفس میں سمائے چلا جا
من و تو کا جھگڑا مٹائے چلا جا

رہِ شوق میں لاکھ دشواریاں ہوں
قدم والہانہ بڑھائے چلا جا

کبھی تو مٹیں گے یہ غم کے اندھیرے
چراغِ محبت جلائے چلا جا

میں تیری محبت میں مٹتا رہوں گا
تو میری غزل میں سمائے چلا جا

ابھی پھیکا پھیکا ہے رنگِ محبت
ابھی خونِ دل کا بہائے چلا جا

گل و ماہ و انجم نہیں تیری منزل بہاراں سے دامن بچائے چلا جا

بیتابؔ

بابو جگیشور ناتھ ایڈووکیٹ ولد بابو امرناتھ قوم کائستھ۔ باشندہ بریلی، ولادت ۱۹۰۸ء شاگرد جناب مہاراج بہادر برقؔ دہلوی۔

یہ موتی ہیں جو موج نور سے حوروں نے رولے ہیں شرارے اڑ رہے ہیں یا کسی کی آہ سوزاں سے
نجوم ضو فشاں سے نور کا عالم ہے گردوں پر گرے ہیں چاندنی کے پھول کس مہوش کے داماں سے
جو آنسو جوش غم میں رات کو بیتابؔ ٹپکے تھے ستارے بن گئے گر گر قمر کی چشم گریاں سے

چراغاں کا یہ عالم ہے کہ یہ تاروں کی محفل ہے طبیعت بجھ گئی اپنی ہیں افسردہ ہم ہیں زدہ دل ہے
کسی کے ساغر رنگیں کے ہیں چھلکے ہوئے قطرے ستارے کب ہیں، چشم شوق تیرا دیدہ باطل ہے

بند تجلی کوئی نقاب میں ہے حسن در پردہ اضطراب میں ہے
بے خودی عالم شباب میں ہے ایسی مستی کہاں شراب میں ہے

جامہ غنچوں نے تار تار کیا تو نے کیا شوخی بہار کیا
رخ کیا کب گلوں نے کان دیئے نالہ بلبل نے گو ہزار کیا

نظم "معلّم" (دو بند)

تخلیق سے فارغ ہوا جب خالقِ باری
اور جو ئے کرم خلد میں یکسر ہوئی جاری

بلوائے گئے سامنے سب نوری و ناری
بخشی یدِ قسمت نے انھیں نعمتیں ساری

اٹھوائے گئے لعل و گہر بندۂ زر سے
سینہ ترا معمور کیا علم و ہنر سے

صد غیرتِ گلزار ہے ہستی ترے دم سے
احساں جو کئے تو نے وہ پوچھے کوئی ہم سے

جنبش جو ہوئی پھول جھڑے نوکِ قلم سے
حوریں لیے حاضر ہوئیں گل باغِ ارم سے

دستِ کرم نے ترے گہر رول دیئے ہیں
قربانیوں نے دونوں جہاں مول لئے ہیں

بیدار

سردار کرپال سنگھ ولد سردار خوشحال سنگھ، ولادت ۱۹۱۶ء۔ شاگرد جناب تاجور نجیب آبادی۔

آپ کی ولادت گھنگرانوالا تحصیل ننکانہ ضلع شیخوپورہ (پاکستان) میں ہوئی تھی۔ آپ اُردو اور فارسی زبانوں میں ایم۔ اے پاس تھے اور پنجاب یونیورسٹی پٹیالہ میں فارسی کے لکچرار رہے۔

اس کے علاوہ آپ لاہور کے روزنامہ اخبار "شمشیر ہند" کے چیف ایڈیٹر اور ڈپٹی کسٹوڈین رہ چکے ہیں۔

دریائے محبت جوش پہ ہے موجوں سے کنارا کیا ہوگا
کشتی تو فقط اک تنکا ہے، تنکے کا سہارا کیا ہوگا

اک بار شکایت کرنے پر۔ سو بار قیامت ٹوٹی ہے
بیداد کا جب یہ عالم ہے، فریاد کا یارا کیا ہوگا

اچھا ہے کہ ساقی رند ترے آلامِ جہاں سے دُور رہیں
ان پھول اڑانے والوں کا، کانٹوں میں گزارا کیا ہوگا

ہم اوجِ فلک پر کیا جائیں قسمت کا ستارا کیا ڈھونڈیں
قسمت تو ہماری خاک نہیں، قسمت کا ستارا کیا ہوگا

بیدارؔ سحر کے آتے ہی کچھ اور سیاہی پھیل گئی
آغاز ہمارا یہ کچھ ہے، انجام ہمارا کیا ہوگا

کیا کیا گلابیاں ہیں کسی کے شباب میں — گویا بہار ڈوب گئی ہے شراب میں
گل پوش و گل فروش و گل انداز و گل طراز — جنّت سمٹ گئی ہے تمہارے شباب میں
ہر شرمگیں ادا سے نمایاں ہے بانکپن — کیا بے حجابیاں ہیں تمہارے حجاب میں
برہم ہوا تھا خیر سے اک دن مزاجِ دوست — اب تک ہے نظمِ شام و سحر انقلاب میں
یوں بچ گیا نظر میں ترے پیرہن کا رنگ — سو پھول کھل گئے نگہِ انتخاب میں
بیدارؔ اس گناہ سے ناخوش ہے لطفِ دوست — شامل، نہ ہو سکا وہ ہمارے جناب میں

جھلک نقاب سے قصداً دکھائی جاتی ہے — یہ برق خود نہیں گرتی، گرائی جاتی ہے
وہ سوزِ عشق بلا مصلحت نہیں دیتے — یہ آگ سوچ سمجھ کر لگائی جاتی ہے
کثیف ہو تو پلاتا ہے جام سے ساقی — لطیف ہو تو نظر سے پلائی جاتی ہے
وہی تو بات ہے انکے حضور کہنے کی — جو گفتگو میں ہمیشہ چھپائی جاتی ہے
حدیثِ عشق زباں پر نہ لائیے بیدار — یہ دل کی بات ہے دل سے سنائی جاتی ہے

بینوا

گیندن لال ولد منشی ہیرالال قوم سکسینہ ساکن جہان آباد ضلع پیلی بھیت یوپی
آپ نے ۱۹۲۶ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کرنے کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ پیلی بھیت میں ملازم رہے۔ ۱۹۶۴ء میں آفس سپرنٹنڈنٹ کے عہدہ سے ریٹائرڈ ہوئے ہیں۔ آپ ہندی اور سنسکرت سے بھی خوب واقف ہیں۔

قطعہ

عیش ہیں کیوں خوش ہوئے کیوں غم سے گھبرایا کئے
زندگی کیا جانے کیا تھی اور کیا سمجھا کئے
مختصر یہ ہے ہماری داستانِ زندگی
اک سکونِ دل کی خاطر عمر بھر تڑپا کئے

وجودِ آدمیت اب کہاں ہے — زمیں سمجھا ہے جسکو آسماں ہے

امید و یاس میں دن کاٹتا ہوں — قفس سے دو قدم پر آشیاں ہے
طبیبو! جاؤ اپنے گھر خدارا — یہ درد اپنا حیاتِ جاوداں ہے
یہ کہہ کر کر دیا خاموش ہم کو — بڑی لمبی تمہاری داستاں ہے
جنابِ برہمنو اب دُور چلیے — یہ سب اجڑا ہوا سا گلستاں ہے

وہ اندھیرا گھر ہے جسمیں ہو نہ کوئی بھی دیا — وہ دیا بیکار ہے جسمیں نہ ہو نوری ضیا
وہ سوئی کچھ بھی نہیں جس نے نہ زخمِ دل سیا — وہ زباں ناقص ہے جس نے نام نہ تیرا لیا
آنکھ وہ ہے کانچ کی جسمیں نہ تیرا نور ہو — دل نہیں وہ دل ہے جو تیری ضیا سے دور ہو

خمسہ

کام جو بھی کرو اچھا کرو، بے جا نہ کرو — چوٹ پہنچے کسی انسان کو ایسا نہ کرو
آشتی ہی کو فقط غم میں نوازا نہ کرو — بات اپنوں کی بہت دُور ہے چرچا نہ کرو
وقت پڑ جائے تو اپنوں پہ بھروسا نہ کرو

خاک چھانوں کہ اسے پیار سے دامن میں بھروں — جا کے صحرا میں رہوں یا کہیں اور دور رہوں
وحشتِ دل مری روکو گے تو ہوگی وہ فزوں — مجکو منزل پہ پہنچنا ہے بہ اندازِ جنوں
سُن لو اے خارِ مغیلاں مجھے روکا نہ کرو

تاباںؔ

منشی پرشوتم دیو کھتری خلف لالہ بالمکند آئی، اے، ایس، سی، باشندہ

پشاور، ولادت ۱۹۰۹ء، شاگرد جناب خلیل افغانی بسمل پشاوری۔

پاؤں پھیلائے نہ چادر سے زیادہ کوئی
کیونکہ اس فعل میں کچھ عزت و توقیر نہیں

کاٹتی ہے جس طرح رُک رُک کے وہ میرا گلا
دھوم اس دنیا میں تھی کس تیغ جوہر دار کی

تاجورؔ

تاجور سامری باشندہ لائلپور (پاکستان) خلف پنڈت کرپارام لاغؔ، شاگرد جناب برج موہن دتاتریہ کیفیؔ دہلوی۔

آپ کے والد پولس کانسٹبل تھے اور دادا پنڈت جوالا پرشاد ساغؔ فارسی زبان کے عالم جید تھے، اسی وجہ سے آپ کو شاعری ورثہ میں ملی تھی۔

دل کو جب وقفِ سوز و ساز کیا
اپنی ہستی پہ ہم نے ناز کیا

آنکھ طے کر چکی تھی راہِ نیاز
جب درِ جلوہ تو نے باز کیا

شعلۂ حُسن سے جو راکھ ہوئے
عشق نے اُن کو سرفراز کیا

محبت میں دلِ مضطر کو ہم بہلائے جاتے ہیں
کسی موہوم سی اُمید پر غم کھائے جاتے ہیں

کبھی دن تھے کہ مذہب رہبرِ راہِ حقیقت تھا
مگر اس نام سے اب آدمی بہکائے جاتے ہیں

کسی صورت تو آخر تاجور یہ عمر کٹنی تھی
نہ کہتے شعر بھی اکثر تو ہم بیکار کیا کرتے

تا جو رحسے دیکھ کر آنکھ بھی نہیں سمجھی　　دل نے بے دیکھے اس کا ماجرا جانا

تبسّم

بھگت لچھمن داس خلف بھگت حکم چند۔ ولادت ۱۹۱۶ء، شاگرد جناب جوش ملیح آبادی۔

آپ کا وطن خاص تحصیل علی پور بھگوان ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) ہے، تقسیم ملک کے بعد آپ سونی پت ہریانہ میں آباد ہو گئے۔ اُردو۔ فارسی اور انگریزی زبانوں پر اچھی دسترس رکھتے تھے۔ آپ کی سرپرستی میں ایک ہفتہ وار اخبار "روشنی" سونی پت سے شائع ہوتا رہا ہے۔ آپ کے دو دیوان "برق تبسّم" اور "عزم جواں" کے عنوان سے ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ ۲ جنوری ۱۹۸۵ء کو انتقال کیا۔

اگر ہے ذوقِ محبت تو بندگی ہو گی　　وگرنہ حرفِ غلط تیری زندگی ہو گی

فنا کی راہ میں ملتا ہے کچھ بقا کا پتا　　چڑھے گا دار پہ انساں تو آگہی ہو گی

بجا ہے حضرتِ ناصح کا مشورہ لیکن　　کروں جو ترکِ محبت تو دشمنی ہو گی

کھلیں گے داغِ جگر تو بہار آئے گی　　جلے گا خونِ تمنا تو روشنی ہو گی

طوافِ حرم و دیر سے کچھ نہیں ہو گا　　ہو دل میں شوق تو ایماں میں تازگی ہو گی

جنھیں حقیر سمجھ کے بجھا دیا ہم نے　　وہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی

خفا ہیں مجھ سے تبسّم خدا ہی خیر کرے
اگر میں بات کروں گا تو دشمنی ہو گی

بلند و پستِ عالم میں خوشی کی جستجو کرنا
فریبِ آرزو ہے اپنے دل میں آرزو کرنا

بجز اس کے مری رودادِ الفت میں دھرا کیا ہے
مچلنا آرزو کا یا تمنّا کا لہو کرنا

محبّت میں یہ سب باتیں تبسّم جرم ہوتی ہیں
کسی کی آرزو رکھنا، کسی کی آرزو کرنا

جس کا کلام بارِ سماعت ہو گوش پر
رطب اللّساں کہو، اسے شیریں دہن کہو

جس کو ہوا اہلِ فن سے خدا واسطے کا بَیر
حیرت کی بات ہے اسے نقّادِ فن کہو

خاروں کو آرزو ہے گلستانِ شعر میں
اہلِ چمن ہمیں بھی گل و نسترن کہو

گھر کے آیا سحاب پینے دے
ساقیا لا شراب پینے دے

یہ تو دیر و حرم کے جھگڑے ہیں
کیا ثواب و عذاب پینے دے

تیری آنکھوں سے مے چھلکتی ہے
چھوڑ شرم و حجاب پینے دے

کرم کی آزمائش میں نہ ڈالو غم نصیبوں کو
گراں ہوتا ہے اک حسّاس دل پر بارِ احسان

تبسّم ایسے انساں کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی
جو رنج و غم میں ہو سکتا نہیں ہمدردِ انساں

جو اپنی دُھن کے پکّے ہیں مصیبت سے نہیں ڈرتے
کسی کی دھمکیوں سے اور رعونت سے نہیں ڈرتے

شرافت جن کا مسلک ہے صداقت جن کا شیوہ ہے
تم ہمیشہ حریفوں کی عداوت سے نہیں ڈرتے

تسنیم

پنڈت گنگا دھر۔ ولادت ۱۹۱۱ء۔ شاگرد جناب جوش ملسیانی و بشیشور پرشاد منوّر لکھنوی و امر چند قیس جالندھری۔

پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد اکیس[۲۱] سال شملہ میں معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ ۱۹۳۴،۳۵ء میں شملہ سے ایک اُردو اخبار "شملہ سماچار" کے نام سے جاری کیا۔ ۱۹۴۵ء میں روزانہ اخبار "ملاپ" لاہور کے عملۂ ادارت سے منسلک ہو گئے۔ بعد ازاں آپ شعبۂ اُردو پنجاب یونیورسٹی کے صدر مقرر ہو گئے۔

۲ر نومبر ۱۹۸۲ء کو رحلت کی۔

حسیں ہے یہ جہاں اسمیں کچھ کلام نہیں — مگر نگاہ کی نعمت نصیب عام نہیں
نمائشوں کے تکلف یگانگت میں کہاں — نمازِ عشق میں سجدہ نہیں سلام نہیں
دلِ غیور میں طوفانِ درد برپا ہے — لبوں پہ آہ زباں پر کسی کا نام نہیں
حریم ناز کے پردوں کو جو نہ تھرا دے — کچھ اور ہوگی وہ شے عشق اسکا نام نہیں
جوازِ زیست یہ کچھ کم نہیں ہے اے تسنیم — جو درد تجھ کو عنایت ہوا ہے عام نہیں

ہم قافیہ غزل

جگر میں شعلے بھڑکتے ہیں شام ہوتے ہی — سلگنے لگتا ہے دل جب چراغ جلتا ہے
گدازِ عشق نہیں ہر کسی کی قسمت میں — جگر کے خون سے دل کا چراغ جلتا ہے
بجھا دے پھونکوں سے اس کو مجال ہے کس کی — ازل کے نور سے میرا چراغ جلتا ہے

یہ آسماں کی شمعیں جلائی ہیں جس نے
ابھی چراغ سے گھر گھر چراغ جلتا ہے
مری نگاہ نے بخشی ضیا ترے رُخ کو
مرے چراغ سے تیرا چراغ جلتا ہے
مری نگاہ وہیں سجدہ ریز ہے تسنیم
جہاں بھی حُسن کا کوئی چراغ جلتا ہے

تلخ

منشی لال شرما. باشندہ نارنول (ہریانہ) ولادت ۱۹۱۳ء آپ نے ۱۹۳۲ء
میں انٹرنس کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ہی اُردو اور فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی.
۱۹۴۲ء میں تحریکِ آزادی کے سلسلہ میں جیل جانے کی سعادت بھی حاصل کر چکے
ہیں. ۱۹۵۲ء میں آپ پنچایت آفیسر مقرر ہو گئے تھے. رباعیات اور قطعات
زیادہ تر کہتے ہیں.

قطعات

جفا کا دور ہے حُسنِ وفا کی بات نہ کر
مری بقا کیلئے اب دُعا کی بات نہ کر
جو زخم پائے ہیں میں نے گلوں سے چارہ گر
وہ دل کا چین ہیں ان کی دوا کی بات نہ کر

آپ کی زلفِ عنبری اے دوست
میرے شانوں پہ یوں پریشاں ہے
جیسے ویران آستانوں کے
دوش پر خوشنما گلستاں ہے

راز تیری گھنیری زلفوں کا
پاک دامن نہ یوں سمجھ پائے
جیسے بھیگے ہوئے شرابی سے
کوئی صوفی اُلجھ اُلجھ جائے

بزم بادہ کشی میں اکثر دوست　　جام مے یوں چھلک چھلک جائے
موسم گل میں جیسے گوری کا　　سر سے آنچل ڈھلک ڈھلک جائے

شاخِ گل تند و تیز جھونکوں سے　　یوں چمن میں لہک لہک جائے
جیسے سرشار مست بادہ خوار　　رہ گزر میں بہک بہک جائے

تمنّا

رام کرشن ولد لالہ شنکر لال قوم دیش اگروال۔ باشندہ انبالہ۔ ولادت ۱۹۰۶ء شاگرد جناب لبھو رام جوش ملسیانی۔ پیشہ کاروبار۔ آپ کا آبائی وطن کاندھلہ ضلع مظفر نگر ہے۔ مگر کئی پشتوں سے آپ کا خاندان انبالہ میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہے۔ آپ اُردو۔ ہندی۔ انگریزی اور سنسکرت سے بخوبی واقف تھے۔ آپ کا دیوان موسوم "نقشِ تمنّا" اور بھگوت گیتا کا اُردو ترجمہ "گیان گیتا" کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۹۸۱ء میں وفات پائی۔

بھنور سے مجکو نکالا اگر ہواؤں نے　　ڈبو دیا للہ کے کنارے پہ ناخداؤں نے
دکھایا آج نیا معجزہ گھٹاؤں نے　　اٹھا لیے ہیں بھرے جام پارساؤں نے
گرایا عقل نے معیارِ آدمیت کا　　بشر کو پست کیا اس کی ارتقاؤں نے
نہ کر سکا کسی دشمن پہ کوئی دشمن بھی　　جو ظلم مجھ پہ کئے میرے آشناؤں نے
ہر اک جفا کے میں سہنے کا ہو گیا خوگر　　یہ حوصلہ دیا مجکو تری جفاؤں نے

مرا قرار، مرا چین، مرا صبر و سکوں
سبھی کو لوٹ لیا آپ کی اداؤں نے

نہ کیوں ہو ناز تمنا خطاؤں پر اپنی
کرم کا حق مجھے بخشا مری خطاؤں نے

یہی ہے شغل بس اب جانِ ناتواں کیلئے
فغاں ہے میرے لئے اور میں ہوں فغاں کیلئے

گری تو آہ اسی شاخ پر برق گری
چنا تھا ہم نے جسے اپنے آشیاں کیلئے

دیا ہے دل جو مجھے اپنا درد بھی دیدو
کوئی مکیں بھی ہے درکار اس مکاں کیلئے

ضیائے داغ سے ہے طور کا سماں دل میں
یہی چراغ مناسب تھا اس مکاں کیلئے

ستم تھے جتنے وہ سب ڈھا دیئے تمنا پر
رہا نہ شغل کوئی اور آسماں کیلئے

نورِ قمر نہیں تو ستارے اُداس ہیں
تیرے بغیر سارے کے سارے اُداس ہیں

جو کامیابِ عشق ہیں خائف ہیں موت سے
مفلس غمِ حیات کے مارے اُداس ہیں

کیا جانے کس غضب کی ہیں دل میں اداسیاں
کہ آج آہ کے بھی شرارے اُداس ہیں

روتے ہوئے خود آئے رُلاتے ہوئے چلے
اس زندگی کے دونوں کنارے اُداس ہیں

دریا کو آج کس کے سفینے کا سوگ ہے
موجیں تڑپ رہی ہیں کنارے اُداس ہیں

طنز و مزاح آج تمنا کہاں گئے
اشعار جو سنے ہیں تمہارے اُداس ہیں

تیغ

سردار ہربنس سنگھ متوطن ہوشیارپور (پنجاب) ولادت ۱۹۲۵ء شاگرد جناب طالب

آپ نے بی، ایس، سی کا امتحان میرٹھ کالج سے پاس کیا اور ٹیکنیکی تعلیم بنگلور میں حاصل کی۔ آپ سرکاری ملازمت کے سلسلہ میں بہت سے اعلیٰ عہدوں پر ممتاز رہ چکے ہیں۔

شدتِ غم فغاں تک آپہونچی | عشق کے امتحاں تک آپہونچی
ہم شکایت کے تو نہیں عادی | تیری عظمت یہاں تک آپہونچی
تیر بیٹھا ہے کیا نشانے پر | بات دل کی زباں تک آپہونچی
نام سے تیرے چھیڑتے ہیں مجھے | بات دیکھو کہاں تک آپہونچی
زندگانی تلاشِ راحت میں | موت کے آستاں تک آپہونچی
باغباں خیر اب گلستاں کی | برق اب آشیاں تک آپہونچی
کیا ضرورت ہے دشمنوں کی تیغؔ | دوستی ہی یہاں تک آپہونچی

ثاقب

بابو کشن لال خلف منشی لچھمی نرائن۔ قوم کائستھ باشندہ بریلی، ولادت ۱۹۰۶ء۔ شاگرد جناب بلدیو پرشاد سوزنؔ و رام بہادر جویا۔

آپ مجاہد آزادی تھے۔

۱۱ستمبر ۱۹۸۳ء کو دہلی میں وفات پائی۔

رُباعیات

شاداب کرو اپنے چمن کو لوگو — دو رنگ نیا بزمِ کہن کو لوگو
ہر منزلِ تعمیر سے آگے بڑھ کر — فردوس بنا جاؤ وطن کو لوگو

جذبات میں احساس کی ترمیم کرو — بھارت کے کمالات کو تسلیم کرو
یہ خاکِ وطن ہے، اسے ماتھے سے لگاؤ — تعظیم کے بندو اٹھو اسے تعظیم کرو

بڑھ کر مجھے دیکھو کبھی گھٹ کر دیکھو — تم پاس سے یا دور سے ہٹ کر دیکھو
میں درد ہوں ہنستا ہوں ہمیشہ قائم — جی چاہے تو سو بار اُلٹ کر دیکھو

قطعات

پاس اک ٹوٹا ہوا سا ساز ہے — اسمیں لیکن اک نیا انداز ہے
سُن سکیں ثاقب تو سُنتے جائیں لوگ — میرا نغمہ وقت کی آواز ہے

کسی کو ستم آزمانے نہ دیں گے — دقار اپنی منزل کا جانے نہ دیں گے
حفاظت وطن کی ہے فرضِ تمنّا — وطن پر کبھی آنچ آنے نہ دیں گے

ہر ایک دل میں ترا احترام ہے ثاقبؔ — مقام یہ بہت اونچا مقام ہے ثاقبؔ
ترے کلام میں رنگِ کلام سوزاں ہے — ترے کلام میں کس کو کلام ہے ثاقبؔ

دل مرا دل کہاں لگے ہے مجھے
برق کا آشیاں لگے ہے مجھے

جو بھی تیغ رواں لگے ہے مجھے
وہ تمھاری زباں لگے ہے مجھے

دل کی فریاد کا ہے یہ انجام
بند سب کی زباں لگے ہے مجھے

جب سے تم نے نگاہ بدلی ہے
ہر نظر بد گماں لگے ہے مجھے

صرف اک عندلیب کا نالہ
درد کا ترجماں لگے ہے مجھے

تیرے اندازِ بے نیازی میں
نیتِ آسماں لگے ہے مجھے

سانس کے بعد سانس ہے ثاقبؔ
عمر اک کارواں لگے ہے مجھے

گلا ہی کاٹ لو تلوار کا دکھانا کیا
جسے نہ موت کا ڈر ہو اسے ڈرانا کیا

تمھیں خدا کی قسم دل کا راز کہہ ڈالو
زباں پہ آئی، ہوئی بات کا چھپانا کیا

ہمیں تو رنج میں راحت کا لطف آتا ہے
ستاؤ اور کسی کو، ہمیں ستانا کیا

نظم "عشق" (تین بند)

جب ہوئی تعمیرِ دُنیا عشق بھی پیدا ہُوا
دل نوازِ پیکرِ صد دلکشی پیدا ہُوا

اک امیرِ کاروانِ زندگی پیدا ہُوا
آدمی کے ساتھ حُسنِ آدمی پیدا ہُوا

اک پجاری چاہیئے تھا بندگی کے واسطے
لازمی تھا عشق حُسنِ دائمی کے واسطے

عشق کامل عشق صوفی عشق جلوہ عشق نور — عشق دریا عشق ساحل عشق موسیٰ عشق طور
عشق نغمہ عشق نالہ عشق ہی جام سرور — عشق ہستی عشق مستی، عشق ہی نام قصور

عشق میں طاقت ہے حسرت ہے، طلب ہے، زور ہے
عشق میں ہمت ہے دریائے سکوں ہے شور ہے

عشق جو بدنام ہے اس عشق سے توبہ کرو — عشقِ صادق ہی سے اپنی کوشش جلوہ کرو
عشق کے بندو اٹھو اور عشق کو سجدہ کرو — عشق کو دریا کا سائل صورتِ قطرہ کرو

عشق جب ثاقبؔ حقیقت آشنا ہو جائیگا
قلب حسنِ خاص سے فیضِ محبت پائے گا

جاوید

ڈاکٹر شیو پرشاد وششٹ خلف شری رام چند وششٹ ساکن فرید آباد (ہریانہ) ولادت ۱۹۲۰ء، شاگرد جناب تبسم کرہانی۔

آپ نے دہلی یونیورسٹی سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ بعد ازاں جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی سے پی، ایچ، ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، اسوقت ڈاکٹر ذاکر حسین کالج اجمیری گیٹ دہلی میں شعبۂ اردو کے لکچرر ہیں۔

قطعات

تڑپ اٹھا میں تصور میں ترے ابرو کے — ہلالِ عید جو دیکھا تو فکرِ عید ہوئی
مگر نگاہِ تمنا کے دیپ جلتے رہے — نہ تیری دید ہوئی نہ میری عید ہوئی

وہ دیکھتے تھے بام سے اپنے ہلالِ عید
دونوں کی اک نظر میں ہمیں دید ہو گئی
تاروں کی چھاؤں وہ جو گلے آ کے مل گئے
یاروں کی چاند رات کو ہی عید ہو گئی

ایسے پیار سے دیکھا اس نے ہم تو اسیرِ دام ہوئے
اوّل اوّل رم کرتے تھے آخر آخر رام ہوئے
کیا یہ سچ ہے ہم تم دونوں رسوا ہیں اس بستی میں
کوچۂ عشق میں ہم نے سنا ہے میر بہت بدنام ہوئے
کیسی تھیں وہ دلکش گھڑیاں کیسے تھے وہ رنگیں لمحے
آنکھوں ہی آنکھوں جب چپ چاپ سلام پیام ہوئے
کتنے ہی بت ہم نے یارو پوجے بھی اور توڑے بھی
خواہش کے رشتہ پارے آخر کعبہ کے اصنام ہوئے
ان سے ہم نے کیسے کیسے عہد و پیماں باندھے تھے
لیکن اب تو جو ہم دیکھیں ہیں غم ہی شریکِ جام ہوئے
عارض کی تھی صبح سہانی گیسو کی تھی پیاری شام
کتنے ہی جگ بیتے یارو صبح ہوئے اور شام ہوئے
اب کے برس ہیں بادہ کشی نے دل کے لہو سے جام بھرے
ساقی پر الزام نہ آیا رند مگر بدنام ہوئے
جینے کو بس ایک تبسم ایک نظر بھی کافی ہے
ایک سہی کیا جانیے کیسے محرومِ انعام ہوئے
ان کی گلی میں ایک ہمیں کیا آج ہوئے رسوا جاوید
کیسے کیسے میر و مرزا مفت یہاں بدنام ہوئے

حریفِ رنجِ خاطر ہو گیا ہوں
غمِ دوراں کا ماہر ہو گیا ہوں
ترے ہی گیت گاتے مسکراتے
تری ہی دھن میں آخر کھو گیا ہوں
فنا ہو کر بھی تجھ کو ڈھونڈتا تھا
ہر اک ذرہ میں ظاہر ہو گیا ہوں
مٹا کر سب متاعِ دین و دنیا
ترے کوچہ میں حاضر ہو گیا ہوں
ہوا محفل میں ان کی آ کے احساس
کہ جیسے بارِ خاطر ہو گیا ہوں

طلسم اُلفت کا ہے جادو دیدہ بھی کہ عاشق تھا میں شاعر ہو گیا ہوں

جوَر

منشی کیدار ناتھ خلف منشی کنور بہادر قوم کائستھ ساکن قصبہ بسوان ضلع سیتاپور (یو۔پی) ولادت ۱۹۰۱ء شاگرد جناب حکیم افتخار علی جگر بسوانی۔

یہ کہہ کر بند کیں آنکھیں مریضِ غم نے فرقت میں نہیں آتے اگر وہ اب ملیں گے ہم قیامت میں
پریشاں حال مضطر، خانماں برباد۔ آوارہ کسی کے ہجر میں اے جوَر ہیں رنج و مصیبت میں

بہار آتے ہی پھونکا جائے گا، گر علم یہ ہوتا تو ہم تعمیر کیوں تنکوں سے اپنا آشیاں کرتے
خفا ہوتے بگڑتے، روٹھتے بیزار ہو جاتے تمنّائے دلی اپنی اگر ان سے بیاں کرتے

وہ رشکِ ماہ تو پہلو سے چل دیا اُٹھ کر ستم یہ ہے کہ شبِ ماہتاب باقی ہے
وہ ایک ہم ہیں کہ بھولے نہ تم کو بعدِ فنا وہ ایک تم ہو ابھی تک عتاب باقی ہے

جوشؔ

پنڈت ہری ہر ناتھ۔ باشندہ الہ آباد تلمیذ جناب سکھ دیو پرشاد بسمل الہ آبادی

زندگی اس شکل سے گزری دلِ ناشاد کی چلتے پھرتے، بیٹھتے اُٹھتے تمھاری یاد کی
ہوتا ہے تھم تھم کے میری سخت جانی کا اثر حلق پر رک رک کے چلتی ہے چھری صیاد کی

دلِ وحشی ٹھہرنے بھی نہیں دیتا کہیں ہم کو
جو بھولے سے بھی یاد آتا ہے وہ محفل نشیں ہم کو
وہ کس انداز سے کہتے ہیں اظہارِ محبت پر
خدا کے واسطے رُسوا نہ کر دینا کہیں ہم کو

صنم خانے میں جا کر میں خدا کو یاد کرتا ہوں
نظر آتا ہے ہر صورت سے مجکو جلوہ قدرت کا

جوہر

برھم پرکاش (راقم الحروف) ولد لالہ کشوری لال، قوم ویش اگروال۔ وطن خاص دیوبند ضلع سہارنپور، شاگرد و جانشین بابو شمبھو دیال کھٹنا گر سرشار سہارنپوری ولادت ۲ اکتوبر ۱۹۱۲ء۔ تعلیم ہائی اسکول تک۔ بزرگوں کا پیشہ زمینداری، تجارت اور روپیہ کا لین دین تھا۔ ۱۹۳۴ء میں بسلسلہ کاروبار سہارنپور آنا ہُوا۔ اور یہ آنا ایسا ہوا کہ یہیں کا ہو کر رہ گیا اور یہیں باقاعدہ طور پر میری شاعری کا آغاز ہُوا دو شعری مجموعے بعنوان "جوہرِ سخن" اور "نقشِ معتبر" ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۷ء میں شائع ہو جانے کے بعد ایک تحقیقی تذکرہ موسوم "موجِ گنگ" مارچ ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔ سہارنپور کی "بزمِ ادب" اور "بزمِ شعور" کا صدر رہ چکا ہوں۔

قطعات

ہر ایک مردِ میداں رستم کو جانتا ہے
ہر اک سخی جہاں کا حاتم کو جانتا ہے
روزِ ازل سے ہم کو وابستگی ہے تجھ سے
جو تجکو جانتا ہے وہ ہم کو جانتا ہے

لاپتا موجوں میں ساحل ہو گیا
ناخدا منزل سے غافل ہو گیا
وہ تلاطم آنکھ کی گنگا میں ہے
پاؤں کا جمنا بھی مشکل ہو گیا

تشنگی بے حساب ہو جاتی
زندگانی عذاب ہو جاتی
زاہدوں کو دُعائیں دو رندو
ورنہ عنقا شراب ہو جاتی

حُسن کو بے نقاب دیکھا ہے
عشق کو کامیاب دیکھا ہے
سر بہ سجدہ ہر اک تمنا تھی
ہم نے اپنا شباب دیکھا ہے

کب خوشامد اور خوشنودی میں یہ آتا ہے دل
اپنی خودداری پہ ہر دم ناز فرماتا ہے دل
ہر کسی کی بے سبب مجھ سے مدح ہوتی نہیں
میں وہی کہتا ہوں جو کچھ مجھ سے کہلاتا ہے دل

مست ہے وہ حُسن پر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
آئینہ پر ہے نظر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
آپ نے روئے منور سے اُلٹ دی کیا نقاب
زرد ہیں شمس و قمر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
اضطرابِ دل کا عالم ہے وہی بعدِ فنا
ہے لحد زیر و زبر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
چاک دامن، خاک بر سر، پا برہنہ، دل فگار
پھر رہا ہوں در بدر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
کم ستاروں سے نہیں یہ آپ کے نقشِ قدم
کہکشاں ہے رہ گزر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
مار ڈالے گی مجھے دوڑا کے یہ عمرِ رواں
ہوں میں سرگرمِ سفر، آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

محراب کعبہ سے ترے ابرو کا خم — جھک رہے ہیں سر پہ سر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
بزم ناز میں ہے نغمہ زن ساز طرب — ہے یہاں سوز جگر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی
جائے نوح کا طوفان اے جوہر کہیں — جوش پر ہے چشم تر آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی

پہ جو ہے یہ چاند آدھا، چمن میں رنگ گلاب آدھا
انھوں نے روئے حسیں سے اکدن الٹ دیا تھا نقاب آدھا

سے بس ہوش اڑ گئے ہیں ابھی سے نظریں ہوئی ہیں خیرہ
ابھی تو الٹا ہے اس نے رخ سے حجاب ہوئی نقاب آدھا

ر گھبراؤ اہل محشر، کثیر اتنے ہیں میرے عصیاں
سحر سے لیکے وہ شام تک بھی نہ کر سکے گا حساب آدھا

ب اٹھو رندان تشنہ کامو، یہ میکدہ کا نظام بدلو
کسی پہ خم کی نوازشیں ہیں کسی کو جام شراب آدھا

رے نالے ہیں اک حقیقت یہ صور محشر ہے اک فسانہ
وہ جس کو خورشید حشر کہیئے، ہے داغ دل کا جواب آدھا

کی میرے وہ ہائے گلیاں وہ خوش جمالوں کی جلوہ گاہیں
جہاں گذارا ہے میں نے جوہر تمام بچپن شباب آدھا

نظم "کرشن کنہیا" دو بند

شراب آگہی سے پُر ہے میخانہ کنہیا کا ۔ بلا تفریق گردش میں ہے پیمانہ کن
عیاں عالم پہ ہے طرزِ کریمانہ کنہیا کا ۔ برائے اہلِ حاجت وا ہے کاشانہ ک
مکانِ بے نوا ہے قصرِ شاہانہ کنہیا کا

چلے آؤ رخِ گیتا کے پروانو چلے آؤ ۔ چلے آؤ درِ یزداں کے مستانو چلے
چلے آؤ یگانو اور بیگانو چلے آؤ ۔ چلے آؤ مئے وحدت کے دیوانو چلے
ازل سے صرفِ مے پاشی ہے میخانہ کنہیا کا

نظم "برسات" تین بند

ہر روش مخمور ہے فصلِ چمن پُرجوش ہے ۔ بزمِ عالم محو ہے بادِ صبا مے نوش
مست ہے گل ہر شگوفہ جام در آغوش ہے ۔ ہر فضا سرشار ہے بادل سبو بردوش
واہ کیا معجز نما موسم ہے یہ برسات کا
دن پہ ہوتا ہے گماں کالی گھٹا سے رات کا

ایک دیوی حُسن کی ہے زینتِ صحنِ چمن ۔ شوخیاں ایماں شکن جس کی نظر
جسکے رنگیں لب ہیں رشکِ یاسمین و نسترن ۔ حُسنِ یوسف ایک جس کے نور کی ہلکی
اُف رے یہ جوشِ جوانی اور جھولا جھولنا
حُسن کی شعلہ فشانی اور جھولا جھولنا

گئیں زلفیں فضائے تر میں لہراتی ہوئی — پینگ لینے میں مسلسل بل پہ بل کھاتی ہوئی
ڑیاں ہندی بچے ہاتھوں میں کھنکھاتی ہوئی — جھولتی ہے کائنات روح پر چھاتی ہوئی

یہ جنوں پرور نظارہ یہ ادائے دل نشیں
زہر کھلوائے گا جوہر اہل دل کو بالیقیں

نعت کے چند شعر

سجی بزم یزداں برائے محمد — سر عرش اعظم جو آئے محمد
یہ خورشید کیا ہے یہ مہتاب کیا ہے — فقط ہیں نشانات پائے محمد
لرزنے لگی کفر و باطل کی دنیا — فضا میں جو گونجی صدائے محمد
کھُلے تھے جہاں راز ہائے مشیت — یہی ہے وہ غار حرائے محمد

رقم ہو چکے وصف قرآں میں جوہر
بشر کیا کرے گا ثنائے محمد

جوہر

چندر پرکاش شرما خلف رام چندر شرما ہیڈ ماسٹر باشندہ بجنور (یو۔پی) ولادت ۱۹۲۱ء، شاگرد جناب محمد یسین تسکین قریشی موردنوی و جناب اظہار حسین اظہار رامپوری۔ ۱۹۴۲ء میں آپ نے اُردو اور ہندی مضامین میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اسکے بعد ملازمت کا پیشہ اختیار کیا۔ ریٹائر ہونے کے بعد اب الہ آباد میں مقیم ہیں۔

رُباعیات

آغاز سے انجام بنا سکتا ہوں — بگڑا ہُوا ہر کام بنا سکتا ہوں
مل جائے اگر ساقیِ محفل سے نظر — اک جام کے سو جام بنا سکتا ہوں

ہر گام پہ گر گر کے سنبھلنا سیکھو — ہر منزلِ دشوار پہ چلنا سیکھو
طوفان سے دامن کو بچانے والو — طوفان کے آغوش میں پلنا سیکھو

بگڑے ہوئے حالات میں جی سکتا ہوں — ہر دامنِ صد چاک کو سی سکتا ہوں
ایمان کی توقیر بچانے کیلئے — میں ساغرِ زہراب بھی پی سکتا ہوں

حضورِ دوست اظہارِ بیاں کا کیا بھروسا ہے — نظر سے حالِ دل کہدے زباں کا کیا
ادھر یہ چند تنکے اور اُدھر وہ برق کی یورش — گلستاں میں ہمارے آشیاں کا کیا
نکل آتے ہیں جب آنسو تو پھر روکے نہیں رُکتے — فغاں کے بعد پھر ضبطِ فغاں کا کیا
بہاروں پر نہ اتنا ناز فرماؤ چمن والو — خزاں ہر وقت ممکن ہے خزاں کا کیا
خود اپنے عزم کو رہبر بناؤ قافلے والو — ہر منزل امیرِ کارواں کا کیا

فغاں اور ضبط کا دعویٰ غلط ہے عشق میں جوہرؔ
فغاں توہین ہے غم کی فغاں کا کیا بھروسا ہے

میں تیرگی سے گذرتا ہوں روشنی کی طرح
مجھے شعور ہے جینے کا آدمی کی طرح

یہی ادا تھی، یہی ناز تھا، یہی شوخی
اک اور شخص بھی دیکھا تھا آپ ہی کی طرح

وہ مجھ سے محوِ تکلم ہیں، میں ان سے سرگرمِ سخن
میں زندگی سے مخاطب ہوں زندگی کی طرح

خطا معاف، یہ ملنا بھی کوئی ملنا ہے
تم اپنے ہو کے بھی ملتے ہو اجنبی کی طرح

ترا جمال ہے آئینہ دارِ ذات و صفات
ترا خیال ہے سورج کی روشنی کی طرح

بدن مہک اٹھے خوشبوئے یار سے جوہر
اگر حیات ہو پھولوں کی تازگی کی طرح

چرخ

الیسر داس کپور خلف ملک دیال مل کپور۔ باشندہ چنیوٹ ضلع جھنگ (پاکستان)
ولادت ۱۹۱۹ء۔ تقسیم وطن کے بعد آپ دہلی میں آباد ہو کر کاروبار میں مصروف ہیں
آپ ہائی اسکول اور فارسی آنرز کے امتحانات پاس کئے ہوئے ہیں۔ آپ کے
دو شعری مجموعے بعنوان "حسنِ نظر" اور "حسنِ ادب" شائع ہو چکے ہیں۔ آپ
شاعرِ رومان کے لقب سے مشہور ہیں۔

قطعات

تنہا زینے پہ حسن کا ملنا
کتنا رومان خیز ہوتا ہے

نظریں جھکتی ہیں پاؤں رکتے ہیں
ہر نفس تیز تیز ہوتا ہے

حسن یوں مسکرا کے چلتا ہے
کیف و مستی لٹا کے چلتا ہے

جیسے بادِ نسیم کا جھونکا
سارے گلشن پہ چھا کے چلتا ہے

عمر بھر کے گناہ دُھلتے ہیں
اسکی رحمت کے دیکھ کر انداز
ایک جام شراب پینے سے
شیخ پینے لگا قرینے سے

ہے یہ بیری تمھارے غم کے طفیل
تم جو چاہو تو پھر سے لوٹ آئیں
تم مصنف ہو اس کہانی کے
دن اُمنگوں بھری جوانی کے

نیک کاموں سے نیک جذبوں سے
ہے یہ گیتا کا نور جس سے چرخ
ہر کلی زندگی کی کھلتی ہے
موت کو بھی حیات ملتی ہے

اتفاقاً راہ میں وہ مل گئے
دل تو دل رگ رگ کی باچھیں کھل اٹھیں
پیار کی کشتی رہی منجدھار میں
جب اُٹھی ان کی نگاہِ کفر خیز
پوچھنے آئے ہیں وہ تیرا مزاج

پیار کے غنچے اچانک کھل گئے
پھول سے چہرے جہاں بھی مل گئے
کتنے ہی دھارے سوئے ساحل گئے
پارساؤں کے بھی ایماں ہل گئے
ہونٹ کیوں اے چرخ تیرے سل گئے

یوں رُخِ زرد چمک اُٹھتا ہے آنے پر ترے
اپنے ہاتھوں کے بنے لوگ جو ہو جائیں خلاف
جیسے ہولی میں کوئی مَل کے گلال آتا ہے
ان کے اخلاق پہ اے چرخ ملال آتا ہے

نظم "پنہارن" چند شعر

مسکراتا ہوا اندر کا اکھاڑا جاگا
آنکھیں ملتا ہوا ماحول دُلارا جاگا

لیکے گاگر چلی پنہاریاں پانی بھرنے
خواب آلودہ نگاہوں کو شرابی کرنے

نظر آتی تھی جوانی ہی جوانی ہر سو
گدگداتی تھی نگاہوں کی روانی ہر سو

ذرہ ذرہ سے محبت کا پیام آنے لگا
تشنگی جس کو ترستی تھی وہ جام آنے لگا

چندنؔ

اُتم چند ولد چودھری رام چند گو گیا۔ ولادت ۱۹۱۴ء۔ جائے پیدائش تحصیل شجاع آباد ضلع ملتان (پاکستان) پیشہ زمینداری۔

۱۹۳۶ء میں والد کے انتقال کے بعد گھر کی تمام ذمہ داری آپ پر آپڑی ۱۹۴۷ء میں تقسیم وطن کا سانحہ پیش آیا۔ گھر بار لٹا کر اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد ٹونک (راجستھان) میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ اس وقت آپ وہاں ایک بہت بڑے کاروبار کے مالک ہیں۔ آپ کی پانچ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ آپ خود کو چندن بھارتی لکھتے ہیں۔

دینا پڑے گا ایک دن ان کو حساب بھی
لاشوں پہ آج محل جو چنوا رہے ہیں لوگ

لازمی ہر کام میں ہمت ہے، انساں کے لئے
منزلیں مشکل ہیں جتنی اتنی ہی آسان ہیں

جلوہ نما جو دیر میں ہے وہ حرم میں ہے
کعبہ میں بھی وہی ہے خدا جو صنم میں ہے

تیرے سادہ کلام میں چندنؔ
حالِ دل بھی ہے شاعری بھی ہے

دین و دنیا کو اے چندنؔ جل کرہی چمکانا ہوگا

نمونۂ نظم

بڑی مشکل سے طوفانِ غم و حرماں سے نکلے ہیں
کہ ہم آزاد ہو کر خانۂ زنداں سے نکلے ہیں

وطن کو کس لیے سمجھیں نہ اب اہلِ وطن اپنا
گُل اپنے شاخِ تر اپنی بہار اپنی چمن اپنا
بگاڑے گا نئے بھارت میں کیا چرخِ کہن اپنا
کہ ہم با عزم و ہمّت گردشِ دوراں سے نکلے ہیں

نمونۂ نظم

محبت کا جہاں ہے خطۂ ارضِ وطن اپنا
بہارِ بے خزاں ہے گلشنِ سرو سمن اپنا
حیات افروز بہتا ہے ندی یا یاس گا دھارا
اسی سے سرزمیں تو ٹنک ہے جنّت کا نظّارا
یہ مردم خیز خطّہ ہے ادب کا ہے یہ گہوارا
یہاں کا ذرّہ ذرّہ کیوں نہ ہو لعلِ یمن اپنا

حامی

ماسٹر داس تیواڑی ولد شری رام نرائن تیواڑی، باشندہ کیتھل (ہریانہ) ولادت ۱۹۱۰ء۔ آپ نے ایف۔اے تک تعلیم حاصل کی اور ضلعداری اور ایونیو کلرک کے عہدوں پر مامور رہے۔ آخری ایام میں دماغی توازن خراب ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۰ء میں راہئ ملک بقا ہوئے۔

جو کوئی مانگے دوائے دردِ دل — وہ نہیں ہے مبتلائے دردِ دل
کس سے کیجئے ماجرائے دردِ دل — کون سنتا ہے صدائے دردِ دل
دردِ دل کیا دیکھنے کی چیز ہے — کس طرح کوئی دکھائے دردِ دل
تربتِ حامی سے آتی ہے صدا — بعد مردن بھی نہ جائے دردِ دل

میں جل رہا ہوں سوزِ تپِ غم عیاں نہیں — یارب یہ کیسی آگ ہے جسمیں دھواں نہیں
ہر دم رواں ہے عمرِ گریزاں کا قافلہ — لیکن کہیں بھی نقشِ قدم کا نشاں نہیں
کیوں ایسا کھو گیا ہوں صنم تیری راہ میں — مجکو خبر نہیں کہ کہاں ہوں کہاں نہیں

ہندو قوم سے خطاب

اے حامیانِ قوم وہ ہمت کہاں گئی — اے رہبرانِ قوم وہ جدت کہاں گئی
اے مشفقانِ قوم وہ اُلفت کہاں گئی — اے قادرانِ قوم وہ قدرت کہاں گئی

ہے نیند میں یہ قوم جگا دو ذرا اسے
جو سیدھا راستہ ہو بتا دو ذرا اسے

یہ قوم وہ ہے پیچھے جو ہٹتی ذرا نہ تھی — ہر قوم سے جہان میں آگے روا نہ تھی
یہ قوم بزدلوں کیلئے تازیانہ تھی — وہ کونسا کمال تھا جسمیں ہوا نہ تھی

اس کا ہر اک جوان نڈر تھا دلیر تھا
اس کا ہر اک جوان بہادر تھا شیر تھا

حسرت

پنڈت گوکل چند شوری خلف پنڈت دوار کاناتھ شوری باشندہ انبالہ ولادت ۱۹۰۸ء، شاگرد پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی۔

آپ بچپن میں ہی دہلی آ گئے تھے اور یہیں دہلی یونیورسٹی سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔ کچھ عرصہ وکالت کرنے کے بعد سی۔ بی۔ ڈبلو۔ ڈی۔ میں ملازم ہو گئے۔ اور ۱۹۶۸ء میں بحیثیت سپرنٹنڈنٹ ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۷۷ء میں آپ کا دیوان بعنوان "تلاش" شائع ہو چکا ہے۔ آپ اسوقت دہلی میں آباد ہیں۔

قطعہ

اے چرخ ختم ہو گا ترا انقلاب کب — پھر ہو گا بزم عیش میں دورِ شراب کب
حسرت نہ مضطرب ہو بھلے دن بھی آئیں گے — یکساں رہا ہے رنگِ جہانِ خراب کب

تیر نظروں کے چلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو — موت کو چال سکھاتے ہو یہ کیا کرتے ہو
رُخ پہ آنچل کو گراتے ہو یہ کیا کرتے ہو — چاند بدلی میں چھپاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

اپنے دل سے تو ہمیں تم نے بھلا رکھا ہے
پھر ہمیں یاد کبھی آتے ہو یہ کیا کرتے ہو
جام دیتے ہوئے کیوں غیر کی دیتے ہو قسم
زہر کے گھونٹ پلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو
دلِ حسرتؔ میں جلا کر غمِ ہجراں کا چراغ
مثلِ پروانہ جلاتے ہو یہ کیا کرتے ہو

آتشِ غم اور اشکوں کی جھڑی
کھیل ہے کیا آگ پانی کا یہی
غم غلط کرنے کو کیا پیتے شراب
غم ہی جب ٹھہرا مذاقِ زندگی
ڈھونڈتا ہے کامیابی میں شکست
کام کرتا ہے دلِ ناکام بھی
کس کو دے یہ زندگی اپنا حساب
زندگی خود ہے حسابِ زندگی
اختیاروں کی عنایت کیلئے
ہم ہیں حسرتؔ اور ہماری بے بسی

ہر اک چوٹ دل کی چھپاتے رہے
ستم کو مگر آزماتے رہے
چراغِ تمنا تھا اک مشغلہ
جلاتے رہے اور بجھاتے رہے
چھلکتے رہے جامِ خونِ جگر
لہو چشمِ تر سے بہاتے رہے
بھٹکتے رہے کاروانِ حیات
مقدر کے در کھٹکھٹاتے رہے
نہ کیوں ان پہ حسرتؔ ہمیں ناز ہو
مصیبت میں جو کام آتے رہے

ضبطِ محبت کے بلہاری
دل کی دھڑکن دل پہ بھاری

جیون کے سوکھے پنگھٹ پر نین نیر بھرے پنہاری
محفلِ دل اور سازِ محبت گیت تمھارے طرز ہماری
صورت ہو اک دل میں ایسی دل کو پیاری جان سے پیاری
آؤ کھیلیں بازیِ اُلفت شرط تمھاری جان ہماری
جیت کو حسرت ہار سمجھ کر جیتی بازی ہم نے ہاری

خمار

پنڈت موہن ناتھ زتشی کشمیری خلف پنڈت تربھون ناتھ زتشی زارؔ۔ باشندہ دہلی۔ ولادت ۱۹۱۴ء۔ شاگرد جناب سراج الدین سائلؔ دہلوی۔

آپ نے دہلی کمرشیل کالج دریا گنج سے آئی، اے، کوم کی ڈگری حاصل کی اور سنٹرل سیکریٹریٹ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۷۲ء میں بحیثیت انڈر سیکریٹری منسٹری آف ورکس اینڈ ہاؤسنگ دہلی میں ملازم رہنے کے بعد ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کا دیوان موسوم "خلش" ۱۹۷۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔

طوقِ در زنجیر میں یا سمتِ بیاباں گذرے دیکھئے اب کے برس کیسے بہاراں گذرے
نیم بسمل یہ شب و روز دعا کرتے ہیں سوئے مقتل کبھی پھر قاتلِ دوراں گذرے
دفعتاً یوں نہ اُٹھا چہرۂ انور سے نقاب کہ تری دید سے بھی دیدۂ حیراں گذرے
ہوس شبنم پہ پڑے آتشِ گل یخ ہو جائے سوئے گلشن جو ترا سوختہ ساماں گذرے
خود ہی باعث ہے یہ جو آشفتہ مزاجی کا مری بار کیوں ان پہ مرا حالِ پریشاں گذرے

جامہ زیبی میں شمار اہلِ جنوں کرتے ہیں — حدِ دستور سے جب طولِ گریباں گذرے
عشق کی شعبدہ بازی ہے کہ تکمیلِ جنوں — اپنی صورت پہ خیالِ رخِ جاناں گذرے
کوچہ گردی میں رہا حسن کے ناموس کا پاس — صورتِ بادِ صبا گذرے تو پنہاں گذرے
نکلے درماں کی کوئی ایسی ہی صورت شاید — درد اتنا تو بڑھے از حدِ درماں گذرے
نہ وہ خود آئے نہ نیند آئی نہ موت آئی ہے — کوئی بتلائے کہ کیسے شبِ ہجراں گذرے
خارؔ ہر غم کو مبدّل بہ غمِ دوست کیا — تنگنائے غمِ ہستی سے غزل خواں گذرے

خموش

پنڈت گوبند داس خلف پنڈت ہیم راج ۔ ولادت سنہ ۱۹۲۱ء شاگرد جناب سیماب اکبر آبادی۔ آپ کا وطن ہنڑی کوہاٹ صوبہ سرحد ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ بھارت چلے آئے ۔ اور فرید آباد (ہریانہ) میں مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ آپ نے ہائی اسکول تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کے والد ہندی سنسکرت اور فارسی زبانوں کے عالم تھے لہٰذا ہندی سنسکرت اور فارسی کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ آپ نے جنگِ آزادی میں بھی نمایاں حصّہ لیا ہے۔

رباعیات

اوہام کا انساں ہے نشانہ اب بھی — ہر بات کا بنتا ہے فسانہ اب بھی
سرمد کا نہیں وقت نہ منصور کا ہے — ہے شیخ و برہمن کا زمانہ اب بھی

تخریبِ مسلسل کی تباہی توبہ
یہ سلسلۂ لاانتہا ہی توبہ
آدمی اور نمائندۂ شیطاں ہو جا
آدمیت کا یہ اندازِ الٰہی توبہ

گھنگھور گھٹائیں ہیں سرِ میخانہ
ساون کی فضائیں ہیں سرِ میخانہ
جوبن پہ ہے اب ساقیِ دوراں کا مزاج
رندوں کی دعائیں ہیں سرِ میخانہ

قطعات

زلف بردوش رودِ گنگا میں
نیم عریاں کوئی جوانی ہے
جیسے ساون میں صبحِ پیشاور
ہمسرِ شامِ قصہ خوانی ہے

زندگی کی ثبات ممکن ہے
غیر فانی حیات ممکن ہے
کوئی رازِ دوام اگر پالے
موت سے بھی نجات ممکن ہے

یہ بہار کی گھٹا ہے یہ بہار کا زمانہ
کہ ہے رقص بجلیوں کا سرِ شاخِ آشیانہ
ترے میکدہ میں ساقی جسے زندگی ملی ہے
اسے دیر سے تعلق نہ حرم سے دوستانہ
ذرا اے خروشِ کوئی شبِ غم دراز کردے
کہ ہے میکدہ میں باقی ابھی تک مئے شبانہ

سوزِ محبت کیفِ جنوں میں آنکھ سے آنسو بوئے
موتی موتی سیپ سے نکلے ہم نے ہار پروئے

گلی گلی بنجارا گھومے ہاتھ لئے اک تارا
گیت بکھیرے ہنسی لٹائے، لمبی تان کے سوئے
میر خموش قلندر دونوں منزل منزل راہی ہیں
منگتا جوگی، بہتا پانی ٹھہرے گدلا ہوئے

خوشتر

رائے بشن سنگھ رئیس دلدر رائے جگومل عرف فتح سنگھ قوم کھتری، باشندہ حیدرآباد دکن، شاگرد مولانا زیرک تنوجی۔ ولادت ۱۹۰۱ء آپ کے بزرگوں کا وطن پنجاب تھا آپ کے بزرگ پنجاب چھوڑ کر حیدر آباد سندھ میں آباد ہو گئے تھے۔ بعد ازاں یہ خاندان حیدر آباد دکن منتقل ہو گیا۔ آپ کی تصنیفات ہیں عروض خوشتر، کھتری شاعروں کا تذکرہ مکاتیبات عشق۔ خمخانۂ خوشتر، سہرہ ناول وغیرہ ہیں۔

یہ ابروئے پُرخم کے کیسے اشارے
تواضع سر بزم دشمن میں کیسی
خیالِ تبسم ہے کیوں میرے دل میں
یہ بجلی چھُپی آج خرمن میں کیسی
بکھرنا یہ زلفوں کا عارض پہ دیکھو
گھٹا چھا گئی صحنِ گلشن میں کیسی

اثر دکھلایا مقتل میں یہ جذبِ قتلِ بسمل نے
بنا ہے جوہرِ شمشیر قاتل خونِ بسمل سے
وہ رندِ زندہ دل ہوں مر کے میخانہ نہ چھوڑوں گا
بنے گا بعد مردن دیکھنا ساغر مری گِل سے

نظم پروانہ

اے خریدارِ فروغِ حسن اے سینہ فگار
اے نشانِ شمع اے تفتہ دل وقفِ شرار
حال یوں بے حال کیوں اپنا بنا لیتا ہے تو
شمع کے سر چڑھ کے کیا معراج پا لیتا ہے تو

تیرے دم سے ہے ہویدا عشق کا نام و نمود
باعثِ تشہیرِ شمعِ حسن ہے تیرا وجود

دہر میں ایثار تیرے غور سے دیکھے کوئی
شمع کی خاطر بجھا لیتا ہے شمعِ زندگی

تاریخِ شاگردی

سخن سنجیاں کچھ تو ہو جائیں حاصل
رہیں گے یونہی آپ بے فیض کب تک

انھیں آج استاد اپنا بنا لو
جہاں جنکو کہتا ہے استاد زیرک

کہا میں نے یوں مصرعِ سالِ خوشتر
بشن سنگھ ادب یاب تلمیذ زیرک

درد

ڈاکٹر جگدیش مہتہ، ولادت ۱۹۱۸ء، شاگرد جناب شیشور پرشاد منورؔ لکھنوی، آپ کا آبائی وطن سا ہووالا ضلع سیالکوٹ (پاکستان) ہے۔ تقسیم ملک کے بعد آپ دہلی میں آکر آباد ہو گئے۔ آپ ماہنامہ رسالہ "حقیقت بیانی" دہلی کے سرپرست اور بہت سی کتب کے مصنف ہیں۔ کچھ عرصہ سے کنیڈا میں بود و باش اختیار کئے ہوئے ہیں

بڑا دشوار ہوتا ہے دلِ سرکش کو سمجھانا
نکل جانا گرفتِ عشق سے آساں نہیں ہوتا

کبھی حسرت کبھی الفت کبھی حیرت کبھی راحت
زمانہ میں کبھی تنہا کوئی انساں نہیں ہوتا

تری نظروں میں ہے کوئی امیرِ مجلسِ دوراں
بشر ایسا بھی جو آلودۂ عصیاں نہیں ہوتا

بہت گذرے مری نظروں سے دل والے مگر اے دردؔ
کوئی تیری طرح تو بے سر و ساماں نہیں ہوتا

صاف گو، صاف دل نہیں پائے
لوگ سب مارِ آستیں پائے

شہر آمادۂ فسادو عناد — چین کیا آدمی کہیں پائے
نعرۂ حق جہاں بلند ہوا — خونچکاں حادثے وہیں پائے
تن کے اُجلے قدم قدم دیکھے — من کے اُجلے کہیں نہیں پائے
درد سمجھے تھے سنگدل جن کو — چارہ سازِ دلِ حزیں پائے

فسانہ غم کا جب تحریر ہوگا — ہر اک جملہ تری تحریر ہوگا
مجھے بھی ایک لمحہ بے خودی کا — بھلا تیرا بُتِ بے پیر ہوگا
رہا پابند جو عہدِ وفا کا — تری محفل میں وہ دلگیر ہوگا
نہ گھبرا نالۂ قلبِ تپیدہ — کسی دن صاحبِ تاثیر ہوگا
کوئی ترکیب کام آتی نہیں ہے — یہ غم شاید مری تقدیر ہوگا

بے سکون پریشاں تمام شہر پھرے — ملا نہ درد کا درماں تمام شہر پھرے
ہزار ناز تھا اہلِ خلوص کو جن پر — کہاں گئے وہ انساں تمام شہر پھرے

درد

نوہریارام ولد لالہ دینا ناتھ قوم کھتری ساکن نکودر ضلع جالندھر، ولادت ۱۹۱۶ء شاگرد جناب لبھورام جوش ملسیانی۔
آپ کی تعلیم بی۔ اے تک ہے۔ آپ اخبار نریش لاہور کے ایڈیٹر رہنے کے

روزانہ اخبار "ہند سماچار" جالندھر کے ایڈیٹر مقرر ہو گئے تھے۔ قریب تین سال
آپ شام کو دفتر سے گھر کے لئے روانہ ہوئے تھے، مگر آج تک کوئی پتا نہیں مل
کہ کہاں گم ہو گئے۔

رازِ ہستی

نگاہِ آشنا سے جانچ لے دنیا کی لب
فنا کا جام پی کر دیکھ لے اسرارِ ہستی کو
بھلا دے بے کسی کو مفلسی کو تنگد
نہ ہو نازاں بلندی پر نہ رو اندوہ دستی کو

یہ دُنیا اک طلسم دلفریب چشمِ انساں ہے
یہاں کے نفع میں بھی غور سے دیکھا تو نقصاں ہے

کہاں ہیں وہ تماشا گاہِ عالم کے تما
کہاں ہے وہ حسینانِ جہاں آرا کی رعنائی
بس اک خوابِ گراں باقی ہے یا ہے د
کہاں ہے وہ جوانانِ چمن آرا کی زیبائی

زمیں نے کھا لئے ہیں مہ جبیں کیسے حسیں کیسے
ہوئے فرشِ زمیں آخر مکاں کیسے مکیں کیسے

جب سے مرا مزاج حقیقت طلب ہوا
اپنی ہی شکل پر مجھے دھوکا خدا کا ہوا
پروانے بن کے مجھ سے لپٹتے ہیں چارہ گر
شاید سمجھ رہے ہیں چراغِ سحر مجھے
مریضِ محبت چراغِ سحر ہے
دعا کر رہے ہیں دعا کرنے والے

درشنؔ

سردار درشن سنگھ ڈوگل خلف سردار سنت کرپال سنگھ مہاراج، باشندہ راولپنڈی، ولادت ۱۹۲۱ء، شاگرد صوفی غلام مصطفیٰ تبسمؔ و شمیمؔ کرہانی۔ آپ کی تعلیم بی۔اے تک ہے۔ تقسیم وطن کے بعد آپ دہلی میں آباد ہوئے، اور بحیثیت ڈپٹی سیکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۳۸ء سے شاعری کے میدان میں ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے بعنوان "تلاشِ نور" اور "منزلِ نور" شائع ہو چکے ہیں

عشق شبنم نہیں شرارا ہے
راز یہ مجھ پہ آشکارا ہے

اک کرم کی نگاہ کر دیجے
عمر بھر کا ستم گوارا ہے

رقص میں ہیں جو ساغر و مینا
کس کی نظروں کا یہ اشارا ہے

ایسی منزل پہ آ گیا ہوں دوست
تیرے غم کا فقط سہارا ہے

لوٹ آئے ہیں یار کے در سے
وقت نے جب ہمیں پکارا ہے

دل نہ ٹوٹے تو ذرّۂ ناچیز
کیمیا ہے جو پارا پارا ہے

جام رنگیں میں ان کا عکسِ جمال
یا شفق میں کوئی ستارا ہے

ناؤ ٹکرا چکی ہے طوفاں سے
اپنا مرشد ہی اب سہارا ہے

عشق کرنا ہے مات کھا جانا
اسمیں جیتا ہوا بھی ہارا ہے

اپنے درشنؔ پہ اک نگاہِ کرم
کہ غمِ زندگی کا مارا ہے

ذکر

ذکر راؤ ایڈوکیٹ ولد شری دیش مکھ باشندہ ہوسور تعلقہ نلنگہ ضلع عثمان آباد (حیدر آباد) دکن۔ ولادت ۱۹۰۷ء۔

آپ نے جناب روحی قادری اور عبد الکریم کے فنی مشوروں سے استفادہ کیا۔ آپ کا دیوان موسوم "انوار سحر" ۱۹۷۷ء میں شایع ہو چکا ہے۔

عیسیٰ مسیح

السلام اے پاسبانِ حق مسیح دو جہاں
السلام اے کاروانِ عشق کے روحِ رواں
ہر طرف چھایا ہوا تھا کفر و ظلمت کا نشاں
تیرے روئے پاک سے روشن ہوا سارا جہاں
وقت کی دیوار اسکو روک سکتی ہے کہاں
آج بھی حدِ نظر تک ہے مسیحی کارواں
ہو گئی نذرِ صلیبِ ظلم تیری زندگی
چار دن دُنیا میں آیا تھا تو بنکر میہماں
حق کی خاطر جان دینا حق پرستوں کا شعار
کہہ رہے ہیں آج تک ہم سے صلیبوں کے نشاں
آج تک قائم ہے دُنیا میں ترا طرزِ عمل
آج تک زندہ ہے دنیا میں ترا نام و نشاں
آج بھی اسرار تیرے کوئی پا سکتا نہیں
جز خدا بتر انہیں دنیا میں کوئی رازداں
نزع کے عالم میں جب آیا زباں پر یا مسیح
تونے ہی بخشی شفا ہوتا ہے مجکو یہ گماں
اس کے نقشِ پا ملیں تو پڑھ کے ذکر چوم لو
تاکہ ہو جائیں تمہاری راہ کے وہ پاسباں

دیوان

بیلا رام باشندہ دیوان پور نزد جتوئی ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) ولادت

۱۹۱۶ء۔ شاگرد جناب حسینی سرشار۔ پیشہ معلمی۔ آپ تقسیم وطن کے بعد ماہل پور ضلع ہوشیار پور (پنجاب) میں چودہ سال تک گورنمنٹ ملازمت میں رہے۔ وہاں سے ریٹائر ہوجانے کے بعد آپ گنور منڈی ضلع سونی پت (ہریانہ) میں مستقل طور پر آباد ہوگئے اور جنتا ہائی اسکول میں ملازمت اختیار کرلی۔ وہاں سے بھی کافی عرصہ ۱۹۸۱ء ریٹائر ہوچکے ہیں۔

یادِ ایام کہ ہم فہم و ذکار رکھتے تھے	دردِ دل، سوزِ دروں، بیم و رجا رکھتے تھے
شمعِ ایمان کی روشن تھی ہمارے دل میں	اپنے ہر کام میں ہم خوفِ خدا رکھتے تھے
ہجر میں تھی تری تصویر نگہدارِ حیات	رات دن ہم اسے سینہ سے لگا رکھتے تھے
داورِ حشر کو محشر میں یہ ہم دینگے جواب	کچھ نہ تھا پاس فقط نامِ خدا رکھتے تھے
لطف آجاتا جو دیوانؔ مقابل ہوتے	وہ جفا کیش تھے ہم ذوقِ جفا رکھتے تھے

تیری تعریفیں کبھی جلاد کرلیتا ہوں میں	گاہے گاہے شکوۂ بیداد کرلیتا ہوں میں
آہ میری سن کے وہ خفگی سے فرمانے لگے	کیا نئی طرزِ فغاں ایجاد کرلیتا ہوں میں
سیرِ دنیا سے مرا دل سیر ہوجاتا ہے جب	روح کو اس قید سے آزاد کرلیتا ہوں میں
تو جہاں میرے مقدر میں ہوا جلوہ فگن	اک نئی دنیا وہاں آباد کرلیتا ہوں میں
دل دفورِ غم میں ہوجاتا ہے جب تصویرِ غم	آہ کرلیتا ہوں میں فریاد کرلیتا ہوں میں
جس گھڑی دیوانؔ بڑھ جاتی ہے حد سے بے کلی	اس گھڑی اپنے خدا کو یاد کرلیتا ہوں میں

فرشِ راہ دیدہ و دل ہیں کہ وہ آئیں آئیں
دل میں جو آگ بھڑکتی ہے بجھائیں آئیں

منزلِ عشق میں، ہوگی نہ قدم کو لغزش
ایک کیا لاکھ بھی عاشق پہ بلائیں آئیں

جب مرے ساقی نے منہ کھول دیا مینا کا
کیوں نہ میخانہ سے حق حق کی صدائیں آئیں

مار ڈالے گا مجھے آہ نہ آنا ان کا
خونِ ناحق سے بچیں مجھ کو بچائیں آئیں

بند رکھنا ہے اسے شانِ کریمی کے خلاف
کھول دو بابِ اجابت کہ دعائیں آئیں

صدمۂ ہجر سے دیوان ہے جینا مشکل
اس مصیبت سے کسی طور چھڑائیں آئیں

ذاکر

کشمیری لال خلف شری گور داس رام، متوطن ضلع گجرات (پاکستان)
ولادت ۱۹۱۹ء۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ تقسیمِ ملک کے بعد کچھ عرصہ رہتک (ہریانہ) میں رہنے کے بعد چنڈی گڑھ میں آباد ہو گئے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں جو اردو ہندی میں شائع ہو چکی ہیں۔

قطعات

سخت جاں بھی ہیں اور نازک بھی
درد کے باوجود جیتے ہیں
زندگی زہر ہے مگر ہم لوگ
چھان کر گیسوؤں میں پیتے ہیں

آرزو کے دیئے جلانے سے
یہ اندھیرے تو کم نہیں ہوں گے
کب زمانہ میں غم نہیں تھے دوست
کب زمانہ میں غم نہیں ہوں گے

جن دنوں تم تھے مِرے ساتھ بڑی برکت تھی
ان دنوں وقت کا احساس بہت ہی کم تھا
قتل ہوتے ہوئے لمحوں کی بھری بستی میں
نہ کوئی آنکھ تھی پُرنم نہ کہیں ماتم تھا
دوست امداد بھی کرتے تو کہاں تک کرتے
ہر گھڑی جان کا خطرہ تھا بڑا جوکھم تھا
اب بھی اس شخص کی یادیں مجھے ڈس لیتی ہیں
جو کبھی برف کبھی آگ کبھی شبنم تھا

میں وہ چمن ہوں صبا نے جسے اُجاڑا ہے
خزاں کے ہاتھ سے یارو سنوار لو مجکو
پڑے ہی کرب میں احساس کی صلیبوں پر
تڑپ رہا ہوں میں کب سے اتار لو مجکو
میں ایسا پھول ہوں نظروں نے جسکو سینچا ہے
وفا کی دھوپ میں کچھ تو نکھار لو مجکو
کہیں یہ وقت کے سائے نہ جذب کرلیں مجھے
میں ایک عکس ہوں دل میں اتار لو مجکو

راحت

ادم کرشن خلف مہاراج کرشن وطن لدھیانہ، ولادت ۱۹۲۵ء۔ آپ نے بی، اے تک تعلیم حاصل کی۔ آپ ہریانہ بجلی بورڈ میں بطور آفس سپرنٹنڈنٹ فرائض انجام دینے کے بعد ریٹائر ہو کر فرید آباد میں سکونت اختیار کئے ہوئے ہیں۔ آپ کا شعری مجموعہ موسوم "شفق زار" اور افسانوں کا مجموعہ "ایک آنکھ والا بدن" شائع ہو چکے ہیں۔

رباعی

ذلت ہی تو ہے ناصیہ سائی کیا ہے
اس سے دلِ انساں پہ بن آئی کیا ہے
اللہ کو معلوم نہیں ہے شاید
پوچھیئے تو بتاؤں کہ خدائی کیا ہے

قطعہ

محفلِ خورد و نوش ختم ہوئی — یار آئے بھی اور چلے بھی گئے
پھر اکیلا ہوں سوچتا ہوں میں — رات باقی جو ہے وہ کیسے کٹے

یہ بے حسی ہے کہ دل بھی الم شناس نہیں — لہو کی بوند بھی پلکوں کے آس پاس نہیں
سوال یہ ہے کہ ماتم کدہ میں دُنیا کے — اُداس آپ نہیں ہیں کہ میں اُداس نہیں
اُتر رہا ہے تعصب بشر کی نس نس میں — علاج زہرِ ہلاہل ہمارے پاس نہیں
کفن تو ہوتا ہے ہر آدمی کی میّت پر — برہنہ زیست ہے موت بے لباس نہیں
بدل کے دیکھ لو آب و ہوائے مہر و وفا — مجھے بھی راس نہیں آپ کو بھی راس نہیں
بشرطِ زیست ہر اک باب سے گذرتا ہے — کہ اس صحیفۂ ہستی کا اقتباس نہیں
تمام دُنیا مجھے بدحواس لگتی ہے — تمھیں بتاؤ کہیں میں تو بدحواس نہیں
شعاعِ صبح کو جو تارِ زر سمجھتے ہیں — سحر پرست ہیں راحت سحر شناس نہیں

بپھریں گے بار بار یہ مذہب گزیدہ لوگ — ان پاگلوں کے ہاتھ میں خنجر نہ چھوڑیے
کیا جانیں کب تراش کے رکھدیں کوئی خدا — ان بت گروں کے شہر میں پتھر نہ چھوڑیے

قطرے قطرے کو ترستی ہے مری تشنہ لبی — اور تم اپنی جگہ خوش ہو سمندر ہو کر
طائرِ فکر بڑے زور سے بھرتا ہے اُڑان — پھر فضاؤں میں بکھر جاتا ہے پر پر ہو کر

فقط دو بول ہمدردی کے کہہ کر مول لے لیجئے
لو ہم نے دل کی قیمت اب نہایت واجبی کر دی

زبان وقت ہو جا تی ہے کی عادی ہے
یہ بات آج کے رہبر مگر نہ سمجھیں گے

جو کہنا چاہیئے اہلِ قلم نہیں کہتے
ستم تو یہ ہے ستم کو ستم نہیں کہتے

راز

دھنپت رائے نام پر خلف شری جے آر تھاپر۔ قوم کپور۔ جائے پیدائش لائلپور (پاکستان) ولادت سنہ ۱۹۲۰ء تلمیذ جناب سرشار سیلانی و ساحر ہوشیار پوری و بخشی اختر امرتسری۔ تقسیم ملک کے بعد آپ نے کچھ عرصہ بمبئی میں قیام کیا۔ اسکے بعد دہلی آکر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ آپ کا دیوان موسوم "آئینہ راز" سنہ ۱۹۸۱ء میں شائع ہو چکا۔

قطعات

اے ساقیِ میخانہ پلا دے مجھکو
اے دلبرِ مستانہ پلا دے مجھکو

تا حشر مجھے ہوش نہ آنے پائے
ایسا کوئی پیمانہ پلا دے مجھکو

اے بے عملو آؤ کوئی کام کریں
بے نام ہیں پیدا کوئی نام کریں

میخوار ہیں کہتے رہیں اہلِ جہاں
اس زیست کو ہم وقفِ مے و جام کریں

ہر آہ کی تاثیر بدل سکتا ہوں
حالات کی تصویر بدل سکتا ہوں

میں ہمتِ مرداں کا سہارا لیکر
تدبیر سے تقدیر بدل سکتا ہوں

شامِ فرقت بیٹھ کر کٹتی ہے میخانے کے پاس
یہ سکونِ قلب کا ساماں ہے دیوانے کے پاس

رنج ہے غم ہے مصیبت ہے بلا کا دور ہے
ایسی بستی بھی بسی ہے دل کے ویرانے کے پاس

بارہا اک جمگھٹا دیکھا ہے اسکے ارد گرد
اسلئے اہلِ خرد جاتے ہیں دیوانے کے پاس

دل شکستہ ہو گئے درباں کی صورت دیکھ کر
ہم بڑی مشکل سے پہنچے تھے صنم خانے کے پاس

کیا پتا تم کو بتائیں رازِ مست و خوار کا
یا وہ میخانہ میں ہوگا یا وہ میخانے کے پاس

رات بھر تڑپا کئے وقتِ سحر نیند آگئی
ہجر کے مارے کو قصہ مختصر نیند آگئی

شوقِ سجدہ کے نشے میں اسقدر سرشار تھا
آستانِ یار پر رکھتے ہی سر نیند آگئی

یاد میں جن کی میں پہروں جاگتا ہوں رات کو
خواب ان کے رات بھر آئے اگر نیند آگئی

ہاتھ میں جب مال و زر تھا جاگتے تھے رات بھر
ہاتھ سے جاتا رہا جب مال و زر نیند آگئی

رازِ برباد محبت کو کہاں آتی تھی نیند
بادۂ گلفام کے زیرِ اثر نیند آگئی

راز

سردار پورن سنگھ ولد سردار ساون سنگھ، ولادت ۱۹۲۰ء، جائے ولادت موضع جودھا نگر ضلع لائلپور (پاکستان) آپ نے منشی فاضل اور ایم۔ اے کے امتحانات پاس کئے اور درس و تدریس کا پیشہ اختیار کیا۔ آپ اُردو۔ فارسی۔ ہندی اور پنجابی زبانوں کے عالم ہیں اور ہر زبان میں شعر کہتے ہیں۔ اُردو اور فارسی شاعری میں آپ سنتوکھ شری کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ کے والد چونکہ اُردو، فارسی اور ہندی

کے عالِم تھے۔ لہٰذا ادبی ذوق آپ کو ورثہ میں ملا ہے۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنّف ہیں اور اُردو کے کئی اخباروں کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اس وقت آپ ماہنامہ "پاسبان" چنڈی گڈھ کے ادارے سے وابستہ ہیں اور چنڈی گڈھ میں ہی آباد ہیں۔

ہے دلفریب ہستی ان کی راگنی کی طرح بکھیرتے ہیں وہ نغمات بانسری کی طرح
مجھے عزیز ہیں جو اپنی زندگی کی طرح کبھی جو ملتے ہیں مجھ سے تو اجنبی کی طرح
بنے تو پھرتے ہیں انسان افضل و اعلیٰ مجال کیا ہے جو پیش آئیں آدمی کی طرح
شبِ سیاہ کے پُرہول غمکدہ میں کبھی نظر تو آتی ہے اک چیز روشنی کی طرح

تمام عمر کا ہر پل تری امانت ہے کیا ہے کیسے ترا ہم نے انتظار نہ پوچھ
نظر اُٹھا کے جو دیکھو گے جی اُٹھیں گے ہم نظر جھکائے ہوئے مرا حالِ زار نہ پوچھ

یہ بھی اس دورِ زبوں میں ہے غنیمت ہمدم ہم بجا لائے ہیں اپنے ہی پروبال سہی
رازؔ سے آپ ملاقات تو کر کے دیکھیں اسکے اقوال نہیں چھپتے تو افعال سہی

رازؔ

سردار جسونت سنگھ خلف ماسٹر سردار ہری سنگھ کوہلی۔ ولادت ۱۹۱۹ء۔ جائے پیدائش چونترہ ضلع راولپنڈی۔ ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ ڈی، اے، وی کالج راولپنڈی اور دیال سنگھ کالج لاہور میں زیرِ تعلیم رہے، اور

فارسی زبان میں ایم، اے کا امتحان امتیازی شان سے پاس کیا۔ آپ نظمیں زیادہ تر کہتے ہیں۔ نثر نگاری میں بھی اچھا دخل رکھتے ہیں۔ بہت سے اخبارات سے منسلک رہ چکے ہیں۔ شاعری میں کسی استاد سے وابستہ نہیں ہیں۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد یورپ کی ایک شام

مضمحل ہولینڈ ہے پولینڈ گھبرایا ہوا
سارے یورپ پر ہے گویا زلزلہ آیا ہوا

ناروے کی ہر گھڑی بے چین درنج آمیز ہے
ہر نظارہ کتنا عبرتناک و درد انگیز ہے

جام و مینا سرنگوں لندن کے میخانوں میں ہے
اک سکوت مرگ سا اسکے شبستانوں میں ہے

رقص گاہوں میں اب وہ جلوۂ جانانہ ہے
نہ ہجوم عاشقاں نہ لغزش مستانہ ہے

خوفزا تاریکیاں کوچہ بہ کوچہ کو بکو
شیطنت چھائی ہوئی معصومیت کے دوبدو

ہر طرف بکھرے ہوئے وحشت کے ساماں دیکھئے
بستیوں کی بستیاں آتش بداماں دیکھئے

دندناتے ٹینک جیسے آگ برساتے پہاڑ
راکٹیں بم کے دھماکے آتشیں گولوں کی باڑ

دور دورا کیوں نہ ہو تخریب کے شیطان کا
جب کہ خوں پینے لگے انسان ہی انسان کا

تہذیب نو کی بسنتی

"دوبند"

وہ غیروں کی باہوں میں باہیں تو دیکھو
وہ شملہ کی سڑکوں کی راہیں تو دیکھو

ذرا اس کی وہ جلوہ گاہیں تو دیکھو
وہ بیباک اسکی نگاہیں تو دیکھو

اڑاتی ہوئی زلف لہرا رہی ہے
کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہی ہے

محبت کے جلوے دکھانے میں خوش ہے
سرِ راہ آنکھیں لڑانے میں خوش ہے
وہ دن رات پینے پلانے میں خوش ہے
وہ کیفے میں محفل سجانے میں خوش ہے

بھرے جام سے جام ٹکرا رہی ہے
کوئی کہہ رہا ہے کہ وہ جا رہی ہے

نوحہ بر وفاتِ والد

کب تلک روتے رہیں گے کب تلک ماتم کریں
زخم بھرنے سے رہے اب کیا علاجِ غم کریں
رات کی تنہائیوں میں یاد جب آتے ہیں آپ
جی یہ چاہتا ہے کہ پہروں گریۂ پیہم کریں
سانولا پُر نور چہرہ اب کہاں دیکھیں گے ہم
رکھ کے سر قدموں پہ جسکے اپنا تازہ دم کریں
شفقتیں جاتی رہی ہیں برکتیں عنقا ہوئیں
کس کے اب سایہ میں رہ کر شدتِ غم کم کریں
میری نظروں میں ابھی تک ہے تری شامِ فراق
نیم باز آنکھوں کے آنسو کس طرح مدھم کریں

راز

شتیلا سہائے ولد منشی بھگوان داس قانون گو۔ قوم کائستھ باشندہ موضع بھدرس تحصیل گھاتم ضلع کانپور۔ ولادت ۱۹۰۴ء۔ آپ ہائی اسکول پاس کرنیکے بعد قانونگو کی حیثیت سے یو۔پی کے مختلف اضلاع میں فرائض انجام دینے کے بعد تحصیلدار مقرر ہو گئے اور بہت سی تحصیلوں میں کام کرنیکے بعد ۱۹۶۰ء میں ریٹائر ہوئے، آپ فارسی زبان میں بھی شعر کہتے تھے۔ ۱۹۸۱ء میں راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔

ٹوٹی کشتی تند طوفاں دور تک ساحل نہیں
ناخدا غافل سہی لیکن خدا غافل نہیں

حشر والوں کو لگانے دیجئے اپنا حساب
آپ کیوں گھبرا رہے ہیں آپ تو قائل نہیں

وہ کوئی انساں ہے جس کو نہ ہو اوروں کا غم
وہ بھی کیا دل جو کسی کے درد میں شامل نہیں

میری جنت بھی یہی میرا جہنم بھی یہی
سامنے ہے میکدہ محشر کا میں قائل نہیں

رازؔ کیا حاصل اگر کنجِ قفس سے ہوں رہا
اب تو پر بھی آپ کے پرواز کے قابل نہیں

بلبل کو گل پسند ہے گل کو صبا پسند
میری جبینِ شوق کو اک نقشِ پا پسند

یوں تو سب ہی کہتے ہیں وہ ہے دعا پسند
یہ ہم سے پوچھو شیخ کے دل کو ہے کیا پسند

سمجھانے ہم کو لے چلا اب کوئے یار میں
ناصح کو آ گئی ہے وہاں کی ہوا پسند

اوروں کو بھی پسند جو آئے تو شعر ہے
ورنہ سبھی کو آتا ہے اپنا کہا پسند

اے رازؔ ان سے عرضِ تمنا فضول ہے
تیری وفاؤں کو بھی جو کرتے ہیں نا پسند

ممکن کہاں کہ بزم میں ہم کو بلائیں آپ
ہاں ہو سکے تو راہ میں صورت دکھائیں آپ

کیا بات ہے کہ آپ ملاتے نہیں ہیں آنکھ
غصہ میں آ کے آنکھ کبھی تو دکھائیں آپ

وہ دن بھی تھے کہ ناز اُٹھاتے تھے اور لوگ
ہم لے رہے ہیں اب تو خود اپنی بلائیں آپ

اے رازؔ چاہتے ہو اگر داد بھی ملے
اپنی غزل سُنائیں تو گا کر سُنائیں آپ

رانا

پنڈت سورج پرکاش ونیہ کشمیری خلف پنڈت سورج نرائن کشمیری

باشندہ جے پور، پیشہ معلمی، شاعری میں کسی استاد سے وابستہ نہیں ہیں۔ آپ پنڈت رگھوناتھ ہجر کے نواسے ہیں۔

[illegible]ال دیتے ہیں پھر جی سے گذر جاتے ہیں — یہ ہی دو کام ہیں عشاق جو کر جاتے ہیں
ناز و انداز و حیا، عشوہ، کرشمہ، شوخی — ان ہی دو چار پہ عاشق ترے مر جاتے ہیں

ٹھہرتی ہے دو جگہ میری نظر — چشم نرگس یا چھلکتے جام پر
نام تک میرا نہ جس کو یاد ہو — جان دیتا ہوں اسی کے نام پر

راہی

رام پرکاش کھورانہ۔ آپ ۱۹۲۴ء میں ضلع جھنگ پاکستان میں پیدا ہوئے لاہور گورنمنٹ کالج سے انگریزی زبان میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد آپ دہلی میں آباد ہو گئے اور سرکاری ملازمت میں آپ کا تقرر ہو گیا ۱۹۸۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

انا کی آڑ میں آفاقیت کا راز ہوں میں — ترے وجود کا منہ بولتا جواز ہوں میں
[illegible] لطیف تناسخ بھی میرے پیچھے ہے — یہی نہیں کہ عناصر کی ساز باز ہوں میں
میرا نور نہ سایا نہ میرا خم نہ محیط — نشیب وقت میں ڈوبا ہوا فراز ہوں میں
مری شکستہ کی آواز بس یہی۔ یعنی — ہوا کے دوش پہ لرزاں سکوت ساز ہوں میں
وجودِ خیمۂ منعم ہے جس کے دم خم سے — اسی چراغ کا بے ساختہ گداز ہوں میں

میں سلسلہ ہوں تمدن کی دھوپ چھاؤں کا — کہ ہست و نیست کے مابین اک محاذ ہوں میں
تھکی تھکی سی سرِ راہ انتظار کی آنکھ — وہی سوال کا عقدہ کہ نیم باز ہوں میں
نگارِ شہر ہے راہی وہ آئینہ جس میں — نظر نظر ہے تو اک عکسِ امتیاز ہوں میں

راہی

رگھبیر سرن دواکر ایڈوکیٹ، باشندہ ریاست رام پور (یو-پی) ولادت ۱۹۱۴ء پیشہ وکالت۔ آپ کی تصنیفات ہیں۔ "دلِ صد چاک" "بڑھتے ہوئے قدم" "منزل کی طرف" "نقوشِ راہ" "رنگِ تغزل" "چراغِ منزل" ہیں۔ آپ ہندی زبان میں بھی کلام کہتے ہیں۔ اور دو دیوان بزبانِ ہندی شائع ہو چکے ہیں۔

قطعات

تعجب ہے یہاں بھی فرقِ خاص و عام ہوتا ہے — تعصب کا بہر عنواں بُرا انجام ہوتا ہے
مجھے پیمانہ اس کو جام اسکو خم ارے ساقی — یہی باتیں ہیں جن سے میکدہ بدنام ہوتا ہے

ہر اختلافِ مذہب و ملت کے باوجود — سب ہیں مری نظر میں برابر خدا گواہ
اک سمت بت پرست ہیں اک سمت بت شکن — دونوں کے درمیاں سے گزرتی ہے میری راہ

ساقی سے ملاقات مجھے یاد ہے اب تک — میخانے کی وہ رات مجھے یاد ہے اب تک
ہر لمحہ یہی غم کہ کہیں صبح نہ ہو جائے — کیا رات تھی وہ رات مجھے یاد ہے اب تک

ہرے تھے نگاہوں پہ زبانوں پہ تھے تالے — ایسے بھی تھے حالات مجھے یاد ہے اب تک
ضمر تھی جو انداز حکایات میں اک بات — صرف ایک وہی بات مجھے یاد ہے اب تک
ہن معطر تھی فضا نغمہ سرا تھی — راہی وہ ملاقات مجھے یاد ہے اب تک

زباں یقیں کیلئے اور عمل گماں کیلئے — کہ ہم مکان بناتے ہیں لامکاں کیلئے
کسی کی بندہ نوازی کے امتحاں کیلئے — تڑپ رہی ہے جبیں سنگ آستاں کیلئے
وہ ایک شب جو گزاری تھی ایک پل کی طرح — زمانہ چاہیئے اس شب کی داستاں کیلئے
ی لئے کہ بہت بے ثبات ہے دنیا — تڑپ رہے ہیں سبھی عمر جاوداں کیلئے
ں بہائیں گے اردو کے واسطے راہی — پسینہ تک نہ بہائیں جو اس زباں کیلئے

رتن

پنڈت رولارام خلف پنڈت متھرا داس ساکن پنڈوڑ ضلع گرداسپور (پنجاب)
ولادت ۱۹۰۷ء تلمیذ حکیم ضمیر الحسن خاں دل لکھنوی و پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی۔
پیشہ درس وتدریس، آپ اردو، فارسی اور سنسکرت تینوں زبانوں کے عالم ہیں۔

متفرق اشعار

تو دل وجاں سے محو ہو جا اگر تو اپنی عبودیت پر
خودی کی تاریکیوں میں اکثر خداشناسی چھپی ملے گی

کیا یہ انداز انھیں تو نے سکھا رکھے ہیں — کیوں رلاتے ہیں یہ ہنستے ہوئے تارے مجھ کو

وہ اپنے وعدہ میں کھاتے ہیں خدا کی قسم
کسے خبر ہے خدا درمیاں رہے نہ رہے

سنگِ طفلاں کو مری اُفتاد کیا مرغوب تھی
سر کا اُٹھنا تھا کہ اسکے ساتھ ہی پتھر اُٹھے

شرابِ عشق کی پاکیزگی میں شک نہیں ہرگز
مگر افسوس ہر میکش سے یہ چھانی نہیں جا

مائل وہ ہو چکے ہیں کرم کا ہے انتظار
اتنا کیا ہے میں نے تو اتنا خدا کرے

چشمِ تر کی اشکباری کا تلاطم دیکھ کر
ڈوب مرنے کو ہے پانی میں گھٹا برسات

بُتوں کو بھی تو خدا سمجھ کے پوجا ہے
غلط ہے یہ کہ ہم اپنے خدا کو بھول گئے

خلد کا لالچ دیئے جاتا ہے شیخ
اس پہ کہتا ہے میں بہکاتا نہیں

غم نہیں تو دل میں یادِ غم ہے اب
تیر نکلا بھی تو پیکاں چھوڑ کر

نعت

آیا ہے لب پہ نامِ رسولِ کریمؐ کا
جلوہ تڑپ اُٹھا ہے ریاضِ نعیم

بحرِ عدن میں لاکھ ہوں لُولُوئے شاہوار
کچھ رنگ روپ اور ہے دُرِّ یتیم

اللہ رے خاکِ بیتِ مقدس کا مرتبہ
مسجود ذرہ ذرہ ہے عرشِ عظیم

وحدت کو ناز کیوں نہ ہو احمدؐ کی ذات پر
سمجھایا جس نے راز الف لام میم

شاہد نہ ہو سکا کبھی مسجود سے الگ
نورِ خدا ہے نورِ رسولِ کریمؐ

کیونکر بیاں ہو مدحتِ خیر البشر رتنؔ
ہے تنگ قافیہ مری طبعِ سلیم

رشکؔ

پنڈت رام ناتھ ولد پنڈت کرتا رام ساکن ملتو پوتہ ضلع جالندھر، ولادت ۱۹

آپ کی تعلیم بی، اے تک ہے اور آپ اخبار "دوآبہ" جالندھر کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں
شاعری میں کسی اُستاد سے وابستہ نہیں ہیں۔

اُن کا آنا تو غیر ممکن تھا — تیرا آنا بھی اے قضا نہ ہوا
چار آنسو بھی تم بہا نہ سکے — جان لینے کا حق ادا نہ ہوا
کیا کریں بخت نارسا کا گلہ — نالۂ دل بھی جب رسا نہ ہوا
تجکو شکوے سے رشک کیا حاصل — تیری قسمت میں جو تھا نہ ہوا

جلنے کو اس کا خود ہی سوزِ دروں بہت ہے — پروانہ ڈھونڈتا ہے کیوں شمعِ انجمن کو
دل سے نکل کے آہیں رسوا نہ ہوں تو کیا ہوں — کب پوچھتا ہے کوئی غربت میں بے وطن کو

رشی

رام دیو (رشی پٹیالوی)۔ ولادت ۱۹۱۷ء جائے پیدائش بسی کلاں ضلع ہوشیارپور
شاگرد جناب امر چند قیس جالندھری و نسیم نور محلی۔ چونکہ آپ بسلسلہ ملازمت کافی عرصہ
پٹیالہ میں مقیم رہے۔ لہٰذا اسی نسبت سے خود کو پٹیالوی لکھتے ہیں۔ آپ اُردو اور ہندی
دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ آپ کی بہت سی کتابیں دونوں زبانوں میں شائع
ہو چکی ہیں۔

کٹے گی کس اُمید پر زندگانی — اگر تیرا غم بھی جدا ہو گیا
وفاؤں پہ الزام آنے لگے — نہ جانے زمانے کو کیا ہو گیا

انھیں دیکھ کر دیکھتی رہ گئیں   خدا جانے آنکھوں کو کیا ہو گیا

پیامِ عشق دے گئے جدھر سے نکل گئے   شکستہ دل سنبھل گئے فسردہ دل بہل گئے
ذرا وہ مسکرا دیئے حیات جگمگا اُٹھی   جدھر نگاہ اُٹھ گئی اُدھر چراغ جل گئے

ان سے اب کیسا گلہ دور دور رہنے کا   دل میں یاد آئی ہے لب پہ نام آیا ہے
اے رشی محبت کا یہ کرم نہ بھولے گا   اک ذرا سے ہنسنے نے عمر بھر رُلایا ہے

یہ مانا زندگی میں زندگی کے غم نہ کم ہوں گے   تیرا غم ساتھ نہ ہوگا تو بڑے دلچسپ غم ہوں گے
سہارا لیکے نکلے ہیں جنوں کی رہنمائی کا   رشی منزل وہیں ہوگی جہاں اپنے قدم ہوں گے

جہاں تک ہماری نظر ساتھ دیگی   وہاں تک تمھیں دیکھتے جائیں گے ہم
نہ دیکھو ہمیں مسکرا کر نہ دیکھو   نگاہِ کرم سے تو مر جائیں گے ہم

تنویرِ سحر

رخصتِ شب کے ہیں آثار سحر آئی ہے   ضوفشاں صبح کی تنویر نظر آئی ہے
غمکدے نور کے سانچے میں ڈھلے جاتے ہیں   رفعتِ عرش سرِ فرش اُتر آئی ہے
ظلمتِ جبر و تشدد کا فسوں ٹوٹ گیا   اک تجلی ضیا پاش نظر آئی ہے

شکوۂ کلفت و آلام کے دن بیتے ہیں
زندگی غم کے دیاروں سے گزر آئی ہے

کاروانوں کیلئے تھی جو غبار آلودہ
اب دلہن بنکے وہی راہ گزر آئی ہے

گھٹ کے مرنے کیلئے اب کوئی مجبور نہیں
دردمندوں کی دعا کا اثر آئی ہے

صبح بیدار ہوئی میرا وطن جاگ اُٹھا
جنت آثار بہاروں کا چمن جاگ اُٹھا

رضاؔ

کالی داس گپتا۔ جائے پیدائش مکند پور ضلع جالندھر، ولادت ۱۹۲۵ء شاگرد جناب لبھو رام جوشؔ ملسیانی۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے میٹرک ادیب فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے اور لندن میں بھی تعلیم حاصل کی آپ قریب اٹھارہ کتابوں کے مصنف ہیں۔ کچھ عرصہ نیروبی میں بھی بسلسلہ کاروبار رہ چکے ہیں۔ اس وقت بمبئی میں مقیم ہیں اور فائننس کے کاروبار میں مشغول ہیں۔

رباعیات

بے درد نہ تھا اتنا ریاکار نہ تھا
ہر بات پہ آمادۂ پیکار نہ تھا
نخوت نے سکھائی اسے عصیاں کوشی
انسان حقیقت میں گنہگار نہ تھا

صناعِ ازل نے کیا بنائی بستی
بیدار۔ خمار۔ ہوشمندی، مستی
اک ٹھاٹیں مارتا بپھرتا دریا
ہستی ہستی چہار جانب، ہستی

تا دمِ آخر، دم دل سے جواں رہتا ہے
مذہب بھی ٹھہر جاتا ہے اک نقطے پر
بیزار جہاں مستِ جہاں رہتا ہے
انسان سدا رواں دواں رہتا ہے

فولاد کا دل عزمِ مصمّم لیکر
مجبوریِ آلام کے پھندے سے نکل
میدان میں آ ہمتِ ضیغم لیکر
شہ زوری و تدبیر کا پرچم لیکر

پاش پاش لاشے سے خون خون آرے تک
ہم نے تجھ کو چاہا ہے ہم نے تجھکو ڈھونڈا ہے
فکر و فہم کی دھرتی آسمان نہیں بنتی
درد ہی کا قصہ ہے غم سے غم کے مارے تک
اس کشادہ دھرتی کے دوسرے کنارے تک
یہ سانے ہو کے دیکھے ہیں ہمیں چاند تارے

غم سے راحت ہو میسّر یہ کہاں ممکن ہے
کوشش کر دہنس ہنس کے جیئے جانے کی
ناموں سے فقط جی کا زیاں ممکن ہے
کوشش سے طربناک جہاں ممکن ہے

معنویت کا اثر ہے کہ گھٹا جھومے ہے
مست آنکھوں سے پرے بھی ہے کوئی بزم سرور
ایک بارش سی ورق پر ہے قلم گھومے ہے
بس میخانہ بھی میخانہ ہے دل جھومے ہے

کہاں کا ہاتھ کہاں کا نجوم کیسا نصیب
یہ ہتھیلی سیاہیاں لغت کہاں بتائے گا
لکیر کھینچ کے سب کچھ بتا گیا کوئی
ظہورِ صبح کو علم کی کتاب میں ڈھونڈ

رفیقؔ

دینا ناتھ وطن پونچھ ۱۹۶۰ء تک آپ سرکاری اسکول پونچھ میں ٹیچر رہے۔ ریٹائر ہو جانے کے بعد جموں خالصہ ہائی اسکول میں سیکنڈ ہیڈ ماسٹر کے فرائض انجام دیئے۔ ۱۹۱۹ء سے شاعری کے میدان میں ہیں، آپ کا دیوان "دیوانِ رفیق" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

سوزِ فراق دل کو جلائے تو کیا کروں
رہ رہ کے تیری یاد ستائے تو کیا کروں

میں نے تو ہاتھ عشق سے کب کا اٹھا لیا
تیرا خیال دل سے نہ جائے تو کیا کروں

جلوے تو اور بھی ہیں ہزاروں ترے سوا
میری نظر میں تو ہی سمائے تو کیا کروں

واعظ یہ ترکِ جام کی تلقیں بجا مگر
کوئی نظر سے مجکو پلائے تو کیا کروں

ناآشنا وہ بُت ہے زبانِ نگاہ سے
مقصودِ دل زباں پہ نہ آئے تو کیا کروں

جچتا نہیں نگاہ میں گو منظرِ بہار
اس گل کی یاد حشر اٹھائے تو کیا کروں

ہر روز عزم کرتا ہوں میں ترکِ عشق کا
ہر روز دل بہانے بنائے تو کیا کروں

کہنے کو ان سے دل میں نہیں کیا کچھ اے رفیقؔ
کہنے کی بات لب پہ نہ آئے تو کیا کروں

میرے دل کو شکوۂ آزارِ جاں نہ تھا
اس بُت کے ظلم و جور کا چرچا کہاں نہ تھا

گھر گھر تھے اسکی صورتِ زیبا کے تذکرے
میں ہی جمالِ حُسن کا اک مدح خواں نہ تھا

کیوں بیخودی سی ہر رگ و پے میں ہے موجزن
جب میں شریکِ محفلِ پیرِ مغاں نہ تھا

پردے پڑے ہوئے تھے مری ہی نگاہ پر — ورنہ تمہارے حسن کا جلوہ کہاں نہ تھا
کرنی پڑے گی ترکِ وفا بھی مآلِ کار — خود مجکو اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا
ہر شاخ کے طواف میں بجلی تھی محو کیوں — ہر شاخ پر چمن میں مرا آشیاں نہ تھا
ہر ذرہ سے عیاں تھی جھلک اسکے نور کی — گو آنکھ سے نہاں تھا وہ لیکن نہاں نہ تھا
ایسا نہ ایک لمحہ بھی گذرا جب اے رفیقؔ — معمور اسکی یاد سے میرا جہاں نہ تھا

روشنؔ

لالہ روشن لال ولد لالہ رام چرن داس ساکن پٹیالہ، ولادت ۱۹۰۹ء۔ شاگرد جناب منوہر سہائے انور۔ پیشہ سرکاری ملازمت۔ آپ کی تصنیفات ہیں چراغِ روشن چنگاریاں، شکستہ دل اور غریب کی آہ وغیرہ ہیں۔

وہ روز میں ہی عہدِ جوانی گذر گیا — دریا چڑھا ہُوا تھا جو آخر اُتر گیا
ترتیب پا گئی ہے محبت سے زندگی — دل کا نظام اسکے اثر سے سنور گیا
دنیا میں میری مرگ سے زندہ ہوا ہے عشق — کتنا بڑا یہ کام میں دنیا میں کر گیا
ناصح سمجھ سکا نہ کبھی زندگی کا راز — افسوس اس جہاں سے وہ بے خبر گیا
جب اُٹھ گئی نقاب رُخِ تابدار سے — رنگِ حیات چہرۂ گیتی میں بھر گیا
روشنؔ مرے بجھے ہوئے دل کا ہر ایک داغ — تاریکیوں کے سینہ میں اک نور بھر گیا

فدا ہو ایک گل پر طائرِ دل بن نہ ہرجائی — گلستانِ جہاں میں عشق کی ہے اسے رسوائی

ضرورت کچھ نہ تھی رہبر کی مجکو راہِ الفت میں
مرے دل کی لگی آخر مجھے منزل پہ لے آئی

نظر اٹھتی نہیں میری جمالِ حُسنِ تاباں پر
مجھے دھوکے پہ دھوکے دے رہی ہے میری بینائی

جہاں میں رہنے والوں کا ہر اک احسان ہے زائل
نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامانِ رسوائی

کھلے گلہائے اُمیدِ وفا شاخِ تمنّا پر
گلستانِ محبت پر بہارِ جانفزا آئی

چراغِ طور بھی ہے اور روشن مثلِ آئینہ
مرے تاریک دل میں حُسن کی ہے جلوہ آرائی

دل میں ہیں ولولے عزم بھی ہے جواں اور ہمّت بھی ہے ہم سفر دوستو
لاکھ خطرات ہوں شوق کی راہ میں ہم گذر جائیں گے بے خطر دوستو

قوم کا باغ بن جائے رشکِ جہاں اور مٹ جائیں سارے خزاں کے نشاں
بختِ خفتہ وطن کا ہو بیدار پھر مل کے کوشش کریں ہم اگر دوستو

پھر سے روشن کریں گے چراغِ وفا ہر طرف نورِ راحت کا پھیلائیں گے
گلشنِ ہند میں لہلہائیں گے پھر ہر دالفت کے گلہائے تر دوستو

روشن

روشن لال ساکن نکودر ضلع جالندھر۔ ولادت ۱۹۱۴ء تلمیذ جناب لبھورام جوشؔ ملسیانی۔ آپ تعلیم کے لحاظ سے بی۔ ایس۔ سی (آنرز) ایم۔ ایس۔ سی ہیں۔ ذریعۂ معاش سرکاری ملازمت۔

محبّت میں جانا تو یہ ہم نے جانا
کہ جینے نہ دے گا کہیں بھی زمانا

بہت ہم نے سوچا انھیں بھول جانا — مگر کیا کریں کہ یہ دل ہی نہ مانا
پرائے ہیں اپنے تو اپنے پرائے — الٰہی یہ آیا ہے کیسا زمانا

جو سیکھا تو یہ سیکھا ہم نے قرینا — محبت میں مرنا محبت میں جینا
محبت کے اس راز کو کون سمجھے — کہ جینا ہے مرنا تو مرنا ہے جینا
نہ گھبراؤ ناکامیابی سے روشنؔ — سمجھ لو اسے کامیابی کا زینا

مل چکیں خاک میں تمنائیں — دل میں اب حشر سا بپا کیوں ہے
میں بھی فانی جہاں بھی فانی ہے — پھر مجھے حسرتِ بقا کیوں ہے

زمانے کی شورش سے تنگ آ گیا ہوں — کہیں دور جانے کو جی چاہتا ہے
گناہوں کی جب یاد آتی ہے روشنؔ — کچھ آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے

زارؔ

ادم پرکاش خلف شری راجیداس قوم دلیش اگروال ساکن سڈھارا ضلع انبالہ (ہریانہ) ولادت ۱۹۲۲ء تلمیذ جناب علامہ سحر عشق آبادی (میرٹھ) آپ نے ۱۹۴۲ء میں طبیہ کالج پٹیالہ سے طبی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء تک انبالہ میں پریکٹس کی۔ اسکے بعد آپ ہریانہ گورنمنٹ میں بطور میڈیکل آفیسر کام کرتے

رہے۔ ۱۹۷۸ء میں ملازمت سے ریٹائر ہونے کے بعد پٹیالہ میں اپنا کلینک اگروال کلینک کے نام سے چلا رہے ہیں۔ آپ کا دیوان "تجلیات" کے عنوان سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے فن عروض کے متعلق بھی ایک کتاب "کلیدِ عروض" کے نام سے شائع کی ہے۔ آپ زارؔ علاحی کے لقب سے مشہور ہیں۔

رباعیات

ہر چند جلاتے مجھے احساس کی آگ
لہرا کے ڈسیں رنج و مصیبت کے ناگ
آلامِ زمانہ سے نہ گھبرا اے زارؔ
مضراب کی چوٹوں سے نکلتا ہے راگ

اُلفت کی کسک تیز ہوتی جاتی ہے
کانٹے کی کھٹک تیز ہوئی جاتی ہے
اے بادِ بہاراں ذرا آہستہ چل
شعلہ کی لپک تیز ہوئی جاتی ہے

قطعات

شورشِ حسرت و ملال نہ پوچھ
گردشِ وقت کا کمال نہ پوچھ
زلفِ ہستی میں کس قدر خم ہیں
ہم اسیروں سے یہ سوال نہ پوچھ

ضربِ مضراب کھا کے دیکھی ہے
راگنی غم کی گا کے دیکھی ہے
لذتِ درد پوچھیے ہم سے
ہم نے لذت اُٹھا کے دیکھی ہے

یہ فصلِ گُل ہے رہیں ہوشیار فرزانے
جنوں کے ہاتھوں میں ہیں بے اختیار دیوانے

غضب کی چال چلے اب کی بار دیوانے
ہوا میں اُڑ گئے ہو کر غبار ویرانے

رہیں گے تا بہ ابد یادگار افسانے
جلے ہیں شمع پہ مردانہ وار پروانے

نہ چھیڑ ان کو نہ جانے یہ کیا سے کیا کہہ دیں
زباں پہ رکھتے نہیں اختیار دیوانے

ہوا ہی دینا یہ سیکھی ہے آتشِ گُل کو
کسی کے سوز کو یہ بادِ بہار کیا جانے

سمجھ لیا ہے اشارہ اشارہ فطرت کا
ایک اک راز کے ہیں رازدار دیوانے

یہ کس کی مست نگاہی کا چل گیا جادو
شکستہ ہو گئے لڑ لڑ کے زار پیمانے

آہوں میں بھی لذت ہے
دردِ دل اک نعمت ہے

تجھکو غم سے وحشت ہے
غم تو روحِ فطرت ہے

حُسنِ مطلق کو جو دیکھے
کس میں اتنی جرأت ہے

شامِ فرقت کا کیا غم
دل میں تو نورِ اُلفت ہے

تیرا غم وہ کھاتے ہیں
جن کی اچھی قسمت ہے

دیکھ تو دل کی دُنیا تو
جلوہ گاہِ قدرت ہے

دورِ حاضر کا انساں
صیدِ علم و حکمت ہے

ذرہ ذرہ آئینہ
حُسنِ نظمِ فطرت ہے

میں ہوں زار اب علامی
مجھ کو فن پہ قدرت ہے

زار

پنڈت بشن داس خلف پنڈت دیوی چند۔ باشندہ رائے پور ریاست کپورتھلہ ولادت ۱۹۱۰ء۔ شاگرد جناب لبھورام جوش ملسیانی۔

رقص کناں ہیں شوخیاں حسن فریب کار میں
جھوم رہی ہیں مستیاں کیف نگاہ یار میں

جنبش ہر نگاہ ہے عقدہ کشائے زندگی
راز حیات و مرگ ہے پردۂ چشم یار میں

حاصل زندگی نہیں کچھ بھی
بس یہی زندگی کا حاصل ہے

پاؤں جو اٹھ رہا ہے رُک رُک کر
بر سر راہ کوئی مشکل ہے

متفرق اشعار

وہ سمجھے ہیں نہ سمجھیں گے کسی قابل مجھے
اب بھی تو رسوا نہ کرائے اضطراب دل مجھے

وفائے عشق کیا شے ہے محبت کس کو کہتے ہیں
کوئی دیکھے مجھے آکر کوئی پوچھے مرے دل سے

تڑپ کے عمر کٹی زیست کا مزا نہ ملا
کمال درد ملا درد آشنا نہ ملا

زخمی

بھاگیرت لال ولد شری سیتارام قوم ویش اگروال باشندہ حصار (ہریانہ) ولادت ۱۹۰۵ء شاگرد جناب لبھورام جوش ملسیانی۔ آپ بہت سی کتابوں کے مصنف اور صاحب دیوان ہیں۔

قطعات

چراغِ سوزِ محبت جلانے آیا ہوں
دلوں سے ظلمتِ نفرت مٹانے آیا ہوں
ہر ایک ذرۂ عالم ہے جس سے غیرتِ طور
نظر نظر میں وہ جلوے بسانے آیا ہوں

تک بندو جذبات کی رَو میں نہ بہو
جو حد ہے تمھاری اسی حد میں رہو
بھاٹوں کی ٹولیوں میں رہنے والو
اللہ کے لئے خود کو شاعر نہ کہو

زیست آئی فنا کا غم لیکر
کیا کرے کوئی جامِ جم لیکر
زندگی میں نشاط کے بدلے
خوش ہوئے ہم کسی کا غم لیکر

بھول کر اپنی منزلِ مقصود
تیز گامی دکھا رہے ہیں لوگ
نام پر ارتقا کے اے زخمی
قعرِ پستی میں جا رہے ہیں لوگ

ابھی تم مشرقِ امید سے سورج نکلنے دو
سویرا ہو ہی جائے گا ذرا یہ رات ڈھلنے دو
نہ آنچ آئے کبھی اے بجلیوں صحنِ گلستاں پر
بلا سے آشیاں میرا اگر جلتا ہے جلنے دو
اجارہ غنچہ و گل کا نہ رہنے دو بہاروں پر
کبھی کانٹوں کو بھی آغوشِ رنگ و بو میں پلنے دو
نہ روکو ان کے رستے رہبرو راہِ محبت میں
جنھیں چلنے کی عادت ہو گئی ہے انکو چلنے دو

دکھا دینگے کبھی ہم بھی کہ جینا کس کو کہتے ہیں
ہمارے بختِ خوابیدہ کو تم کروٹ بدلنے دو

نہیں مذکور اے رندو کسی کی لغزشِ پا کا
جنھیں پی کر سنبھلنا ہے انھیں پی کر سنبھلنے دو

طلوعِ صبحِ نو ہونے کو ہے کیا غم اندھیروں کا
اندھیری رات میں زخمی جگر کے داغ جلنے دو

از سرِ نو کروں گا تنظیمِ چمن
گھر سے نکلا ہوں یہ قسم لیکر

بندگی ہی ہے اگر مقصدِ دل
دیر کیوں چھوڑ دوں حرم لیکر

ہم بھی جینے کو جیتے ہیں لیکن
اپنی ہستی کا کچھ بھرم لیکر

دل میں پھر درد فا لیتا ہوں
حُسنِ بے مہری صنم لیکر

ہم بھی مُلکِ عدم کو جائیں گے
راہِ دنیا میں تھوڑا دم لیکر

آج آئے ہیں بندگانِ ہوس
شوقِ ایثار کا علم لیکر

قدرِ شعر و سخن گئی زخمی
کیا لیا ہاتھ میں قلم لیکر

ساحر

پنڈت سوہن لال ولد پنڈت منگل سنگھ وطن قدیم امرتسر ساکن حال کپورتھلہ۔ ولادت ۱۹۰۶ء تلمیذ پنڈت لبھو رام جوش ملسیانی۔ آپ کی تعلیم بی۔اے تک ہے اور آپ روزانہ اخبار "بھیشم" کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

قطعہ

بڑی ناکامی تدبیر دیکھی
دیکھی ایذا طلب تقدیر دیکھی

میری مظلوم خاموشی کو دیکھا
کمالِ ضبط کی تصویر دیکھی

ان کا ہلکا سا تبسم یاد کرلیتا ہوں میں
اک جہانِ آرزو آباد کرلیتا ہوں میں

مجھ سے جو ہوتا ہے وہ صیاد کرلیتا ہوں میں
آہ بھر لیتا ہوں میں فریاد کرلیتا ہوں میں

تمہارے حسنِ جہاں سوز کا جواب نہ تھا
فلک پہ ہوگا زمیں پر تو آفتاب نہ تھا

تیری ان مست پُراسرار آنکھوں کے نثار
میرے ساقی تو جدھر دیکھ لے میخانہ ہے

ساحر

تیج ونت رائے خلف شری بھگوت رائے بہار ساکن سنام ضلع سنگرور (پنجاب) ولادت ۱۹۱۴ء، شاگرد پنڈت لبھورام جوش ملسیانی۔ آپ نے ایم۔اے تک تعلیم حاصل کی اور تحصیلداری کے عہدہ پر فائزہ کر ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آپ کی تصنیفات میں تیرو نشتر، پیام وطن، بہارستان اور گلِ صد رنگ ہیں۔ آپ کے والد اپنے وقت کے مشہور انشار پرداز تھے اور کلیاتِ برہمن، ان کی مشہور تصنیف ہے

وہ بھی کیا تعمیر ہے جو غیر کی ممنون ہو
لطف جب ہے، اپنی دنیا آپ پیدا کیجئے

رات دن بے خواب سی رہتی ہے میری چشمِ شوق
یوں مرے خوابوں کی دنیا میں نہ آیا کیجئے

متفرق اشعار

مرے شعروں کی دولت لوٹ لی تحصیلداری نے
مری پرواز کوردکا ہے اس طائے گذاری نے

شوخی، کرشمہ، نازو ادا، سحر، بانکپن
وہ آئے انجمن میں تو اک انجمن کے ساتھ

میرے دل سے یہ ملاقات کی حسرت بھی نکال
مجھ سے نا ملنے کی جو تو نے قسم کھائی ہے

کمانا ہے غم بھی ساحرؔ لازم ہے شکرِ غم بھی
دنیائے عاشقی کے دستور ہیں نرالے

خدا بھی ہے تیرا خدائی بھی تیری
ترے بس میں سارا نظام آرہا ہے

ہے دکھاوے کا کھیل ہمدردی
کون مونس ہے کون ہمدم ہے

موت کا دم بہت ضروری ہے
ورنہ جینا عذاب ہو جائے

ساحرؔ

پنڈت رگھبیر داس۔ جائے پیدائش سیالکوٹ (پاکستان) شاگرد جناب یاسؔ یگانہ چنگیزی و پنڈت لبھو رام جوشؔ ملسیانی۔ آپ نے ہائی اسکول کا امتحان ڈسکہ ضلع سیالکوٹ سے پاس کیا۔ ۱۹۲۷ء میں بی، اے کا امتحان سناتن دھرم کالج لاہور سے پاس کیا۔ تقسیم وطن کے بعد آپ بھارت میں منتقل ہو کر جالندھر میں آباد ہو گئے۔ آپ کے دو شعری مجموعے "حریمِ سخن" اور "نسیمِ سخن" کے عنوانات سے شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۱ جولائی ۱۹۸۴ء کو اس دنیا سے کوچ کیا۔

خدایا عشق میں اچھی یہ شرطِ امتحاں رکھدی
لگا کر مہرِ خاموشی مرے منہ میں زباں رکھدی

کسی کے جورِ بیجا پر بھی جب خاموش رہنا تھا
تو پھر کیوں اے خدا تو نے مرے منہ میں زباں رکھدی

جو پوچھا دل ہی تھے تم نے کہاں اے مہرباں رکھدی
بڑی نخوت سے کہتے ہیں جہاں چاہا وہاں رکھدی

محبت کا نشاں تک بھی زمانہ میں نہیں ملتا
اٹھا کر جنس یہ اے آسماں تو نے کہاں رکھدی

کہاں تک حادثاتِ برق و باراں سے رہوں خائف
خدا کا نام لیکر میں نے طرحِ آشیاں رکھدی

جھکاتے سے بھی اب جھکتی نہیں ہے دیر و کعبہ میں
نہ جانے بیخودی میں ہم نے پیشانی کہاں رکھدی

خلوصِ شوق میں ساحرؔ بڑی تاثیر ہوتی ہے
وہیں کعبہ سمٹ آیا جبیں ہم نے جہاں رکھ دی

طبیعت اسقدر مائلِ غم ہوتی جاتی ہے
ہنسی لب پر ہے لیکن آنکھ پُرنم ہوتی جاتی ہے

کہا تھا اس نے ہمسر گل کو تیرے روئے زیبا کا
پشیمانی سے پانی پانی شبنم ہوتی جاتی ہے

اسے ڈر ہے کہیں تجھکو نہ بارِ گوش ہو جائے
صدائے سازِ دل کچھ اور مدھم ہوتی جاتی ہے

یہی ہے کوچۂ قاتل یہی پہچان ہے اسکی
یہاں آتے ہی گردن خود بخود خم ہوتی جاتی ہے

محبت میں نہ راس آئیں ہمیں خودداریاں ساحرؔ
توجہ انکی اب ہم پر بہت کم ہوتی جاتی ہے

شمع روشن تو رہی رات بسر ہونے تک
گل کوئی اور نہ کھل جائے سحر ہونے تک

ختم کرنا ہی پڑے گا مجھے افسانۂ غم
بات آ پہونچی تری آنکھ کے تر ہونے تک

شمع نے ڈھیر لگا رکھے ہیں پروانوں کے
دیکھیں کیا حال ہو اسکا بھی سحر ہونے تک

تھا مجھے وعدۂ فردا کا سہارا ورنہ
کون جیتا ہے شبِ ہجر بسر ہونے تک

شعر کہنا بھی تو کچھ سہل نہیں ہے ساحرؔ
بات بنتی ہی نہیں خونِ جگر ہونے تک

متفرق اشعار

گردش پہ آسماں کو بہت ناز تھا مگر
چکر میں آگیا تری چالوں کے سامنے

مصیبت میں کوئی ہمدم شریکِ غم نہیں ہوتا
مصیبت ٹل بھی جائے تو یہ صدمہ کم نہیں ہوتا

کیا گمراہ جن کو راہبروں نے
کوئی لائے گا ان کو راہ پر کیا

ساحر

لالہ رام پرکاش متوطن ہوشیار پور (پنجاب) تلمیذ جناب لبھو رام جوش ملسیانی آپ نے گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۵ء میں ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ آپ کا دیوان موسوم "سحر نغمہ" ۱۹۷۰ء میں شائع ہو چکا ہے۔ اس وقت آپ بسلسلۂ کاروبار دہلی میں آباد ہیں۔

قطعات

غم ہستی میں اتنا کھو گیا ہوں
کہ اکثر روتے روتے سو گیا ہوں
ستم شاعر پہ اتنا یا الٰہی
تری ہستی سے منکر ہو گیا ہوں

سر پہ جو آئیں آفتیں سہہ لوں
جیسے دنیا میں رہ سکوں رہ لوں
اکھڑے اکھڑے سے سانس لیکر بھی
زندہ رہنے کو زندگی کہہ لوں

قہر پروردگار دیکھیں گے
درد میں بھی قرار دیکھیں گے
جذبۂ دل اگر سلامت ہے
ہم خزاں میں بہار دیکھیں گے

غم دل رُخ سے عیاں ہو یہ ضروری تو نہیں
عشق رسوائے جہاں ہو یہ ضروری تو نہیں
جانِ تنہا پہ گزر جائیں ہزاروں صدمے
آنکھ سے اشک رواں ہوں یہ ضروری تو نہیں

مل ہی جائیگی کہیں ڈھونڈنے والے کو بہار
ہر گلستاں میں خزاں ہو یہ ضروری تو نہیں

ضبط بھی ہوتا ہے اندازِ جنوں میں شامل
آرزو شعلہ بہ جاں ہو یہ ضروری تو نہیں

آرزوؤں کی بھی اک بھیڑ ہے شہرِ دل میں
حسرتوں کا ہی نشاں ہو یہ ضروری تو نہیں

سوچ کر وادیِ الفت میں قدم رکھ ساحر
صرف دل کا ہی زیاں ہو یہ ضروری تو نہیں

وہ مرے دل کے طلبگار نظر آتے ہیں
شادمانی کے اب آثار نظر آتے ہیں

اب محبت کے پرستار کہاں اے ساقی
سب محبت کے خریدار نظر آتے ہیں

اب کے گلشن میں عجب رنگ سے آئی ہے بہار
شاخِ گل پر بھی ہمیں خار نظر آتے ہیں

حشر میں کس سے کروں انکی شکایت اے دل
سب اسی بت کے طرفدار نظر آتے ہیں

پھر وہ مائل بہ کرم ہونے لگے ہیں ساحر
پھر غم و رنج کے آثار نظر آتے ہیں

مثلِ رقصِ شرر نہیں آتی
زندگی لوٹ کر نہیں آتی

ہجر میں موت ڈھونڈنے والے
ایسی شب کی سحر نہیں آتی

یہ طبیعت ہے حضرتِ ناصح
یہ سمجھ سوچ کر نہیں آتی

آدمی ٹھوکریں نہ کھائے اگر
زندگی راہ پر نہیں آتی

آہ وہ آرزوئے دل ساحر
تا قیامت جو بر نہیں آتی

ساحر

بخشی رام بھایا ایڈوکیٹ خلف بخشی کرپارام ساکن امرتسر، ولادت ۱۹۱۳ء۔
شاگرد جناب لاڈلی لال رونق ایڈوکیٹ اٹاوہ۔ پیشہ وکالت۔ آپ اُردو، فارسی
اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ بہت سے جرائد اور رسائل کے مدیر
رہ چکے ہیں۔ آپ بخشی اختر امرتسری کے برادرِ خُرد ہیں۔

بزمِ خیال میں مری آکے چلا گیا کوئی
دل میں بنا کے سینکڑوں نقش مٹا گیا کوئی

کان صدا پہ ہیں لگے دیدے ہیں راہ پر جمے
آج جنابِ خضر کو رستہ بتا گیا کوئی

میکدے لاکھ اُتر گئے دل میں سرورِ کیف کے
ایک نگاہِ مست سے اتنی پلا گیا کوئی

کیا کہوں ساحرِ حزیں مٹنے کی دل سے یہ نہیں
ایسی ادائے دل نشیں آج دکھا گیا کوئی

نظم کا ایک بند

ہو مجکو تیرے جور کا شکوا، نہیں نہیں
تو اور مجھ پہ ہو ستم افزا، نہیں نہیں

تیرا گلہ ہو اور ہو بے جا، نہیں نہیں
بے مہر و بے وفا تو ایسا، نہیں نہیں

ہاں تو کرم طراز ہے بیداد گر نہیں

نظم "انتظار" ایک بند

مطرب کنارِ آب یہ نغمات آبشار
یہ گل یہ مے یہ ابر یہ وادی سبزہ زار

بھیگی سی یہ فضائیں ہوائیں یہ مشکبار
یہ حُسن یہ نمود، بچپن، بانکپن، نکھار

سنتا ہوں باغ و راغ میں آئی بہار ہے
تو آ بھی جا کہ ترا آج انتظار ہے

گیت

سکھی ری پیا ناہیں آئے

ساجن مورا ناہیں گھر ہے　　جینا برہا میں دوبھر ہے
رین پڑی اب لاگے ڈر ہے　　جیارا ہے گھبرائے
سکھی ری پیا ناہیں آئے

ڈھونڈت ہاری پی کی نگریا　　ملے نہ وہ چت چور سنوریا
بیت گئی ہے بالی عمریا　　پی کی آس لگائے
سکھی ری پیا ناہیں آئے

کانپے جیارا دھڑکت چھتیاں　　کیسے کٹے برہا کی رتیاں
کاسے کہوں اب جی کی بتیاں　　کس بدھ من کل پائے
سکھی ری پیا ناہیں آئے

ساگر

کرشن گوپال خلف پنڈت چکر پانی باشندہ ہوشیار پور (پنجاب) ولادت ۱۹۱۹ء۔ شاگرد جناب امر چند قیس جالندھری۔ آپ نے ایم۔ اے تک تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۰ء میں بطور آڈیٹر سرکاری ملازمت میں آ گئے۔ ۱۹۴۲ء میں آپ سناتن دھرم ہائی اسکول میں ٹیچر ہو گئے۔ اسوقت آپ سونی پت میں مقیم ہیں۔

محنت سے زمانہ میں ہر چیز سنورتی ہے　　تدبیر مسلسل سے تقدیر بدلتی ہے

اخلاص و محبت تو عنقا ہیں زمانہ سے
دنیا میں ریاکاری اب پھولتی پھلتی ہے

غیروں سے شکایت کیا اپنوں سے گلہ کیسا
اس دور میں دنیا ہی منہ پھیر کے چلتی ہے

اب تم سے جدا ہو کر ہے چین کسے اک پل
ہر وقت مرے دل میں اک آگ سی جلتی ہے

دم بھر میں جلا دے ہے افلاک کا سینہ بھی
مجبور کے ہونٹوں سے جب آہ نکلتی ہے

ارباب خرد سو سو تدبیر لڑاتے ہیں
مرنے کی گھڑی لیکن ٹالے نہیں ٹلتی ہے

دنیا میں وفا کیسی دنیا کا بھروسا کیا
گرگٹ کی طرح ظالم سو رنگ بدلتی ہے

لمحات خوشی کے تو کٹ جاتے ہیں دم بھر میں
مشکل کی گھڑی ساگر مشکل سے گزرتی ہے

آپ کا اعتبار کون کرے
حشر تک انتظار کون کرے

غیر سے بھی نہ کر سکا تو نباہ
اب ترا اعتبار کون کرے

دل کو نذر نگاہ یار کیا
صبر اب اختیار کون کرے

آپ کا اعتبار ارے توبہ
اور پھر بار بار کون کرے

ساقیا لا بھی آتش سیال
ابر کا انتظار کون کرے

کون جانے وہ آئیں کب ساگر
زیست کا اعتبار کون کرے

نظم بھارت

اونچے اونچے کالے کالے
یہ پربت بھارت کے رکھوالے

گنگا ندیوں کی ہے رانی
جس کا نرمل شیتل پانی

کاگا گاتا جائے گان
بھارت سندر سورگ سمان

کومل کومل پیارے پیارے　　سندر سُندر نیارے نیارے
رنگ برنگے پھول شرابی　　نیلے پیلے لال گلابی
مانو سُندرتا کی کان
بھارت سُندر سورگ سمان

بن میں پنچھی تان اڑائیں　　کوئل مور پپیہے گائیں
رس پی کر بھونرے جھومیں　　کلی کلی کا مکھڑا چومیں
دایو ہے پرانوں کی پران
بھارت سُندر سورگ سمان

سحابؔ

شیو دیال، ولادت ۱۹۰۶ء شاگرد پنڈت میلا رام وفا۔ آپ کا وطن خاص گوبند پور چک ۱۱۳ ہے۔ آپ کی تعلیم ایم۔اے تک ہے۔ آپ مختلف انگریزی اور اُردو روزانہ اخبارات میں کام کر چکے ہیں۔ اس وقت آپ اخبار ملاپ اور اسٹیٹس مین میں بطور نامہ نگار کام کر رہے ہیں۔ آپ کا دیوان موسوم "عشرتِ غم" شائع ہو چکا ہے۔

غرقِ غم ہوں تری خوشی کیلئے　　یہ ہی سجدہ ہے بندگی کیلئے
ہے کسی کے لئے غم عشرت　　عشرتِ غم کسی کیلئے

جب سے اپنا سمجھ لیا سب کو — مل گئے کام زندگی کیلئے

اب یہ صورت ہے کہ امکاں نہیں فرصت کا — ان سے دن رات ملاقات کہاں تھی پہلے
تیرے نغمے ہیں مگر ہیں مرے ہونٹوں پہ رواں — تیری ہر بات مری بات کہاں تھی پہلے

خدا تو دل میں ہے انسان کیوں نہیں ملتا — خدا ہے دل میں تو انساں بھی یہیں ہوگا
نگاہیں عقب ہوئی جا رہی ہیں پردے میں — کسے خبر کہ وہ حور کس قدر حسیں ہوگا

نظر بہار نہ دیکھے تو بے قرار نہ ہو — خزاں سکوں سے گذرے اگر بہار نہ ہو
خزاں کے جور مسلسل پہ بے قرار نہ ہو — بہار دیکھ مگر خوگر بہار نہ ہو

ہر سمت سحاب ان کا جلوہ نظر آتا ہے — میں اپنی حقیقت سے جب پردہ اٹھاتا ہوں

سحرؔ

سردار کنور مہندر سنگھ بیدی، ولادت ۱۹۰۹ء، جائے پیدائش ضلع منٹگمری (پاکستان) آپ کی تعلیم بی۔ اے تک ہے۔ اور آئی۔ اے۔ ایس ریٹائرڈ آفیسر ہیں آپ کی تصنیفات میں طلوع سحر، انوار سحر، تیر و نشتر ہیں۔ آپ اس وقت دہلی میں مقیم ہیں۔

ہمیں کیا علم جو ہم کو یہاں سمجھانے آئے ہیں / کہ ہم دیر و حرم ہوتے ہوئے میخانے آئے ہیں
انھیں بھی دیکھ آئیں اک نظر پھر ہم سے فرمائیں / انہی پر چھوڑتا ہوں جو مجھے سمجھانے آئے ہیں
اگر آتے ہیں ناصح آئیں لیکن اتنا سمجھا دیں / سمجھنے آئے ہیں خود یا مجھے سمجھانے آئے ہیں
بڑھا چل شوق سے اے عشق کے راہی کہ راہیں ہیں / کہیں بستی بھی آئے گی اگر ویرانے آئے ہیں

جام گردش میں ہے ساون کی گھڑی ہے یارو / گردشِ وقت ابھی دور کھڑی ہے یارو
میری قسمت مرے قدموں میں پڑی ہے یارو / منہ تو چھوٹا ہے مگر بات بڑی ہے یارو
یادِ ماضی کو نہ چھیڑو رہِ مولا مجھ سے / یادِ ماضی تو بڑھاپے کی چھڑی ہے یارو

نہ رہبر نہ راہی نہ منزل نہ جادہ / قدم اُٹھ رہے ہیں مگر بالارادہ
پیے جانے والے پیے جا رہے ہیں / نہ شیشہ نہ ساغر نہ ساقی نہ بادہ
مناسب ہے اہلِ خرد کو کہ اکثر / جنُوں سے بھی کرتے رہیں استفادہ

ہزار حیف کہ اب دشمنی پہ مائل ہیں / وہ لوگ جن پہ ہمیں حقِ دوستی بھی ہے
یہ کہہ کے ان سے سحر مانگ حُسن کی خیرات / سخی کے پاس کسی چیز کی کمی بھی ہے

دردِ فرقت کے سوا سوزشِ پنہاں کے سوا / زندگی کچھ بھی نہیں حسرت و ارماں کے سوا
حرم و دیر کی باتیں نہ سُناؤ مجھ کو / کیا کوئی اور بھی در ہے درِ جاناں کے سوا

ہم سے ترکِ تعلقات، ہی سہی
یہ مگر کیا کہ بات بھی نہ کرد
آدمی کا کچھ اعتبار نہیں
تم سحرؔ سے کبھی دوستی نہ کرد

سحرؔ

گھنشیام چندر ولد شری بشن گوپال قوم کائستھ ساکن سنبھل ضلع مرادآباد، (یو۔پی) شاگرد جناب وقارؔ رومانی۔ آپ نے ہندی کے ساتھ اُردو کی بھی تعلیم حاصل کی اور ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا۔

قطعہ

سوز کی بات ساز کیا جانے
تو محبت کے راز کیا جانے
نبض پہچان تو سحرؔ اپنی
تو محبت کے ناز کیا جانے

کس درجہ محبت کی رنگین کہانی ہے
ہر صبح سلونی ہے ہر شام سہانی ہے
بدنصیبی ہمارے کام آئی
وہ گئے گھر سے اور ہم آئے
زندگی کا پتا لگانا ہے
راہِ اُلفت پہ ان کو لانا ہے

سرشارؔ

جیمنی سرشار ولد مہاشے مول چند۔ متوطن خیرپور سادات، تحصیل علیپور، ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) ولادت ۱۹۰۴ء شاگرد جناب تلوک چند محرومؔ، تقسیم ملک کے بعد آپ نے شاہ آباد مارکنڈہ فیروزپور اور اجمیر میں رہنے کے بعد

سونی پت (ہریانہ) میں مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی تھی، آپ کے چار شعری مجموعے بعنوانات جذباتِ سرشار، نغماتِ سرشار، نگارشاتِ سرشار اور تاثراتِ سرشار شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ قومی نظموں کا ایک مجموعہ بھی شائع ہو چکا ہے۔
آپ نے ۱۹۸۲ء میں رحلت کی۔

ہر کس دناکس سے اپنے غم کا افسانہ کہے
ایسے دیوانے کو دنیا کیوں نہ دیوانہ کہے
آپ کی محفل عجب محفل ہے جس میں آدمی
غیر کو اپنا کہے اپنے کو بیگانہ کہے
سی دیئے ہیں ہونٹ تم نے مصلحت کے نام پر
کس میں ہمت ہے کہ دیوانے کو دیوانہ کہے
صرف اتنی بات پر قیدِ قفس کی دھمکیاں
اپنے کاشانے کو طائر اپنا کاشانہ کہے
آج محفل میں کسی پر کوئی پابندی نہیں
جس کو جو کہنا ہے ان سے بے حجابانہ کہے
اپنے اپنے دردو غم سے کس کو فرصت ہے یہاں
کون کس سے اپنے دردو غم کا افسانہ کہے
ہنس رہے ہیں سُن کے سب سرشار دیوانے کی بات
سب کو دیوانہ بتائے خود کو فرزانہ کہے

کریں کس لیے ہم کسی کا لحاظ
کسی کو نہیں جب ہمارا لحاظ
مساوات اس چیز کا نام ہے
کہ اُٹھ جائے چھوٹے بڑے کا لحاظ
لحاظ اس کا کچھ تم کو بھی چاہیئے
کیا ہم نے کتنا تمھارا لحاظ
کسی کی کوئی بات سُنتا نہیں
کسی کو نہیں اب کسی کا لحاظ
کچلتا چلا جائے احساس کو
بہت نامناسب ہے ایسا لحاظ

کھری بات کہنے کے عادی ہیں ہم
نہ بے جا مروّت نہ بے جالحاظ

رُکاوٹ نہ ہو فرض کی راہ میں
کرو بھی تو اتنا کسی کالحاظ

جو انساں زمانے کے کام آئے گا
اسی کا کرے گا زمانا لحاظ

نہ رتبہ نہ عہدہ نہ زر ہے نہ زور
کرے کون سرشارؔ تیرا لحاظ

فرقہ پرستی

اثر اے دوست تجھ سے کیا کہوں فرقہ پرستی کا
ثمر ہے قتل و غارت کشت و خوں فرقہ پرستی کا

یہ لعنت آدمی کو آدمی رہنے نہیں دیتی
ذلیل و خوار کرتا ہے جنوں فرقہ پرستی کا

اکالی ہو کہ لیگی ہو کہ سنگھی جس کو بھی دیکھا
نظر آیا وہی صید زبوں فرقہ پرستی کا

رواداری سے انکو عار ہے نفرت محبت سے
دلوں پر چل گیا جن کے فسوں فرقہ پرستی کا

ابھی نا صاف ہیں زنگ کدورت سے دماغ اکثر
دلوں میں زہر ہے حد سے فزوں فرقہ پرستی کا

چلے گی کب ہوا مہر و محبت کی زمانے میں
علَم کب آہ ہوگا سرنگوں فرقہ پرستی کا

سرشار

لالہ بھیم سین ولد لالہ امرچند قوم کھتری وطن سانہ وال (پنجاب) ولادت ۱۹۱۳ء
شاگرد جناب لبھورام جوشؔ ملسیانی۔

ہم بھلے کی بھی جو کہتے ہیں تو فرماتے ہیں
کیا ہمیں آپ نے نادان سمجھ رکھا ہے

معتقد رحم سا زمانہ میں نہ ہوگا کوئی
کہ ترے جور کو احسان سمجھ رکھا ہے

دردمندانِ محبت کی حقیقت دیکھو
درد کو درد کا درمان سمجھ رکھا ہے

ہم اگر واقفِ اسرارِ حقیقت ہوتے
فکرِ امروز نہ وعدۂ فردا کرتے

اس مسیحائی پہ ہے ناز مسیحا تجھکو
ایک بیمارِ محبت نہیں اچھا ہوتا

سرشارؔ

دوارکا داس ولد لالہ پرکاش چند قوم کھتری ساکن کرتارپور ضلع جالندھر ولادت سنہ ۱۹۱۰ء شاگرد جناب جگن ناتھ کمالؔ و ٹھاکر رتن سنگھ کلیمؔ۔

نہایت ہی مشکل ہے مٹنا ہمارا
قیامت بھی آکر گذر جائے گی

کہاں تک کئے جاؤ گے تم ستم
طبیعت ہے دو دن میں بھر جائیگی

سرشارؔ

پنڈت امرناتھ ولد پنڈت بنتا رام باشندہ موضع ڈھاڈہ کلاں، ضلع ہوشیارپور (پنجاب) ولادت سنہ ۱۹۲۱ء، پیشہ سرکاری ملازمت، شاگرد پنڈت امرناتھ ساحرؔ دہلوی و پنڈت رام پرتاپ اکملؔ جالندھری۔ آپ نے دہلی سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات بھی پاس کئے۔ آپ کی رباعیات کا مجموعہ موسوم "ساغرِ سرشارؔ" شائع ہو چکا ہے۔

انتخابِ ناخدا ہے سوچ لو پھر سوچ لو
پھر نہ کہنا اہلِ کشتی کیا ہوا۔ کیونکر ہوا

ناروا کو نارروا کہنا روا ہے دوستو جب
پھر روا کہنا روا کو نارروا کیونکر ہوا

آپ اس کے جس کا کوئی بھی نہیں کیونکر ہوئے
جو کسی کا بھی نہیں وہ آپ کا کیونکر ہوا

جب اختیار تھا دل پر تو انتشار نہ تھا
اب انتشار ہے دل میں تو اختیار نہیں
تمھارے چاہنے والوں میں ایک میں بھی ہوں
یہ اور بات ہے میں قابلِ شمار نہیں
زر و جواہر و لعل و گہر نہیں کچھ بھی
جو آبرو نہیں عزت نہیں وقار نہیں

ہر گام پہ دل شکنی ہر گام پہ خود رسوائی
ہم حوصلہ مندوں کی یہ حوصلہ افزائی
ساون بھی گیا سوکھا بھادوں بھی گیا سوکھا
برسات کی رُت آئی برسات نہیں آئی

کسی کے غم سے بیشک غم کسی کا کم نہیں ہوتا
کسی کا غم جہاں میں ہر کسی کا غم نہیں ہوتا
یہ پہلو اور ہے ہم سرخوش و سرمست رہتے ہیں
نہیں تو زندگی کا کس گھڑی ماتم نہیں ہوتا

جب آیا جوئے شیریں کے قریں تشنہ دہن آیا
کسی تشنہ دہن کے جوئے شیریں کب قریں آئی
امیروں تک ابھی محدود ہے اسکی دلآویزی
غریبوں تک ابھی سرشار آزادی نہیں آئی

نہ گزارش نہ سفارش کوئی مانی میں نے
دودھ کا دودھ کیا پانی کا پانی میں نے
میری بے لوث محبت کا ہے انجام یہی
در بدر خاک اسی واسطے چھانی میں نے

مشکل سے پدر تو کردار نظر آتا ہے
گھر کی دہلیز سے گھربار نظر آتا ہے
بے خبر آج وہ آئیں گے عیادت کے لئے
آج مر جائے گا بیمار نظر آتا ہے

کہاں تک چھپائیں حقیقت کسی سے — حقیقت کسی سے چھپائے چھپی ہے
تمھیں واسطہ کیا کسی کی خوشی سے — تمھاری خوشی تو تمھاری خوشی ہے

سرورؔ

سورج کنول ولادت ۱۹۲۰ء شاگرد جناب ہما ہریانوی، آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی اور محکمہ تعلقاتِ عامہ جالندھر میں بطورِ فیلڈ پبلیسیٹی آفیسر کام کرچکے ہیں۔ آپ بزم ادب جالندھر کے جنرل سکریٹری بھی رہ چکے ہیں، ۱۹۶۶ء میں دنیائے فانی سے کوچ کیا۔

ابھی ہم دستِ ساقی سے چھلکتا جام لیتے ہیں — ابھی تیری خبر اے گردشِ ایام لیتے ہیں
غرض فریاد سے ان کو نہ مطلب آہ و نالہ سے — محبت کرنے والے خامشی سے کام لیتے ہیں
کہا جاتا ہے جب افسانۂ سوزِ نہاں ان سے — اُدھر وہ اور اِدھر ہم اپنے دل کو تھام لیتے ہیں
یہی لے دے کے اب تو رہ گیا ہے مشغلہ اپنا — ترا ہی ذکر کرتے ہیں ترا ہی نام لیتے ہیں
یہ اندازِ خریداری کبھی دیکھا نہ تھا ہم نے — متاعِ زندگی بھی آپ تو بے دام لیتے ہیں
سرورؔ ان سے ہمیشہ دور ہی رہنا مناسب ہے — دروغِ مصلحت آمیز سے جو کام لیتے ہیں

پی کے جو بادۂ طہور آئے — کیوں نہ چہرے پہ انکے نور آئے
عارضی کیف کی طلب ہے فضول — آئے تو دائمی سرور آئے
دل کی دنیا میں تیرگی نہ رہی — دل کی دنیا میں جب حضور آئے

لطف تو جب ہے بادہ نوشی کا ہم پئیں آپ کو سرور آئے
کیوں نہ اس انجمن میں رونق ہو جسمیں سورج کنول سرور آئے

جو تیرا اعتبار کرتے ہیں حشر تک انتظار کرتے ہیں
میکشی بے سبب نہیں اپنی احترام بہار کرتے ہیں
ہم تیری بندگی کریں نہ کریں تیرے بندوں سے پیار کرتے ہیں
ذکر کرکے مری دفاؤں کا آپ توشرمسار کرتے ہیں
رند اتنے گنہ نہیں کرتے جتنے پرہیز گار کرتے ہیں
آپ وعدہ دفا کریں نہ کریں ہم مگر اعتبار کرتے ہیں
غم و آلام میں بھی ہم تو سرور شکر پروردگار کرتے ہیں

سمن

رام چند ولد شری جیسا رام قوم کپور جائے پیدائش قصبہ پروا تحصیل و ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں (صوبہ سرحد) ولادت ۱۹۲۲ء شاگرد جناب جستہ ام ناتھ ایڈوکیٹ موہن۔ آپ نے پوسٹ میٹرک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد درس و تدریس کو ذریعۂ معاش بنایا۔ تقسیم وطن کے بعد آپ دلی منتقل ہو گئے اور اپنی سرپرستی میں ایک کمرشیل کالج کی بنیاد ڈالی۔ جو فرنٹیر کمرشیل کالج کے نام سے پہاڑ گنج دہلی میں جاری ہے۔ آپ بہترین قسم کے صحافی اور بہت سی کتب کے مصنف تھے

آپ کی تصنیفات پر سرکار سے ایوارڈ بھی مل چکے ہیں۔ آپ نے دیدوں کے چار سو منتروں اور اپنیشدوں کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو مختلف اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے روس کے مشہور شاعر مایاکوفی کی نظم "لینن" کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو ۱۹۸۰ء میں کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ ۲۴ جنوری ۱۹۸۵ء کو جامِ فنا نوش کیا۔

رباعیات

جینا ہے تو کس بات سے گھبراتے ہو
کیوں روتے ہو کس بات کا غم کھاتے ہو
مانا کہ ہے ہر گام پہ مشکل درپیش
کیوں رکتے ہو تم راہ میں تھم جاتے ہو

لازم ہے کہ ہر شے کی حقیقت دیکھو
ہر روح کے گوشے کے تم اندر جھانکو
ہر گز نہ تم یہ سوچو کر کل کیا ہو گا
جو آج کا ہے کام مکمّل کر لو

قطعات

خود بخود یہ جمود ٹوٹے گا
یہ تو ممکن نہیں زمانے میں
دست و پا تو ہلانے پڑتے ہیں
کامیابی ہے تانے بانے میں

ہم تھے مجبور اپنی فطرت سے
خوب یاروں نے مل کے گھر لوٹا
جب مصیبت پڑی کوئی سر پر
ساتھ اک اک کا اے یمن چھوٹا

شمع جب روشن ہوئی تو خونِ پروانہ ہوا
بارگاہِ حسن میں قربان دیوانہ ہوا

ہمارے عشق کا چرچا زبانِ خلق پر
مختصر سی بات تھی لیکن اک افسانہ ہوا

یں سکوں نا آشنا رہتا ہوں پارے کی طرح
دل مرا اس برق وش کا جب سے دیوانہ ہوا

ت جب مشکل پڑا مجھ پر ہوا معلوم یہ
دور مجھ سے کس طرح ہر اپنا بیگانہ ہوا

ا کاشانہ تو تھا آباد جلووں سے ترے
تیرے جانے سے سراسر گھر یہ ویرانہ ہوا

میکدے کے نام سے نا آشنا تھا شیخ جب
کس طرح وہ واقفِ آدابِ میخانہ ہوا

جام و مے سے گرچہ میخانہ کی رونق کم نہ تھی
جلوۂ ساقی سے میخانہ پری خانہ ہوا

ز داری ہے اگرچہ دوستو بارِ گراں
خوگرِ بارِ گراں ہر صاحبِ خانہ ہوا

پنی اس خوش قسمتی پر کیوں نہ نازاں ہو سمن
آج اس کو دفعتہً دیدارِ جانانہ ہوا

انسان ہیں انساں کو خراساں نہ کرینگے
بے وجہ کسی کو بھی پریشاں نہ کرینگے

جب تک غمِ ہستی کا مداوا نہیں ہوتا
عشرت کا کبھی بھول کے ساماں نہ کرینگے

سینہ میں چھپا رکھا ہے جو داغِ محبت
دنیا کے لئے اس کو نمایاں نہ کرینگے

ہم خاک نشیں عشق کے جوہر سے ہیں واقف
ہم خواہشِ اورنگِ سلیماں نہ کرینگے

اوروں کو ستانا تو درندوں کی ہے فطرت
یہ کام کبھی حضرتِ انساں نہ کرینگے

رہبر جو ہیں اس دور کے رہزن سے نہیں کم
ہم ان کو نگہبانِ گلستاں نہ کرینگے

ہیں اور جو اس نارِ تعصب کو ہوا دیں
ہم فرقہ پرستی کو فروزاں نہ کرینگے

خود آگ میں جل جائیں گے پروا نہیں اپنی
اوروں کو مگر شعلہ بداماں نہ کرینگے

ہر گز نہ سمن بیٹھیں گے آرام سے جب تک
دشواریِ ہر زیست کو آساں نہ کرینگے

سوز

خیراتی لال خلف شری دیر بھان باشندہ امرتسر، ولادت ۱۹۱۹ء۔ آپ محکمۂ ریلوے میں ملازم ہو کر انبالہ۔ راجپورہ۔ دہلی وغیرہ اسٹیشنوں پر بکنگ کلرک کی حیثیت سے کام کرنے کے بعد ۱۹۶۵ء میں تبدیل ہو کر سہارنپور اسٹیشن پر آگئے سہارنپور تبدیل ہونے سے بیشتر آپ جناب ابر احسنی گنوری مرحوم سے بذریعہ خط و کتابت مشورۂ سخن کرتے رہے، سہارنپور تبدیل ہو جانے کے بعد آپ راقم الحروف سے مشورہ کرتے رہے۔ ۱۹۸۰ء میں آپ ملازمت سے ریٹائر ہو چکے ہیں۔ کچھ روز دہرہ دون میں مقیم رہنے کے بعد آپ کنیڈا چلے گئے ہیں۔

بتِ بے وفا سے وفا کر رہا ہوں
مجھے کیا ہُوا ہے میں کیا کر رہا ہوں

یہ عیش اور عشرت نشاط و مسرّت
خوشی پر تمہاری فدا کر رہا ہوں

رہے تا قیامت بتوں سے محبّت
خدا سے یہ ہر دم دُعا کر رہا ہوں

نہیں ان کے جورِ مسلسل کا شکوہ
مقدّر کا اپنے گلا کر رہا ہوں

جھکا کر جبیں ان کے نقشِ قدم پر
نمازِ محبّت ادا کر رہا ہوں

نگاہوں میں اتنا اثر ہو چکا ہے
نظارہ ترا جابجا کر رہا ہوں

ترا رازداں کوئی ملتا نہیں ہے
میں ہر ہر بشر سے پتا کر رہا ہوں

مٹایا ہے اُسے سوزؔ جس بے وفا نے　　اسی سے اُمیدِ وفا کر رہا ہوں

وحدت پرستی

اے بشر تو نام لے شام و سحر بھگوان کا　　کہ وہی رزّاق ہے حیوان کا انسان کا
اُٹھ کہ بل سے مٹا دے حرفِ باطل کا نشاں　　چاک کر دے آگہی سے پردہ تو اگیان کا
ہو گئے ہیں رازہائے غیب جس پر منکشف　　مرتبہ پایا ہے اس انسان نے بھگوان کا
ہر بشر کی منزلِ مقصود آخر ایک ہے　　راستہ ہو وید کا یا راستہ قرآن کا
رکھ بھروسہ اے بشر تو صرف اسکی ذات پر　　کہ نہیں ثانی کوئی عالم میں اسکی شان کا
جام بھر بھر کر پیئے جا تو مئے توحید کے　　مست ہو کر لطف لے پھر آتما کے گیان کا
ذرّے ذرّے سے نمایاں سوزؔ اسکا نور ہے　　سر بسر ہر شے جہاں کی نور ہے بھگوان کا

سوزؔ

ہیرا نند خلف شری ٹیک چند وطن میانوالی (پاکستان) ولادت ۱۹۲۲ء۔
تقسیم ملک کے بعد آپ بھارت چلے آئے اور ریلوے ڈپارٹمنٹ میں ملازم ہو گئے۔
۱۹۸۰ء میں ملازمت سے ریٹائر ہو جانیکے بعد فرید آباد (ہریانہ) میں مقیم ہیں۔

میں تو نکلا تھا محبّت کی طلب میں گھر سے　　میرے آئینۂ احساس پہ پتھر برسے
گلشنِ دل میں بہاروں کا گذر بھی نہ رہا　　میں نے دیوار کھڑی کی تھی خزاں کے ڈر سے
میں نے اب کر لیا اپنے پہ بھروسہ یارب　　عمر بھر کون ترے دستِ کرم کو ترسے
راستی اپنی جگہ ٹھیک مگر سچ کہہ کر　　دشمنی مول نہ لو سوزؔ زمانے بھر سے

خانۂ دل میں تو اُمید کی لو پاؤ گے
اور ہر سمت اندھیرا ہے کدھر جاؤ گے
لوگ کردار کو الفاظ سے ڈھک لیتے ہیں
ان کی باتوں پہ یقیں کر کے خطا کھاؤ گے
مے پرستی بھی گنہ نفس پرستی بھی گنہ
کیا اسی خوف سے جذبات کو ترساؤ گے
ہر غلطیات کا الزام زمانہ پہ دھرو
اپنے اندر بھی کبھی جھانکو گے تو گھبراؤ گے

گر عکس آئینہ میں کسی اور کا نہیں
تو میں ہی اپنے آپ کو پہچانتا نہیں
خوں کا زہر حلق میں ٹپکا ہے بوند بوند
میں کتنا سخت جان ہوں ابھی تک مرا نہیں
اُٹھتا ہے اب جو ہاتھ خدا کے حضور میں
وہ دستِ احتجاج ہے دستِ دُعا نہیں
کس کس کے در پہ سوز لگائے گا تو صدا
کھڑکی کو تو اپنے گھر کی کوئی کھولتا نہیں

جب مرا سنگِ ملامت ہی مرا سر ڈھونڈے
میرے عصیاں کیلئے کیوں کوئی پتھر ڈھونڈے
گمرہی ہے مری آوارہ مزاجی کو عزیز
جس کو منزل پہ پہنچنا ہو وہ رہبر ڈھونڈے
دیکھ کر پاؤں پساریں یہ تو ہوگا ہم سے
جو سمٹ سکتا ہو چادر میں وہ چادر ڈھونڈے
اس قدر زخم لگے سوز کو اپنوں سے کہ اب
وہ محبت بھرے ہاتھوں میں بھی خنجر ڈھونڈے

دلِ گناہ طلب کو میں ٹالتا کیسے
وہ گھر کا چور تھا اسکو نکالتا کیسے
گرے ہوؤں کو اگر میں نہ روندتا جاتا
تو اتنی بھیڑ میں خود کو سنبھالتا کیسے

مرا وجود بڑا تھا سماج کے قد سے
میں اسکے سانچے میں اپنے کو ڈھالتا کیسے
خدا نے چھوڑ دیا سوز سوختہ جاں کو
وہ مشت خاک کو دوزخ میں ڈالتا کیسے

نہ عاقبت سے ڈرا مجکو میرے اے ضمیر
مرا وجود ہے خود ہی گناہ کی تعزیر
طلسم ذات ہے بس کچھ ہوا کے جھونکوں پر
میں اک فسانہ ہوں صحرا کی ریت پر تحریر
ہے علم و فن میں خلاؤں کی بیکراں وسعت
مرا شعور فقط روشنی کی ایک لکیر

سہگل

رادھا کرشن سہگل ولد رائے زادہ چیلا رام۔ ولادت ۱۹۰۹ء۔ آپ نے رام سکھ داس کالج فیروز پور شہر اور دیانند متھرا داس کالج موگا میں تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں محکمۂ ریلوے میں بحیثیت گارڈ بھرتی ہو گئے اور ترقی کرتے کرتے محکمۂ ریلوے میں ڈویژنل کمرشیل سپرنٹنڈنٹ اور ڈیفنس منسٹری اور ریلوے منسٹری وغیرہ میں ممتاز رہنے کے بعد فوڈ کارپوریشن آف انڈیا کے صدر دفتر سے بعہدہ سینیر ڈپٹی مینیجر ۱۹۷۰ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کا جدی وطن ملتان (پاکستان) ہے۔

کیا مجبور دنیا کے غموں نے
بلا نوشی کی عادت ورنہ کب تھی
تمھاری یاد کا احسان ہے یہ
مجھے جینے میں لذت ورنہ کب تھی
تجھے دیکھا ہے شاید ان بتوں میں
بتوں سے مجکو الفت ورنہ کب تھی

محبت کی خلش کیا خوب ہوگی   نصیبِ دل پہ راحت ورنہ کب تھی

پتا سحر کا بتاؤ تو کچھ سکون ملے   نقاب رُخ سے ہٹاؤ تو کچھ سکون ملے
چمن میں پھول کھلاؤ تو کچھ سکون ملے   بہار بن کے تم آؤ تو کچھ سکون ملے
لکھے تھے اپنے لہو سے جو میں نے گیت کبھی   وہ گیت گا کے سناؤ تو کچھ سکون ملے

قطرے اشکوں کے جو پلکوں پہ سجا دیتے ہیں   دل کو احساسِ محبت کا پتا دیتے ہیں
داستاں درد کی افسانۂ غم دوراں کا   وہ سنیں یا نہ سنیں ہم تو سنا دیتے ہیں
دل دھڑکتا ہے تو آنکھوں سے ٹپک کر آنسو   ظرف انسان کا کتنا ہے بتا دیتے ہیں

شبِ فراق ہی دراصل اہلِ درد کیلئے   شبِ برات ہے اہلِ خرد کو کیا معلوم
چراغ زخموں کے جلتے ہیں گھپ اندھیرا ہے   یہ دل کی بات ہے اہلِ خرد کو کیا معلوم

دل شکستہ اہلِ غم ہیں آج کل   عشق نے دی تھی جو ہمت کیا ہوئی
فکرِ بیش و کمِ غم سود و زیاں   ہائے وہ بے لوث اُلفت کیا ہوئی

میں تنہائی سے محو گفتگو ہوں   خموشی ہمزباں ہونے لگی ہے
نقاب اپنی اُلٹ دی کس نے رُخ سے   زمیں پھر آسماں ہونے لگی ہے

آج اترائی ہوئی بادِ صبا آئی ہے
نکہتِ گیسوئے شب رنگ اڑا لائی ہے
یاد ماضی کی نہیں فکر نہیں فردا کی
زندگی مجکو نئے موڑ پہ لے آئی ہے

فکر و فن

فکر و فن ہے روشنیِ شمعِ بزمِ زندگی
فکر و فن ہے اہلِ دانش کیلئے تابندگی
فکر و فن سوزِ دلِ مضطرب، شعورِ نغمگی
فکر و فن سے بزمِ عالم میں ہے دائم زندگی
فکر و فن شوقِ تجسس کیلئے مہمیز ہے
فکر و فن سے شاعری ہے فکر و فن ہے بندگی
فکر و فن کو کہیئے سہل سا ساغرِ آبِ حیات
فکر و فن سے تشنہ کاموں کو ملی آسودگی

شاد

مُرلی دھر خلف لالہ سری رام (مصنف خمخانۂ جاوید) باشندہ دہلی تلمیذ حضرت بیخود دہلوی۔ آپ کا دیوان موسوم گل و انجم شائع ہو چکا ہے۔ آپ کافی عرصہ ہوا انتقال کر چکے ہیں۔

دل ہوتا ہے ٹکڑے بن جاتی ہے جی پر
پڑتی ہے نظر جب کسی پژمردہ کلی پر
تکیہ تری رحمت پہ کئے بیٹھے ہیں ہم تو
تیرا ہی سہارا ہے توکل ہے تجھی پر
میں روتا ہوں اس واسطے ہو خاتمہ بالخیر
مرنا تو ہے۔ یہ وقت تو آتا ہے سبھی پر
لٹکے ہوئے دام میں ٹوٹے ہوئے بازو
جس بلبلِ ناشاد کے نکلے تھے ابھی پر
رونے کی ہے جا ہنستا ہے تو خوفِ خدا کر
مجھ بے سر و ساماں کی غریب الوطنی پر
اک مجھ پہ ہی کیا موقوف ہے اے حضرتِ بیخود
مرتے ہیں سبھی آپ کی شیریں سخنی پر

انسان کا ایمان ٹھکانے نہیں رہتا
اے شاد کبھی آئے مصیبت نہ کسی پر

شاد

ہر بھگوان جائے پیدائش، راولپنڈی۔ ولادت ۱۹۲۲ء۔ آپ نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ اس وقت آپ روزانہ اخبار "ہند سماچار" جالندھر میں بطور ایڈیٹر کام کر رہے ہیں۔ قریب ایک درجن کتب کے مصنف ہیں۔

تیرے کرم نے کیا نہ دیا اور کیا دیا
سب کچھ دیا جو اک دلِ بے مدعا دیا

میں پہلی بار کرتا ہوں دستِ طلب دراز
تیری عنایتوں نے مجھے حوصلا دیا

میں لفظِ دل نشیں تھا کتابِ حیات میں
حرفِ غلط سمجھ کے مجھے کیوں مٹا دیا

اے شاد قیدِ عشق پہ قربان جائیے
قیدِ غمِ حیات سے دل کو چھڑا دیا

مجھ کو ہوتا ہے شفق پر کوہِ آتش کا گماں
ماہِ نو اک خنجرِ خونخوار ہے تیرے بغیر

اے اجل مجھکو شبِ غم کی مصیبت سے چھڑا
آ کہ میری زندگی بیکار ہے تیرے بغیر

چبھتے ہیں میری نظر میں پھول کانٹوں کی طرح
سیرِ گلشن موجبِ آزار ہے تیرے بغیر

اے حسنِ یار کونسا تجھ میں کمال ہے
اک بار دیکھ لیں تو بھلانا محال ہے

بے جا ہے نازِ حسن عبث ہے غرورِ عقل
دنیا میں ہر کمال کو آخر زوال ہے

پُر زیب تو بہت ہے ترے حسن کی شبیہ
اس میں وفا کا رنگ مگر خال خال ہے

شاد

لالہ جگن ناتھ پرشاد خلف لالہ ہوشیاری لال قوم دیش اگروال ساکن قصبہ بسوان ضلع سیتاپور (یو۔پی) پیشہ زمینداری، ولادت سنہ ۱۹۰۱ء۔ شاگرد حکیم محمد افتخار علی جگر بسوانی۔ آپ کانگریس کے سرگرم کارکن تھے۔ اور تحریک آزادی کے سلسلہ میں کئی مرتبہ سزائے قید بھی کاٹ چکے ہیں۔

ہمارے لئے صرف ہندوستاں ہے — ہمارا وطن ہے، ہمارا جہاں ہے
خدا جانے کیوں اسقدر بدگماں ہے — مری تاک میں رات دن باغباں ہے
یہ خونِ شہیداں کی گلکاریاں ہیں — کہ جلیان والا بنا گلستاں ہے

تذکرہ کا دشہائے گلچیں ہو گئی شانِ وطن — کیسی عبرت خیز ہے سیرِ گلستانِ وطن
مر کے ملتا ہے وفاداروں کو لطفِ زندگی — زندۂ جاوید ہوتے ہیں شہیدانِ وطن

باغِ جہاں میں صورتِ شاخِ شکستہ ہوں — یکساں ہیں اس چمن میں بہار و خزاں مجھے
اے شاد میرے دل میں محبت ہے ملک کی — کہتے ہیں لوگ کشتۂ ہندوستاں مجھے

موافق ہوں ہوائیں پھر وہی دورِ جہاں آئے — نظر پھولا پھلا مجکو مرا ہندوستاں آئے
ترے ابرو کو کیا سمجھے نگہ کو تیری کیا جانا — اسے تیغِ اجل سمجھے اسے تیرِ قضا جانا

شاکر

لالہ گوردھن داس خلف لالہ بھگوان داس، باشندہ مہدی پور سوس،
ضلع رہتک (ہریانہ) ولادت ۱۹۰۲ء۔ پیشہ درس و تدریس۔

بیگانے کو یگانہ بناتی ہے عاجزی — وہ سربلند ہے جسے آتی ہے عاجزی
بغض و حسد کو جوشِ غضب عناد کو — حرفِ غلط کی طرح مٹاتی ہے عاجزی

خانۂ دل جس کا ہو روشن خدا کے نور سے — کام اسکو ہے زر پری نہ مطلب حور سے
کچھ مشقت کی کمائی میں جو ملتا ہے مزا — اسکی لذت پوچھیے جا کر کسی مزدور سے

شایاں

جگدیش پرشاد شرما خلف پنڈت پنّا لال۔ باشندہ مظفر نگر، ولادت ۱۹۱۷ء، شاگرد جناب گورشرن لال ادیب لکھنوی (برادرِ خورد گوپی ناتھ امن لکھنوی) آپ نے ایم۔اے تک اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اعلیٰ قابلیت اور منشی کامل کے امتحانات بھی پاس کئے۔ آپ عمر بھر شعبۂ تعلیم سے وابستہ رہے ۱۹۷۷ء میں انسپکٹر آف اسکولس کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

جب گئی میری نظر حسنِ فروزاں کے قریب — سوز ہی سوز کا عالم تھا رگِ جاں کے قریب
اک نظر آپ کبھی جانبِ دل کر لیتے — چاک اک اور بھی ہے چاکِ گریباں کے قریب
غیرتِ دل کا تقاضا ہے کہ اے جنوں — لوٹ آتا ہوں میں جا کر درِ جاناں کے قریب

سرگراں آج تک ارباب چمن ہیں مجھ سے — چند لمحے ہی گذارے تھے گلستاں کے قریب
بزم دل، بزم طرب، بزم مہ و انجم میں — ہے وہی ساز جو بجتا ہے رگ جاں کے قریب
جب دیا مشورہ احساس ادب نے مجھکو — انگلیاں رک گئیں آکر ترے داماں کے قریب
ایک دیوانہ پہ اس درجہ کرم ہے ان کا — چھپ کے بھی آنکھ سے ہیں دل شیداں کے قریب

نازکی باتیں سنو، انداز کی باتیں سنو — مجھ سے حسن شعبدہ پرداز کی باتیں سنو
رنجش بیجا، غرور ناز کی باتیں سنو — مجھ سے میرے گمشدہ اعزاز کی باتیں سنو
دور بیٹھو گے اگر مجھ سے تو کیا آئیگا لطف — دل کے پاس آؤ شکست ساز کی باتیں سنو
کہہ رہے ہیں بے وفا جسکو سبکساران عقل — میرے منہ سے اس سراپا ناز کی باتیں سنو
دور ہو جائیگا دل سے خود فریب آگہی — بیخودی سے جلوہ گاہ ناز کی باتیں سنو
چاک دامن، آنکھ پرنم، تشنگی ہی تشنگی — مجھ سے اس عالم میں اس دمساز کی باتیں سنو
ہو کے خم اک بار جو شایاں کبھی اٹھی نہیں — اس جبیں سے آستان ناز کی باتیں سنو

دل پہ اب حسن کی پرسش کا اثر باقی ہے — درد مٹ کر بھی بہ انداز دگر باقی ہے
درد دل، سوز جگر، دیدۂ تر باقی ہے — آج تک سوزش افتاد نظر باقی ہے
شوکت و شان جبیں عظمت سر باقی ہے — نقش پا ایک سر راہ گذر باقی ہے
جائے امن آج کہیں دہر میں باقی نہ رہی — آپ کی زلف کے سائے میں مگر باقی ہے

اثرِ بادہ و مینا نہیں باقی لیکن — بادہ بردوشِ نگاہوں کا اثر باقی ہے
ہم سے وارستہ مزاجوں کے ہی دم سے شایاںؔ — رونقِ انجمنِ شام و سحر باقی ہے

سبھی کے ہونٹوں پہ اب ہنسی ہے کسی کے لب پر دُعا نہیں ہے
کبھی جو درد آشنا نہیں ہو کوئی بھی درد آشنا نہیں ہے
یہ بیخودی ہے کہ نقشِ پا کو میں اک فریبِ نظر سمجھ کر
وہاں وہاں کر رہا ہوں سجدہ جہاں جہاں نقشِ پا نہیں ہے
گرے ہوئے اپنے مرتبے سے کچھ آج ہیں حسن و عشق دونوں
جفا میں حسن جفا نہیں ہے وفا میں حُسنِ وفا نہیں ہے
وفا کے دامن پہ داغ ہے یہ وفا کے پہلو میں بار ہے وہ
جو غم غمِ عاشقی نہیں ہے۔ جو دل دلِ مبتلا نہیں ہے
جو درد درماں طلب ہے شایاںؔ نہیں ہے کچھ اسکی قدر و قیمت
جو طالبِ لُطفِ اعتنا ہے وہ درخورِ اعتنا نہیں ہے

شبابؔ

وید پرکاش گپتا خلف شری مراری لال ولادت ۱۹۲۳ء شاگرد جناب جرمؔ محمد آبادی و ناشادؔ کانپوری۔ آپ نے بنارسی داس ہائی اسکول انبالہ سے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد کرشچیل کالج دہلی سے بی، اے کی ڈگری

حاصل کی۔ ۱۹۴۲ء میں آپ ریلوے منسٹری میں ملازم ہو کر کلکتہ چلے گئے۔ دورانِ ملازمت ایم۔اے کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۵۸ء میں حکومتِ ہند کی جانب سے لیبر ایڈمنسٹریشن کورس کے لیئے انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ بھی گئے۔ اس کے علاوہ فرانس، سوئٹزرلینڈ، مصر، عدن وغیرہ کی بھی سیر کر چکے ہیں۔ ۱۹۷۴ء میں آپ بحیثیت ریجنل لیبر کمشنر دہلی میں کام کر رہے تھے۔

کوئی تو ہوتا ہمارا رازداں — ہم بھی کہتے دردِ دل کی داستاں
کیا کہیں کس سے کہیں ہم حالِ دل — کوئی ہمدم ہے نہ کوئی ہمزباں
شاخِ گل محفوظ ہے، کیا غم، اگر — برق کی زد میں ہے، اپنا آشیاں
دل کی باتوں پر یقیں کر لیجیئے — بندہ پرور آپ کیوں ہیں بدگماں
آئے حب تک صحنِ گلشن میں بہار — کون جانے کیا ہو رنگِ گلستاں
لاکھ زنداں کو سجاؤ اے شباب — آشیاں پھر بھی رہے گا آشیاں

اے ساقیٔ گلفام ذرا میری بھی سُن لے — بھر دے مرا جام ذرا میری بھی سُن لے
اے شیخ سُنی میں نے تری رام کہانی — اللہ کا لے نام ذرا میری بھی سُن لے
مجکو بھی میسر ہو کوئی لمحہ تسکیں — اے گردشِ ایام ذرا میری بھی سُن لے

بیانِ غمِ دل گوارا نہیں ہے — مگر ضبط کا بھی تو یارا نہیں ہے

یہ دل ہے کسی کی نگاہوں کا مارا — زمانے کی گردش کا مارا نہیں ہے
شباب اُنکی محفل میں جانا پڑے گا — اب اسکے سوا کوئی چارا نہیں ہے

آؤ حُسنِ یار کی باتیں کریں — پھر اسی دلدار کی باتیں کریں
سرکشی ایثار کا شیوہ نہیں — ہم رسن کی دار کی باتیں کریں
کچھ تو کم ہوں زندگی کی اُلجھنیں — گیسوئے خمدار کی باتیں کریں

آرزوئے حیات باقی ہے — درد کا التفات باقی ہے
ہائے کب تک گنوں غمِ ہجراں — اور ابھی کتنی رات باقی ہے
یا جنوں میں مرے کمی ہے ابھی — یا ترا التفات باقی ہے

وہ ربط میرے دل کو ہے اہلِ وطن کے ساتھ — جو ہے نسیم صبح کو صحنِ چمن کے ساتھ
ممکن نہیں کہ چھوڑ دے یہ اپنی کج روی — ناحق شباب اُلجھے ہو چرخِ کہن کے ساتھ

ستاروں سے نہیں اعمال سے بنتی ہیں تقدیریں — ستارے ٹوٹ جاتے ہیں ستاروں کا بھروسا کیا
شباب آنے تو دو فصلِ نو کو صحنِ گلشن تک — یہ توبہ توڑ دینگے بادہ خواروں کا بھروسا کیا

شباب

ستیش چندر اسمانہ۔ ولادت ۱۹۱۳ء شاگرد جناب علی حیدر خاں قمر از ...نگار بارہ بنکی) پیشہ درس و تدریس۔ ستائیس سال کی عمر میں آپ کی صحت خراب ...ہوگئی تھی۔ اور یہ سلسلہ تا دمِ مرگ جاری رہا۔ حیدر آباد آکر آپ حضرت علی اختر مرحوم ...کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے۔ ۱۹۸۱ء کے بعد وفات پائی۔

...ں اندھیرے میں اجالے کا نشاں ہے، کہ جو تھا
منتظر نور کا تاریک جہاں ہے کہ جو تھا

...پہلا کی طرح رخِ دوست ضیا پاش ہے آج
گیسوئے یار ابھی عطر فشاں ہے کہ جو تھا

...شامِ غم اب بھی دکھاتی ہے پرانا منظر
دیدۂ غم میں وہی اشک رواں ہے کہ جو تھا

...امید ترے چاہنے والوں کو ہے
ہر تبسم پہ محبت کا گماں ہے کہ جو تھا

...پھو ترنم بھی، زباں چھپتی ہوئی، تازہ پیام
شاعروں کا وہی اندازِ بیاں ہے کہ جو تھا

...ایک میرا ہی نہیں تجربہ سب کا یہ ہوا
خارِ گلشن میں گلوں کا نگراں ہے کہ جو تھا

...ں کہوں کیسے کہ دن میرے گلستاں کے پھرے
جب بہاروں میں وہی رنگِ خزاں ہے کہ جو تھا

...م پرستانِ بتاں ایک زمانے سے ہیں
اسمِ اکبر بھی مگر وردِ زباں ہے کہ جو تھا

...صبح ہوتے ہی شباب آپ کے گھر آیا ہے
دیکھیے پیجئے وہی مائلِ فغاں ہے کہ جو تھا

شرر

ادتم چند ولد شری منگو رام قوم بجاج۔ جدی وطن سیت پور تحصیل علیپور، ضلع مظفر گڑھ (پاکستان) ہے۔ ولادت ۱۹۱۶ء۔ ہندی اور سنسکرت میں

ایم۔ اے پاس کرنے کے بعد آپ آریہ کالج لدھیانہ پانی پت اور کرنال میں ہندی اور سنسکرت کے لیکچرر رہ کر ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آریہ سماج کا مشن آپ کا مقصدِ حیات ہے اور آپ ایک کامیاب مقرر کی حیثیت رکھتے ہیں، آپ کا دیوان "پھول اور کانٹے" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔

قطعات

تجھ کو جینا ہے تو پھر زیست کے کچھ ساماں کر
ورنہ اس زیست سے کیا مفت کی ذلت کبھی نہ لے
اپنے نالوں سے جگا سوئی ہوئی قسمت کو
جو ملے غیر کی رحمت سے وہ جنت بھی نہ لے

سنا ہے موسمِ گل پھر ہوا ہے زیبِ چمن
مگر ہمارے یہاں جلوۂ بہار کب ہوگا
آستیں یہ گریباں یہ جیب یہ دامن
بتا اے جوشِ جنوں تار تار کب ہوگا

انھیں یہ ضد کہ چمن بوند بوند کو ترسے
ہمیں طلب کبھی ابرِ بہار بھی برسے
حضور کہنے کو اب رہ ہی کیا گیا ہے
کہ دل کا حال تو ظاہر ہے دیدۂ تر سے
نہ راستوں کا نشاں ہے نہ منزلوں کا سراغ
ہمیں تو فیض یہی کچھ ملا ہے رہبر سے
خدا کا واسطہ اہلِ خرد کو سمجھا دو
بہار آئی ہے نکلیں نہ آج وہ گھر سے
رہِ وفا کے خم و پیچ، پُر خطر، تسلیم
بڑھے قدم نہیں رکتے مگر کسی ڈر سے
زہے نصیب کہ ساقی وہ کور ذوق ملا
جو تشنگی کو شمر ناپتا ہے ساغر سے

زندگانی میں کوئی اور سہارا ہی نہ تھا   غم کی لذت بھی نہ ہوتی تو گذارا ہی نہ تھا

ے احساس کی دنیا میں اُتر کر دیکھو   پھر نہ کہنا کہ کوئی درد کا مارا ہی نہ تھا

مانگ لاتے کبھی ساقی سے خودداری ہم بھی   ذوقِ خوددار کو لیکن یہ گوارا ہی نہ تھا

ری دزدیدہ نگاہی کا ہوا جب سے شکار   دل بھی ہاتھوں سے گیا جیسے ہمارا ہی نہ تھا

ڑ کے دیکھا بھی نہ اک بار کہاں کا رُکنا   جیسے ظالم کو شررؔ ہم نے پکارا ہی نہ تھا

شعلہ

لالہ دوارکا داس ولد لالہ نرائن داس قوم کھتری۔ ولادت ۱۹۱۰ء آپ ایک ریزی دواخانہ کے مالک کے تھے جو لاہور میں تھا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ دہلی میں منتقل ہو گئے تھے۔

خدا کا نام بڑا ہے مگر پتا نہ ملا   کسی کو بھول بھلیاں میں راستا نہ ملا

تلاشِ حق میں نہ دنیا کو چھوڑ اے زاہد   کہیں کا بھی نہ رہے گا اگر خدا نہ ملا

زہے نصیب کہ بجلی نے راہ دکھلائی   بہت تلاش کے بعد آج آشیانہ ملا

خدا کو چھوڑ کے کھوئے گئے کدھر شعلہؔ   خدا کی راہ میں اپنا بھی کچھ پتا نہ ملا

مجھے غمہائے ہست و بود نے برباد کر ڈالا   مری تقدیر کی برگشتہ سامانی نہیں جاتی

نہ جانے کون سے غم نے کیا یہ حال شعلہؔ کا   کہ بیچارے کی صورت بھی تو پہچانی نہیں جاتی

مری زباں سے مرے غم کا ماجرا سُن لے — کہ سلب ہونے کو ہے طاقتِ بیاں صیاد
نہیں ہے تابِ نظارہ قفس پرے لے چل — میں دیکھتا ہوں کہ جلتا ہے آشیاں صیاد

دیکھ کر کالی گھٹا آنکھوں میں آنسو آگئے — پھر کسی کی یاد نے اک درد پیدا کر دیا
اے دلِ ہنگامہ پرور اے سکوں نا آشنا — راز جو میں نے چھپایا تو نے افشا کر دیا

متفرق اشعار

لڑکپن کھیلنے کے دن بادشاہی کے دن ہیں — جوانی کے دن کم نگاہی کے دن ہیں
ناکام آرزو کو ناکام رہنے دیجئے — بدنام ہو چکا ہوں بدنام رہنے دیجئے
مجھ سکوں نا آشنا کی بے بسی تو دیکھئے — زندگی میں زندگی کا آسرا جاتا رہا
طبیعت مری یونہی گھبرائے گی کیا — مجھے موت سے پہلے موت آئے گی کیا

شفا

ڈاکٹر پریم لال، باشندہ دہلی، ولادت ۱۹۱۴ء شاگرد جناب محمود دہلوی۔ آپ نے ۱۹۳۴ء میں ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۰ء میں روسی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے دہلی یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ آپ بہت سی زبانوں یعنی روسی، جرمنی، فرانسیسی، ہندی، انگریزی، اُردو اور فارسی کے بھی عالم تھے۔ روسی نظموں کا اُردو میں منظوم ترجمہ کیا ہے جو "بوستانِ روس" کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آپ کا دیوان موسوم "نسخۂ شفا" بھی شائع ہو چکا

آپ غزل کے ساتھ ساتھ نظمیات بھی خوب کہتے ہیں۔ ۱۸ ؍اکتوبر ۱۹۸۲ء کو دنیائے فانی سے کوچ کیا۔

تری محفل میں ساقی جب سے دیوانے نہیں آتے
دلوں کے بے غرض بے لوث پروانے نہیں آتے

بتایا ہے کسے رہبر نے کوئے دوست کا رستہ
حرم جیسے نہیں آتے صنم خانے نہیں آتے

شعارِ رہبر جنوں ہوتا ہے ان پُرخار راہوں میں
سُنا ہے وادیٔ پُرخار میں فرزانے نہیں آتے

متفرق اشعار

یہ کس جہاں سرا میں زندگانی مجھ کو لے آئی
کوئی انساں یہاں آسودۂ منزل نہیں ہوتا

شعاری خاکساری میں ہے پنہاں رازِ عظمت کا
قدم لیتی ہے رفعت خاک میں جب دانہ ملتا ہے

کسی حد تک تو خود انسان معمارِ مقدر ہے
وہ طاقت ہے عمل کی جو بدل دیتی ہے قسمت بھی

داستانِ غم زبانِ حال سے کردی بیاں
کیا ہوا ہم پر اگر پابندیٔ تقریر تھی

ضبطِ غم میں مسکرانا تو بہت دشوار ہے
مجکو رونے کا سلیقہ بھی نہیں آیا ابھی

ہوئے جن کے تغافل سے چاک قلب و جگر
انہی کا تارِ نظر چاہیئے رفو کے لئے

"دفتر کا بابو" چند اشعار

عشق کے قصے تو شاعر نے کئے ہیں سب بیاں
اور نظاروں کا قدرت کے کیا ہے امتحاں

ملک کی حالت پہ بھی اُسنے کئے ہیں تبصرے
جو کسی قابل ہوئے ان کے قصیدے بھی کہے

ایک طبقہ پر توجہ خاص فرمائی نہیں
چشمِ بینا اس کی شاید اسطرف آئی نہیں

ان میں ہیں وہ لوگ ظاہر میں جنھیں سمجھو عوام
ہے مگر ان کی بدولت ہی حکومت کو قیام

لڑ نہیں سکتی ہیں فوجیں جنگ میں انکے بغیر
امن میں بھی ہو نہیں سکتا ہے کوئی کارِ خیر

وہ کمیٹی ہو، کچہری ہو کہ دفتر ٹیکس کا
مدرسہ ہو یا شفاخانہ ہو یا کوئی سبھا

الغرض جتنے ادارے ہیں حکومت کے سبھی
چلتے آئے ہیں انھیں سے چل رہے ہیں آج بھی

ایک بابو کی فضیلت کا سناؤں تم کو حال
کیا مسیحائی ہے اسکے ہاتھ میں کیا کیا کمال

اسکے لکھے پر ہی افسر لوگ کرتے ہیں عمل
اُسنے جو کچھ لکھدیا ہوتا ہے تقریباً اٹل

جس طرف چاہے پلٹ دے وہ کسی فائل کا رنگ
دن میں یہ تارے دکھادے یاد ہیں ایسے بھی ڈھنگ

دوسری جانب بڑے ہیں خرچ آمد ہے قلیل
پھر گذارا ان دنوں ہوتا نہیں بن کر بخیل

واسطہ جن سے اسے پڑتا ہے ہوتے ہیں امیر
کوئی مالک ہے مکاں کا ٹیکس کا کوئی اسیر

کوئی جلدی کا یا ہمدردی کا سائل آگیا
برتری اپنی جتانے کا اسے موقعہ ملا

حسرت و ارماں سبھی دل میں جسقدر تھے لیے ہوئے
تمکنت کی شکل میں رُخ پر نمایاں ہوگئے

ان کا منہ بھونکو شفا آئے مصیبت جب کوئی
ذلت، غیرت اور دولت کھو کے سیکھا ہے یہی

"ون مہوا لستو" چند اشعار

ہو اگر اسمیں نہ گستاخی کا کوئی احتمال
رہبروں سے قوم کے میں پوچھتا ہوں اک سوال

یہ درختوں کے لگانیکی ہے جدت کونسی
کیا وزارت کے سبھی کاموں سے فرصت ہوگئی

کر لیا حل آپنے خلقت کی روٹی کا سوال
رات کو بھوکا نہیں سویا، کوئی خستہ حال

صرف اک پودے کی خاطر طے کیا اتنا سفر
کتنے افسر ساتھ آئے کتنے پہنچے پیشتر

پیشوائی کے لیے کتنے مقامی افسران
اور کس تعداد میں ہیں لال پگڑی کے جوان

ساتھ میں فوٹو گرافر اور پبلک کا ہجوم
نیز اخبارات میں اگلے ہی دن سے اسکی دھوم

ایک پودے کیلئے ہنگامہ یہ برپا کیا
کام اپنا چھوڑ کر بے کار سب کو کر دیا

کس قدر صرف ہوا اس ایک پودے کیلئے
صرف شہرت کے سوا حاصل ہے کیا فرمایئے

آپ اسکی پرورش پر غور کچھ فرمائیں گے
اسکو آئندہ کبھی پانی بھی دینے آئیں گے

شفق

منشی کرتار ناتھ خلف لالہ سند لال باشندہ سیالکوٹ۔ ولادت ۱۹۰۴ء۔
شاگرد جناب سیماب اکبر آبادی۔

حشر ہی برپا کرے گی شوخ جب ہو جائیگی
کر رہی ہے خون ناحق آنکھ شرمائی ہوئی

تم جو آ بیٹھو سر بالیں تو مرنا ہو سہل
روح پھرتی ہے تن لاغر میں گھبرائی ہوئی

نتیجہ یہ ملا اے بے وفا تیری محبت کا
نشاں ملتا نہیں ڈھونڈے سے بھی دل میں مسرت کا

وہ دل ہی کیا جو بلبل کی طرح ہر گل پہ ہو شیدا
شفق تو واقعی انساں نہیں ایسی طبیعت کا

کس بھروسے پہ زندگی کاٹیں
تیرا وعدہ کوئی وفا نہ ہوا

دو گھڑی ہم بھی چین سے رہتے
یہ بھی اے چرخ بے وفا نہ ہوا

تکلف برطرف ساقی ایاغ بیخودی بھر دے
تمنا ہے مقدر کو نئے سر سے جواں کر دے

شگفتہ

پنڈت برج بھوکن لال خلف پنڈت درگا پرشاد ساکن اورنگ آباد. ضلع سیتاپور (یو۔ پی) ولادت ۱۹۰۱ء پیشہ زمینداری شاگرد جناب جگر بسوانی۔

جو بھڑکائے گی اے صیاد بادِ گلستاں مجکو
بہت مشکل سے روکیں گی قفس کی تیلیاں مجکو
اُٹھا گلشن سے میرا آب و دانہ میں سمجھتا ہوں
نظر کچھ اور آتی ہے نگاہِ باغباں مجکو
تری زلفِ مسلسل کے تصور کا ہوں میں قیدی
کیے وابستہ ہیں میری خیالی بیڑیاں مجکو
شگفتہ ساغرِ جمشید تھا ساقی کا ساغر بھی
دکھائی ایک پیمانہ میں سیرِ دو جہاں مجکو

دمِ آخر مری بالیں پہ آنے کو تو کہتے ہو
مگر اتنا بتا دے جاؤ سچ اسمیں کہاں تک ہے
مٹا اک بے نشاں کی یاد میں ایسا شگفتہ تو
دلِ پُر غم کا سینہ میں نہیں باقی نشاں تک ہے

ملا دیں روند کر مٹی میں وہ ٹکڑے مرے دل کے
قدم بوسی مجھے ہو جائے حاصل خاک میں مل کے
اٹھے جاتے ہیں کوچے سے اگر تم حکم دیتے ہو
اجازت ہو تو ٹکڑے ڈھونڈ لیں ٹوٹے ہوئے دل کے

شمیم

بی۔ ایس ماتھر باشندہ لکھنؤ۔ شاگرد جناب سرشار کھٹمنڈوی۔ آپ مختلف مقامات پر ڈاکخانوں کے پوسٹ ماسٹر رہ چکے ہیں۔ سہارنپور میں قریب چار سال ہیڈ پوسٹ آفس میں۔ پوسٹ ماسٹر رہنے کے بعد ۱۹۷۰ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔

دید کے قابل تھے گلزارِ جہاں میں ہم کبھی
خندۂ گل تھے کبھی تو گریۂ شبنم کبھی

جب کبھی پایا ہے مزاجِ یار کو برہم کبھی
رو دیئے ہیں بیشتر اور ہنس دیئے ہیں ہم کبھی

زندگی بے کیف کر دی ہے تغافل نے ترے
گر نہ دیتی تھی خوشی تو بخش دیتا غم کبھی

میرے آنسو سوزشِ دل کو بجھا تو دیں مگر
آب و آتش اس طرح ہوتے نہیں باہم کبھی

میری قسمت ہی بُری ہے آپ سے شکوہ نہیں
یوں ہی بیٹھے بیٹھے ہو جاتی ہیں آنکھیں نم کبھی

ظرف کا بھی ہے تقاضا دقت کی بھی بات ہے
ایک مٹی کا پیالہ بھی ہے جامِ جم کبھی

آج پہلی بار دیکھا ہم نے ان کو اشکبار
ہم نہ مرتے تو نہ ہوتا یہ حسیں ماتم کبھی

مجکو غم ہوتا ہے بھاری سو خوشی پر اے شمیم
مجکو سارے غم ملا کر بھی لگے ہیں کم کبھی

شنکر

لالہ شنکر لال برادرِ خرد لالہ سری رام دہلوی (مصنف خمخانۂ جاوید) باشندۂ دہلی
آپ کا دیوان موسوم "دیر و حرم" شائع ہو چکا ہے۔ کافی عرصہ ہوا وفات پا چکے ہیں۔

ناکامِ عشق ہوگا نہ کوئی مری طرح
آیا یقیں وفا نہ ان کو کسی طرح

موسم بہار کا ہے گھٹا گھر کے آئی ہے
میخوار آج مے پہ گرینگے بُری طرح

پروانہ جل کے راکھ ہوا شمع جل بجھی
دن رات جلتے رہتے ہیں ہم ایک ہی طرح

اس انجمن سے نکلنے کا ہم کو غم نہیں
یہ رنج ہے کہ آئے نکل کر بُری طرح

اس سنگدل کے دل پہ نہ کچھ بھی اثر ہوا
مضمون اسکو خط میں لکھے تو کئی طرح

میخانۂ سخن سے وہ آئے ہیں شاد شاد
شنکر بھی جھومتے ہوئے میخوار کی طرح

شوق

چودھری ہردیال ۔ آپ کی ولادت ۱۹۰۸ء میں بمقام ہتھی تحصیل احمد پور پاکستان میں ہوئی ۔ آپ نے صادق ایجرٹن کالج بہاولپور سے بی، اے، ایل، ایل بی ۔ کا امتحان پاس کیا اور محکمۂ مال میں بطور تحصیلدار ملازم ہو گئے ۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد آپ ہماچل پردیش میں آ گئے اور مجسٹریٹ مقرر ہو گئے ۔ آپ ریوینیو سکریٹری کے عہدہ پر ممتاز رہنے کے بعد ریٹائر ہو کر چنڈی گڑھ میں آباد ہیں اور وکالت کا پیشہ اختیار کئے ہوئے ہیں ۔

چھپا نہ رازِ محبت کبھی چھپانے سے
ہوا یہ فاش کسی نہ کسی بہانے سے

تھا بر، بہارِ گلستاں تمھارے آنے سے
خزاں کا دور پھر آیا تمھارے جانے سے

ستم مٹا نہ سکے اشتیاقِ دار و رسن
بڑھی ہے وحشتِ قلب اور آزمانے سے

تھا جنکی حشمت و ہیبت سے کل جہاں لرزاں
پناہ مانگتے پھرتے ہیں اب زمانے سے

مذاکراتِ گناہ و ثواب اے زاہد
مزاجِ وقت پہ لگتے ہیں تازیانے سے

بقا فنا سے، سحر شب سے ہے حیات نصیب
بسا ہے تاج محل موت کو بسانے سے

وہ بازگشت نگاہوں سے دیکھتے کیوں ہیں
جنھیں گریز ہے میرے قریب آنے سے

خود اپنے عشق و محبت کے سانحات سے شوق
کبھی کبھی ہمیں لگتے ہیں اب فسانے سے

رازِ تخلیق کس نے پایا ہے
زندگی، موت اک معمّا ہے

بزم ہستی کا مختصر ہے قیام
چند لمحات کا بسیرا ہے

ہو چکا ختم دورِ عشق و شباب
رہ گیا جو حرف فسانا ہے

تھا فریبِ نگاہ، رنگِ بہار
اک زمستاں کا دور دورا ہے

آج زاغ و زغن ہیں نغمہ سرا
بلبلِ دلنواز رسوا ہے

ہے وہی ناخدا، خضر امیرا
میری کشتی کا جو کھویا ہے

مجکو مرتد پکارنے والو
بولو کس نے خدا کو دیکھا ہے

شوقؔ غم سے مصالحت کر لو
زندگی کا یہی تقاضا ہے

شوقؔ

شنکر دت ورما نبسی راجپوت ولد چودھری عطر چند۔ ولادت ۱۹۰۴ء۔
شاگرد حضرت دلی محمد فضاؔ و خواجہ عبد الرؤف عشرتؔ

قبضہ ترا دلوں پر سکہ ترا جہاں پر
تو ہے خدائے عالم، عالم غلام تیرا

راہب نے خاک چھانی زاہد نے ڈھونڈ مارا
لیکن نہ پا سکے وہ عالی مقام تیرا

آئے جو در پہ تیرے خالی نہ اسکو پھیرے
جاری جہان میں ہے کیا فیضِ عام تیرا

شہید

منوہر لال۔ آپ کی جائے پیدائش علی پور ضلع مظفر گڈھ (پاکستان) ہے۔ تقسیمِ ملک کے بعد آپ سونی پت (ہریانہ) میں آباد ہو گئے تھے، شرفِ تلمذ جناب لبھو رام جوشؔ ملسیانی سے ہے۔ آپ کی تعلیم ایم، اے، ایل، ایل، بی تک ہے

اور ذریعہ معاش وکالت تھا۔ پرشارتھی سبھا۔ بزم ادب اور آریہ سماج کے صدر رہ چکے ہیں۔ حیدر آباد آریہ سماج ستیہ گرہ میں آپ نے چھ ماہ کی سزائے قید کاٹی تھی ملازمت میں آپ لینڈ کلیم رجسٹرنگ آفیسر۔ کلیمز آفیسر، اسسٹینٹ کسٹوڈین آفیسر وغیرہ کے عہدوں پر مامور رہ چکے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں بعارضہ فالج انتقال کیا۔

ہم بُرائی کرنے والوں سے بھلا کرتے رہے
زندگی بھر اپنے حق میں خود بُرا کرتے رہے

ہم نشیں اسکو ہی سمجھا ہم نے تکمیلِ حیات
وہ جفا کرتے رہے اور ہم وفا کرتے رہے

چار دن کی زندگی تھی جی لیے اور مر گئے
اور کیا کہیئے کہ ہم دنیا میں کیا کرتے رہے

موت نے آکر شفا بخشی مریضِ عشق کو
زندگی بھر آپ تدبیرِ دُعا کرتے رہے

ہم ہوئے بدنام دُنیا بھر میں اے جانِ شہید
اور تم پردوں میں تکمیلِ حیا کرتے رہے

گریبانِ تصور پھٹ گیا ہے
اسے تارِ نظر سے سی رہا ہوں

نگاہوں سے نگاہیں مل رہی ہیں
شرابِ نابِ اُلفت پی رہا ہوں

کبھی تو قتل مجکو بھی کرینگے
اسی اُمید پر میں جی رہا ہوں

تجھے اے شیخ ضبطِ ترکِ مے ہے
میں ترکِ توبہ کا حامی رہا ہوں

تجھے ہے آرزوئے جامِ کوثر
میں اپنی زندگی میں پی رہا ہوں

تجھے پینے نہ جینے کا قرینہ
مگر میں پی رہا ہوں جی رہا ہوں

جنوں خوش ہے کہ دامن کرلیا چاک
خرد راضی کہ اس کو سی رہا ہوں

شہیر

پنڈت لوک چند ولد پنڈت صورت رام باشندہ سٹیری پرگنہ مورنڈا ضلع انبالہ، ولادت ۱۹۰۷ء۔ شاگرد جناب سید اولاد حسین شاداں بلگرامی، پیشہ معلمی آپ نے منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات امتیازی حیثیت سے پاس کئے۔ کمسنی میں مندرجہ ذیل سہرا کہا تھا۔

مالن بنا کے لائی کیا پُر بہار سہرا
دولہا کو ہو مُبارک یا کردگار سہرا

لیکر لبوں کے بوسے مستی میں جھومتا ہے
نوشہ پہ ہو رہا ہے دل سے نثار سہرا

گلہائے یاسمن میں سونا دمک رہا ہے
یا فرق یاسمیں پر ہے زرنگار سہرا

کیا جانے راز کوئی کیا اسمیں مستتر ہے
جنبش میں اسطرح ہے جو بار بار سہرا

پیش نظر ہے ہر دم یوسف لقا کی صورت
مثل دل زلیخا ہے بے قرار سہرا

آپ کی بزم تو بہتر ہے مجھے جنت سے
زندگی اسمیں گذرتی ہے عجب راحت سے

دیکھنا ہو جسے کو آکر دیکھ لے
جان باقی ہے ابھی بیمار میں

شیدا

پروفیسر بنارسی داس۔ باشندہ قصبہ ملانا ضلع انبالہ قوم دیش اگروال ولادت ۱۹۱۶ء، شاگرد جناب بھورام جوش ملسیانی۔ آپ نے ایم - اے تک تعلیم حاصل کی۔ حصول آزادی کے بعد آپ ایک مدت تک مختلف پرائیویٹ

اسکولوں میں ہیڈ ماسٹر رہنے کے بعد ۱۹۵۱ء میں گورنمنٹ کالج ٹانڈا ضلع ہوشیار پور میں ہسٹری کے لکچرار مقرر ہو گئے۔ اسکے بعد حصار میں ڈپٹی ایجوکیشن افسر کے طور پر فرائض انجام دیتے رہے۔ بعد ازاں ہانسی ضلع حصار میں ایس، ڈی، اے ایجوکیشن مقرر ہو گئے۔ آپ کالجوں، اسکولوں کی قریب ایک درجن کتب کے مصنف ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے، "وقت کی آواز" اور "دل کی آواز" کے عنوانات سے ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۲ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ اسوقت آپ انبالہ میں آباد ہیں۔

رباعیات

بڑھتا ہے اُترنے کو خمارِ ہستی
مہماں ہے کوئی دم کی بہارِ ہستی
زیبا نہیں اے دل تجھے ہستی پہ غرور
بجھنے کو چمکتا ہے شرارِ ہستی

آفاتِ جہاں کا کوئی چارہ ہی نہیں ہے
جز دخترِ رز اور سہارا ہی نہیں ہے
میخانہ ہی غمخوار ہے میخواروں کا
ساقی کے بغیر ان کا گذارا ہی نہیں ہے

قطعہ

ترکِ الفت کے بعد بھی شیدا
دل میں اس کا خیال آتا ہے
جیسے ابرِ سیہ کے دامن میں
جلوۂ برقِ مسکراتا ہے

سبھی کچھ ہے یہ کیا، کچھ بھی نہیں ہے
کہیں میرے سوا کچھ بھی نہیں ہے

وفاؤں نے ہمیں اُلفت میں مارا — تمھاری تو خطا کچھ بھی نہیں ہے
ہمارا مدّعا کیا پوچھتے ہو — ہمارا مدّعا کچھ بھی نہیں ہے
اگر محدود ہے دیر و حرم تک — تو پھر ایسا خدا کچھ بھی نہیں ہے
خدا کو یاد کر اے ناخدا تو — یہ گردابِ بلا کچھ بھی نہیں ہے
مقدّر کی شکایت کر رہے ہیں — ہمیں تم سے گلا کچھ بھی نہیں ہے
جنوں کی ابتدا تو ابتدا تھی — جنوں کی انتہا کچھ بھی نہیں ہے
جسے دنیا سمجھتا ہے تو شیداؔ — وہ دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے

کیا مزہ اب رہا زندگی کا — آدمی ہے عدو آدمی کا
دشمنی کی ہے وہ دوستوں نے — اُٹھ گیا ہے بھرم دوستی کا
سانس ہی تو ہے آئے نہ آئے — کیا بھروسا ہے اس زندگی کا
دہر کی ظلمتیں توبہ توبہ — نام تک بھی نہیں روشنی کا
جب بھی شیدا تھا میں آپ ہی پر — اب بھی شیداؔ ہوں میں آپ ہی کا

ہم سے کیا دلچسپ غفلت ہو گئی — ناگہاں تم سے محبت ہو گئی
چین تھا، راحت تھی اطمینان تھا — آ گیا دل بس قیامت ہو گئی
کس کو ہم اپنا کہیں اس دور میں — لفظِ بے معنی محبت ہو گئی

تم پہ دل آیا تھا میرا آ گیا — تم سے ہونی تھی محبت، ہو گئی
میکدہ کعبہ ہے شیدا کیلئے — اس کو ساقی سے عقیدت ہو گئی

ہمارا بھارت

گلشن پُر بہار بھارت ہے — اس کا ہر دشت رشکِ جنت ہے
اس کا ہر ذرہ مہرِ طلعت ہے — رشکِ طور ایک ایک پربت ہے
اسکے ساگر ہیں ساگر امرت کے — اسکے ابر میں جوشِ رحمت ہے
اسکی ہر نہر غیرتِ کوثر — اس کا ہر غنچہ حور صورت ہے
اس کا ہر خار گلستاں بکنار — اس کا ہر گل بہشت نکہت ہے
اس کے دریا بہاتے ہیں تسنیم — اس کا ہر کھیت پُر مسرت ہے
مرکزِ حُسن وادیٔ کشمیر — عرش رفعت ہمالہ پربت ہے
یہ ہے شائستگی کا گہوارہ — اس کی تہذیب رب کی رحمت ہے
سایہ افگن ہے اس پہ نورِ خدا — گلفشاں اس پہ دستِ قدرت ہے

صابر

ماسٹر ست دیو راٹھور ولد منشی سی۔ ڈی راٹھور قوم چھتری باشندہ کھنہ ضلع لدھیانہ (پنجاب) ولادت ۱۹۰۳ء شاگرد جناب پیارے لال آنند کھنوی آپ کی تعلیم انگریزی زبان میں بی۔ اے اور اُردو زبان میں ادیب فاضل ہے۔

نہ کوئی کام بنتا ہے نہ کوئی کام ہوتا ہے — تمناؤں کا اپنی خون صبح و شام ہوتا ہے

نمائش سے غرض کیا ہے وطن پر مرنے والوں کو
فدایانِ وطن کا موت ہی انعام ہوتا ہے
خدا جانے قفس میں اسقدر دل بستگی کیوں ہے
کہ مرغِ خوش نوا از خود اسیرِ دام ہوتا ہے
ی قسمت میں ناکامی ہے روزِ آفرینش سے
مرے آغاز سے ظاہر مرا انجام ہوتا ہے
مجھے شوقِ شہادت کھینچ تو لایا ہے مقتل میں
شہیدانِ وطن میں دیکھیے کب نام ہوتا ہے

مصیبت میں نہ دے گا ساتھ کوئی
عبث اُمید ہے اہلِ جہاں سے
بہت رو رو کے برسوں کیں دعائیں
نہ نکلا کام کچھ آہ و فغاں سے
بلائیں بن کے آئی ہیں مجھی پر
دعائیں میری واپس آسماں سے

ہو دل کا راز فاش یہ مدِ نظر نہیں
میں خون رو رہا ہوں مگر آنکھ تر نہیں
درگاہِ بے نیاز میں سجدہ کناں ہوں میں
ہما پر جھکے گا اور کے آگے یہ سر نہیں

ستا تو کرتے ہیں لوگوں سے بے رخی انکی
بُلا کے ان کو مگر ایک بار دیکھیں گے
کرینگے تھام کے دل اس طرح نالے
نظر اٹھا کے وہ بے اختیار دیکھیں گے

دردِ دل، دردِ جگر، سوزِ دروں رنج و الم
ایک دل دیکر ہمیں کیا کیا نہ حاصل ہو گیا

صابرؔ

ڈاکٹر دولت رام باشندہ پانی پت (ہریانہ) ولادت ۱۹۰۶ء پیشہ ڈاکٹری۔ آپ نے ۱۹۴۲ء کی تحریکِ آزادی میں نمایاں حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ آپ کے تصنیف کردہ ڈرامے، رامائن اور بھارت سندیش، پانی پت میں اسٹیج پر کھیلے جا کر، مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۰ء میں دنیائے فانی سے رخصت ہوئے۔

رمز ہے لفظ لفظ میں طنز ہے بات بات میں
چھبتی سی چھیڑ چھاڑ ہے آپ کے التفات میں
زیست کا نام مٹ گیا شیخ کو حور مل گئی
سوچئے کس کا ہاتھ ہے عشق کی واردات میں
صبحِ بہار جاگ اٹھی کلیاں بھی پھول بن گئیں
شمع کے دل میں آگ تھی جل بجھی رات رات میں
تابِ فروغِ عشق سے حسن کو روشنی ملی
اپنی نظر کا نور ہے وسعتِ شش جہات میں
زندگی کی بات بن گئی میکدہ کام آ گیا
زاہدِ پاک کھو گئے تیرہ گہہِ حیات میں
صابرِ خوش شناس کو اپنا مقام یاد ہے
آپ بھلا پڑے ہیں کیوں اتنے تکلفات میں

آئے ہیں آپ گھر میں ہمارے نئے نئے ‏— اعدار میں ہو رہے ہیں اشارے نئے نئے
لائی ہے کس مقام پہ طوفان کی کشش ‏— دھارے نئے نئے ہیں کنارے نئے نئے
خاکستر شباب محبت شعار سے ‏— رہ رہ کے اُٹھ رہے ہیں شرارے نئے نئے
رندوں نے بڑھ کے تھام لیا شیخ جی کا ہاتھ ‏— جنت میں آ رہے تھے بچارے نئے نئے
صابر فلک سے معنی و مضموں کے خم کے خم ‏— صحن غزل میں ہم نے اتارے نئے نئے

لگا رکھی ہے دل میں آگ ان کی بے نیازی نے ‏— خدا جانے وہ دامن سے ہوا دیتے تو کیا ہوتا
فقط کچھ داغ سینہ میں چھپا لائے ہیں دیوانے ‏— یہ پونجی بھی جو راہوں میں لٹا دیتے تو کیا ہوتا

صابر

سردارا رام وطن دھرم پورہ ضلع فیروز پور۔ ولادت ۱۹۱۹ء، شاگرد جناب نسیم نور محلی۔ آپ کے بزرگ ابوہر سے آگرا مین آباد ضلع سرسا (ہریانہ) میں آباد ہو گئے تھے۔ آپ نے لاہور سے منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اور انگریزی میں ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور سرکاری ملازمت میں سپرنٹنڈنٹ ٹیلیگراف کے عہدہ پر فائز ہو گئے۔ ریٹائر ہو جانے کے بعد آپ فرید آباد (ہریانہ) میں مقیم ہیں۔ آپ کا دیوان موسوم "نوائے جنوں" شائع ہو چکا ہے۔ آپ نے گیتا کے اشلوکوں اور انگریزی نظموں کے اُردو میں منظوم ترجمے کئے ہیں۔ آپ صابر ابوہری کے لقب سے مشہور ہیں۔

قطعات

نہیں ہے یہ مری خواہش نہیں ہے
کہ ذرّے سے مجھے طوفاں بنا دے
الٰہی میری ہستی کو مٹا کر
مری مٹی سے اک انساں بنا دے

تری دنیا کے فیصلے یارب
کیا عجیب و غریب ہوتے ہیں
درس دیتے ہیں جو محبت کا
نذرِ دار و صلیب ہوتے ہیں

عدو ہو گیا آدمی آدمی کا
عجب دور ہے یہ نئی روشنی کا
الجھتے ہیں نسلی تنافر میں انساں
مٹا کر نہ رکھ دیں یہ نام آدمی کا
بس اک سانس ہے جو گئے نہ آئے
بھروسا نہیں ہے کوئی زندگی کا
کدورت کو چھوڑو محبت بڑھاؤ
یہ دنیا ہے میلہ گھڑی دو گھڑی کا
فرشتوں سے نسبت مجھے دینے والو
نہیں جانتے تم مقام آدمی کا
غم لازوال اک عطا کر کے مجھ کو
ادا کر دیا تو نے حق دوستی کا
جو ساقی کی خاطر ہی پی لوں تو پی لوں
نہیں شوق ورنہ مجھے مے کشی کا
بڑی چیز ہے دردِ الفت میں صابر
اسی میں ہے پوشیدہ گوہر خوشی کا

جو جنوں آشنا نہیں ہوتا
آدمی کام کا نہیں ہوتا

بات کرتا ہے ناخدا ایسے — جیسے کوئی خدا نہیں ہوتا
ان سے اکثر ملی خبر تیری — جن کو اپنا پتا نہیں ہوتا
جسمِ فانی تو اک لبادہ ہے — مرنے والا فنا نہیں ہوتا
دار تک تو جنوں ہی جاتا ہے — عقل میں حوصلا نہیں ہوتا
لاکھ مجبور ہے بشر پھر بھی — وہ جو چاہے تو کیا نہیں ہوتا
دل سے جب تک ادا نہ ہو صابرؔ — کوئی سجدہ ردا نہیں ہوتا

صابرؔ

نوبہار ساکن ٹوہانہ ضلع حصار (ہریانہ) ولادت ۱۹۰۷ء آپ کے تین شعری مجموعے "کاروانِ حیات"، "دھرتی کی خوشبو" اور "زرد پتّے" شائع ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ "ارمغانِ تاشقند" اور "ہو ترنگ" کے بھی مصنف تھے۔ دس نومبر ۱۹۸۴ء کو وفات کی۔

جو دل میں ہے وہ زباں پر نہیں تو کچھ بھی نہیں — بشر خلوص کا پیکر نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہزار لعل و گہر ہوں ترے خزانے میں — دل و نگاہ تونگر نہیں تو کچھ بھی نہیں
کہیں سے دولتِ غم مل سکے تو حاصل کر — ترے نصیب میں یہ زر نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ زمزمے یہ ترانے یہ بزم رقص و سرود — سکونِ قلب میسر نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ کہہ کے اُٹھ گیا دیوانہ اپنی منزل سے — جنوں کے پاؤں میں چکر نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ کہو شاعرِ صورت گرِ مغنّی سے — تمہارا فن جو پیمبر نہیں تو کچھ بھی نہیں

نظر فریبیِ ظاہر بجا مگر صابرؔ　　صدف میں گوہرِ انور نہیں تو کچھ بھی نہیں

کرم کے پردہ ہوا میں اچھالتا ہے مجھے　　شکستِ ذات کے دوزخ میں ڈالتا ہے مجھے
طلسمِ حسنِ تمنا میں ڈالتا ہے مجھے　　وہ خود نہ مِل کے کھلونوں پہ ٹالتا ہے مجھے
مرے وجود میں باقی ہے کھوٹ کا عنصر　　کہ بار بار وہ بھٹّی میں ڈالتا ہے مجھے
یہ سوچ کر سہے جاتا ہوں زخم تیشۂ وقت　　چٹان ہوں کسی پیکر میں ڈھالتا ہے مجھے
کوئی تو ہے جو نشیب و فراز میں صابرؔ　　ہر اک لغزشِ پا پر سنبھالتا ہے مجھے

میرے وطن کے عزیز لوگو

نہ دے سکے ساتھ جو زمانے کے کارواں کا وہ چال کیا ہے
بگاڑ دے جو حیات کے خال و خد وہ حسنِ خیال کیا ہے
کہاں کا مشرق کہاں کا مغرب جنوب کیا ہے شمال کیا ہے
وطن جو ایک ہی ہے تو اپنی اپنی الگ حدوں کا سوال کیا ہے

کوئی حقِ خود ارادیت کی بنا پہ فتنے اٹھا رہا ہے
کوئی علاقائی مسئلوں کو فساد کی جڑ بنا رہا ہے
کوئی زباں کا سوال لیکر دلوں میں نفرت جگا رہا ہے
اگر یہی ہے کمال اپنا تو پھر یہ کہیئے زوال کیا ہے

جو دیدہ ور ہے کب اپنے سائے سے ڈر کے تلوار کھینچتا ہے
جنوں زدہ ہے جو اپنے دامن سے آپ ہی تار کھینچتا ہے
روش روش پر بھلا گلستاں میں کوئی دیوار کھینچتا ہے
جو آئینہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے اس کی شان جمال کیا ہے

ہمارے ساغر ہماری صہبا۔ ہمارے ساقی ہماری محفل
ہمارے راہی ہمارے رہبر۔ ہماری راہیں ہماری منزل
ہماری کشتی ہمارے دریا۔ ہمارے طوفاں ہمارے ساحل
کسی سے کوئی الگ نہیں پھر منافقت کا سوال کیا ہے

صبا

مہتہ عجیب چند شرما خلف مہتہ سوداگر مل شرما باشندہ دہرانی ضلع جہلم۔ ولادت ۱۹۰۳ء۔ آپ کے بچپن کا زمانہ بلوچستان میں گذرا۔ جہاں آپ کے والد گرداور قانونگو تھے۔ والد کا سایہ جلد ہی سر سے اٹھ گیا اور آپ کے ماما نے آپ کی پرورش کی۔ انٹرنس اور ٹیچر ٹرننگ کے امتحانات پاس کرنے کے بعد آپ تلاش روزگار میں برہما چلے گئے اور بہت سے مدارس میں معلمی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ برہما ہی میں آپ نے جناب عیش امروہی کی شاگردی اختیار کی۔

ایک دل تھا وہ بھی کیا جانے کہاں جاتا رہا ۔۔۔ ماجرائے ہجر کا افسانہ خواں جاتا رہا
لذت آزار غم سے جب میں واقف ہو گیا ۔۔۔ سوز دل سے وہ جو اٹھتا تھا دھواں جاتا رہا

مصلحت نے درسِ خاموشی دیا ایسا مجھے
تھا زبانِ حال میں جو بھی بیاں جاتا رہا

موسمِ گل اور خزاں دونوں برابر ہیں صبا
مٹ گیا میرا گلستاں آشیاں جاتا رہا

آہ کرتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
دردِ دل دردِ سر نہ ہو جائے

لاکھ ارماں ہیں میرے پہلو میں
زندگی مختصر نہ ہو جائے

آئینہ لیکے آج بیٹھے ہیں
ان کو اپنی خبر نہ ہو جائے

اشعارِ متفرق

بہت کچھ پھوٹ کر روتے ہیں مجھ پر پاؤں کے چھالے
لگا کر دشت میں سینہ سے ہر خارِ بیاباں کو

خون کا پیاسا نظر آتا ہے وہ تیرِ نظر
کاش ہو جاتا وہ اک دریا جو قطرہ دل میں ہے

کس قدر میدانِ ہستی جلد ہو جاتا ہے طے
توسنِ عمرِ رواں کو ہر نفس مہمیز ہے

نہیں ہے یاد کہ تھا آشیاں کہاں اپنا
زمانہ ہو گیا نکلے ہوئے چمن سے

اس طرف ہو جو گذر شمع جلاتے جانا
ٹوٹی ہوئی تربت پہ مری آپ کا احساں ہوگا

صندل

ماسٹر صندل سنگھ باشندہ کیلاشپور ضلع سہارنپور تلمیذ راقم الحروف ۔ ولادت ۱۹۲۲ء پیشہ درس و تدریس۔ آپ اُردو اور سندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں زیادہ تر سیاسی، سماجی اور اصلاحی کلام کہتے ہیں۔ جونیر ہائی اسکول سہارنپور میں ہیڈ ماسٹر رہنے کے بعد ۱۹۸۱ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔

جلیاں والا باغ کے شہید

آبروئے باغِ جلیاں اے دل و جانِ وطن
اے وطن کے پاسبا نو اے جوانانِ وطن
موجبِ فخرِ وطن ، شانِ گلستانِ وطن
مرحبا صد آفریں تم کو شہیدانِ وطن

بادۂ حُبِّ وطن سے چور تھے سرشار تھے
دشمنوں سے دم بدم تم برسرِ پیکار تھے

تھی یہ خواہش مادرِ ہندوستاں آزاد ہو
غیر کے ہاتھوں سے لُٹ کر اب نہ یہ برباد ہو
اب کسی اہلِ وطن پر بھی نہ یوں بیداد ہو
بچّہ بچّہ دیش کا مسرور ہو آباد ہو

سر ہتھیلی پر لئے دل میں لئے جوشِ وطن
آئے تھے جانباز کچھ باندھے ہوئے سر سے کفن

باغِ جلیاں کی کہانی پُر الم سن لیجئے
ظالم و سفّاک ڈائر کے ستم سُن لیجئے
جو نہتوں نے سہے وہ رنج و غم سُن لیجئے
کس طرح اپنا دیا لوگوں نے دم سُن لیجئے

محفلوں میں داستاں جب یہ سنائی جائیگی
آسماں کانپے گا سُن کر اور زمیں تھرائیگی

مرد و زن پیر و جواں کتنے ہی بچّے شیر خوار
دور اور نزدیک سے آئے تھے اس جا بیشمار
ایک جلسہ ہونا بیساکھی کو پایا تھا قرار
دے رہے تھے جسمیں بھاشن ہنس راج جانثار

صدر اس جلسے کے تھے لالہ کنہیا لال جی
تھے وہاں موجود کچلو اور ستیہ پال بھی

گن مشینیں لیکے ڈائر جیسے جا پہنچا وہاں
ساڑھے سولہ سو چلائی اس نے پیہم گولیاں

خون ناحق بے گناہوں کا بہایا الاماں
مرغ بسمل کی طرح تڑپا کے مطفل و جواں

مرحبا اے شیر دل اودھم تجھے صد مرحبا

تو نے بدلا ظلم کا لندن میں ڈائر سے لیا

خون بہایا جس نے وہ ہم کو ستم گر یاد ہے
سر کٹے جس تیغ سے وہ تیغ ڈائر یاد ہے

توڑنا لوگوں کا دم پٹنا برابر یاد ہے
باغ جلیاں کا ہمیں وہ خونی منظر یاد ہے

خون سے صندل شہیدوں کے یہ آخر گل کھلے

باندھ کر انگریز بستر اپنے لندن کو چلے

غزل

اب حوادث سے کہاں ہے خوف بربادی مجھے
مشکلوں نے مشکلوں کا کر دیا عادی مجھے

تاجدار عشق بن کر میں رہا ہوں مدتوں
جانتی ہے کوہ اور صحرا کی ہر وادی مجھے

مجکو آتا ہے سلاسل کی تباہی کا خیال
قید گیسو سے نہیں منظور آزادی مجھے

خاک بر سر چاک دامن چاک دل صحرا نشیں
اے نگاہ یار کر دے صرف بربادی مجھے

عشق میں کرتا میں چاک گریبان تھا ممکن کبھی
کر دیا کمبخت دل نے یہ تو فریادی مجھے

روشناس فصل گل ہو جاؤں میں بھی دو گھڑی
کاش مل جائے قفس سے اتنی آزادی مجھے

تھیں مسلسل غم کی چوٹیں میری قسمت میں اگر
پھر دیا ہوتا الٰہی دل بھی فولادی مجھے

ہو رہا ہوں جب کہ صندل مدتوں سے فیضیاب
کیوں نہ پھر تسلیم ہو جوہر کی استادی مجھے

ضیا

ڈاکٹر ہریش چند خلف منشی رام کشور قوم کائستھ، باشندہ دیوانند تحصیل رائے پور متصل رائے بریلی (یو۔پی) ولادت ۱۹۰۷ء شاگرد جناب سکھدیو پرشاد بسمل الہ آبادی، پیشہ وکالت۔ آپ کا قدیم وطن مانک پور تھا، مگر چونکہ آپکے والد دیوانند میں سکونت اختیار کئے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔

اسقدر ہیں مبتلائے رنج و درد و غم ہوا — دیکھتے ہی چارہ گر کا اور کچھ عالم ہوا
قبر میں بھی مجکو تڑپایا خیالِ یار نے — خاک ہو کر بھی نہ آزارِ محبت کم ہوا
شام سے تا صبح ہنستے ہی رہے اہلِ چمن — کون گلشن میں شریکِ گریۂ شبنم ہوا
جھک کے ملتے ہیں تہی دستوں سے اہلِ ظرف و مال — سرِ صراحی کا ہمیشہ پیشِ ساغر خم ہوا

کیوں خیال آنے لگا مجکو خیالِ یار میں — پھرتی ہے تصویر اسکی دیدۂ بیدار میں
وقتِ آخر پوچھنے آئے وہ میرا حالِ زار — اے خدا دیدے ذرا طاقت لبِ گفتار میں
دیکھ ہی لے گی نگاہِ شوق ان کو ایکدن — لاکھ اپنے کو چھپائیں پردۂ اسرار میں

اپنی لغزش یاد کیا وقتِ نصیحت آگئی — کیوں زباں پر حضرتِ واعظ کی لکنت آگئی
سوسزاؤں پر نہ ہوتا کم مرا ذوقِ گناہ — اسکی رحمت دیکھ کر لیکن ندامت آگئی
وعدۂ دیدار خلوت میں وفا ہونے کو تھا — جلوہ گاہِ حشر میں کیوں ساری خلقت آگئی

جو کبھی نذرِ جنونِ جاناں ہوتا
سو گریبانوں میں وہ ایک گریباں ہوتا

زیست کا لطف گیا لطفِ خلش کے ہمراہ
مجھکو حسرت ہے کہ دل میں ترا پیکاں ہوتا

ہر طرف پھول مسرت سے کھلے جاتے ہیں
تم نہ آتے تو گلستاں نہ گلستاں ہوتا

حسرتیں ہی ہیں، ہوں دل ہے، دل میں تیری یاد ہے
آگیا خلوت میں لطفِ گرمیٔ محفل مجھے

کیوں نہ تڑپ جائیں سُن کر سامعیں میرا کلام
اے ضیاؔ حاصل ہے فیضِ حضرتِ بسمل مجھے

دعا نکلتی ہے صبحِ شبِ فراق یہی
خدا دکھائے مجھے اب نہ شام کی صورت

نگاہِ خاص رہے اپنے جاں نثاروں پر
وہ لطف کیا جو، ہو لُطفِ عام کی صورت

ختم کب ہوگا خدا جانے یہ دورِ مرگ و زیست
منزلیں ہی منزلیں ہیں آخری منزل نہیں

میں ہوں جو یائے دُرِ مقصود بحرِ عشق میں
منہ کی جانب ہیں نگاہیں جانبِ ساحل نہیں

راہِ تسلیم و رضا میں یہ ہُوا حاصل مجھے
اپنے دل پر مل گئی ہے قدرتِ کامل مجھے

مطمئن راہِ محبت میں، ہوں اس اُمید پر
کھینچ لے گی اپنی جانب خود مری منزل مجھے

ضیاؔ

ہر لال باشندہ فتح آباد (پنجاب) آپ سونی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ولادت ۱۹۱۳ء، شاگرد جناب سیماب اکبرآبادی ۔ آپ کی تعلیم ایم۔اے تک ہے اور آپ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں ۔ اسوقت دہلی میں مقیم ہیں ۔

قطعات

ہر آنکھ ہے مدہوش الٰہی توبہ
ہر قلب ہے مے نوش الٰہی توبہ
سمجھے کوئی کس طرح یہ دنیا کیا ہے
ہر ذرّہ ہے خاموش الٰہی توبہ

انجم و ماہ کہاں تک دیکھوں
اثرِ آہ کہاں تک دیکھوں
کب تک آؤ گے یہ معلوم تو ہو
اس طرح راہ کہاں تک دیکھوں

عشرتِ ناز سمجھتا ہوں
غم کا انداز سمجھتا ہوں
میری ہستی ہی تو ہستی ہے ضیاؔ
زیست کا راز سمجھتا ہوں

شبِ غم پُر امید ہوتی ہے
دل تڑپتا ہے آنکھ روتی ہے
تارے مجھ سے کلام کرتے ہیں
چاندنی میرے ساتھ سوتی ہے

محبت

محبت لفظ تو سادہ ہے لیکن اے ضیاؔ اس میں
سمٹ آتی ہیں سب رنگینیاں گلزارِ ہستی کی
بیاں الفاظ میں اسکو کرے یہ تاب ہے کس میں
کہ یہ اک آخری منزل ہے راہِ کیف و مستی کی

محبت سے ہے وابستہ ترقی روحِ انساں کی
یہ رازِ عالمِ ایجاد سے آگاہ کرتی ہے
یہی تنظیم کرتی ہے خیالاتِ پریشاں کی
دلوں کو بے نیازِ حُسنِ مہر و ماہ کرتی ہے

رواں ہیں میری رگ رگ میں محبت کی حسیں لہریں
نفس کی ہر صدا سے راگنی الفت کی سنتا ہوں
تماشا حسن کا کرتا ہوں اکثر اس کے نغموں میں
محبت کی نوا سامانیوں پر سر میں دھنتا ہوں

محبت اک حسیں نشتر ہے جو جذبِ رگِ جاں ہے
محبت میرا مذہب ہے، محبت میرا ایماں ہے

عورت کی تخلیق

آبِ کوثر سے روانی مانگ لی
باغِ جنت سے جوانی مانگ لی

لی گلوں سے نکہتِ جاں آفریں — بلبلوں سے نغمہ ہائے دل نشیں
مانگ لی نرگس سے چشمِ نیم باز — شاخِ طوبیٰ سے ادائے دلنواز
موجِ بادِ صبح سے رفتار لی — سوسنِ خاموش سے گفتار لی
زلفِ سنبل سے درازی مانگ لی — سرو سے پھر سرفرازی مانگ لی
غنچہ ہائے نو سے لی معصومیت — لی فضائے جانفزا سے عطریت
لالۂ صحرا سے سرخی مانگ لی — بادۂ کوثر سے مستی مانگ لی
انجم تابی سے لیں تابانیاں — ماہ کے آئینہ سے حیرانیاں
مہرِ روشن سے ضیاؤں کو لیا — اقتباسِ جلوۂ انور کیا
لی کشش کی تاب مقناطیس سے — اور تھوڑی سرکشی ابلیس سے
لی فرشتوں سے سکوں آمیزیاں — موجِ غم سے اضطراب انگیزیاں
سب کو قدرت نے بہم یکجا کیا — پیکرِ نو اِن سے اک پیدا کیا

ضیا

کرشن مراری لال توم تیاگی برہمن باشندہ میرٹھ۔ ولادت ۱۹۱۳ء۔ آپ نے شروع میں جناب شمس میرٹھی اور سیماب اکبرآبادی سے کلام پر اصلاح لی۔ بعد میں برج موہن تاتریہ کیفی دہلوی سے مشورۂ سخن کیا۔ آپ کی عمر ابھی آٹھ سال کی ہی تھی کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اور آپ کی تعلیم میں رکاوٹ واقع ہوئی۔ آپ نے اپنی محنت سے اُردو مڈل، اعلیٰ قابلیت، منشی فاضل فارسی اور ہائی اسکول کے

امتحانات پاس کئے۔ مڈل اسکول کی ہیڈ ماسٹری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔

دردِ دل زخمِ جگر سوزِ نہاں پیدا کریں
حُسن کی نظروں میں نامِ عاشقاں پیدا کریں

عشق کو ہو حسن کا غم، حسن کو سودائے عشق
ایسا اک آپس میں ربطِ جاوداں پیدا کریں

جو نہ مٹ جائے کبھی حرفِ مقدر کی طرح
وہ تعلق اپنے ان کے درمیاں پیدا کریں

کاروانِ زندگی کو کیا نشیب اور کیا فراز
دل میں کیوں اندیشۂ سود و زیاں پیدا کریں

سرگذشتِ حیات

نہ پوچھ اے ہم نشیں شرحِ ملال و غم گستی میری
بہت اندوہ گیں ہے سرگذشتِ زندگی میری

بروزِ پنجشنبہ تھی چھٹی تاریخ سن تیرہ
مہینہ فروری کا تھا ولادت جب ہوئی میری

اٹھا سایہ پدر کا سر سے میرے عین بچپن میں
بڑے بھائی نے کی بیچارگی میں یاوری میری

پڑا تھا بار سر پر اپنے بچوں کا جوانی میں
گئی دیگر امانت میں شریکِ زندگی میری

رہا مسلک ہمیشہ خدمتِ قوم و وطن میرا
ملا پیشہ معلم کا یہ تھی خوش قسمتی میری

میری فطرت ہے ہمدردی محبت میرا ایماں ہے
برہمن ہوں مگر ہے شیخ سے بھی دوستی میری

یہ دولت گر نہ کام آتی تو غم سے گھٹ کے مرجاتا
ضیا کام آگئی ناکامیوں میں شاعری میری

قطعہ

بروفات لال بہادر شاستری جی

جو تھا طوفانوں میں دل کا آسرا جاتا رہا
کشتیِ ہندوستاں کا ناخدا جاتا رہا

اب لکھو تاریخِ رحلت خونِ دل سے اے ضیا
ہمت و عزم و ارادے کا خدا جاتا رہا

اپنے استاد محترم کیفی دہلوی سے عقیدت کا اظہار

کیفی کی ہے عنایت اب حال پر ضیا کے پھر جان آگئی ہے پژمردہ شاعری میں

طالب

نرائن داس خلف لالہ چھجومل، باشندہ پانی پت (ہریانہ) ولادت ۱۹۰۶ء۔ شاگرد جناب مہاراج بہادر برق دہلوی و منور لکھنوی۔ آپ بسلسلہ ملازمت کافی عرصہ سے کیتھل میں مقیم تھے۔ شہد کی مکھیوں کے نرغے میں آنیکے سبب ۱۹۷۶ء میں انتقال کیا۔

دیئے جلانے سے فائدہ کیا چمک میں بجلی کی کیا دھرا ہے
ملی اگر تو مرے ہی دل سے کبھی مجھے روشنی ملے گی

مصیبتوں سے نہ خوف کھا تو قدم بڑھائے جا سوئے منزل
تری طرف تجکو تیری منزل ضرور بڑھتی ہوئی ملے گی

نظام عالم ہے نامکمل، اسے مکمل سمجھنے والو
ہر ایک انساں میں اس جہاں میں کوئی نہ کوئی کمی ملے گی

تلاش اسکی عبث ہے طالب فضول کرتا ہے جستجو تو
نصیب میں جب ازل سے غم ہے تو پھر کہاں سے خوشی ملے گی

مجھے جب وہ محشر ادا یاد آیا قیامت کا پھر ماجرا یاد آیا

نہ جانے کتنے ظلم کیا دشمنوں نے
حبیبوں کا طرزِ وفا یاد آیا
اگر یاد آتا تو کیا حال ہوتا
بھلانے پہ وہ بارہا یاد آیا
کچھ ایسی ہی صورت نظر آ رہی تھی
مجھے میکدہ میں خدا یاد آیا
سفر میں جو رہزن ملے خضر صورت
وطن کا ہر اک رہنما یاد آیا
چھڑی ساز دل پر غزل جب بھی کوئی
وہ طالب سا نغمہ سرا یاد آیا

ہند کے سپاہی سے خطاب

اے سپاہی ہند کے تیغ آزما
جنگ کے میدان میں جوہر دکھا
پھر لٹیروں نے کیا فتنہ بپا
وقت تیرے امتحاں کا آ گیا
ہاں اٹھا تلوار تو اپنی اٹھا
اے سپاہی ہند کے تیغ آزما
کتنی تیزی ہے تری رفتار میں
حشر برپا ہے صفِ اغیار میں
موت کا نرغا ہے تیرے وار میں
کتنے جوہر ہیں تری تلوار میں
ہاں بڑھا اپنا قدم جلدی بڑھا
اے سپاہی ہند کے تیغ آزما
تیرا لوہا مانتے ہیں بحر و بر
رن کا تجھ کو کچھ نہیں خوف و خطر
تو ہمیشہ رن میں ہے سینہ سپر
معرکے رن میں کئے ہیں تو نے سر
عرصۂ کشمیر میں جوہر دکھا
اے سپاہی ہند کے تیغ آزما

طالبؔ

دیودبہاری لال، ساکن بھرت پور۔ ولادت ۱۹۱۳ء۔ شاگرد جناب چھتر مل تسلیم۔ آپ کا دیوان بعنوان "خمریات" ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا ہے جو قطعات پر مشتمل ہے۔ آپ کافی عرصہ سہارنپور میں پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف ٹریننگ سینٹر میں پرنسپل رہنے کے بعد سینیر سپرنٹنڈنٹ آف پوسٹ آفیسز کے عہدہ پر ممتاز رہنے کے بعد ریٹائر ہوئے ہیں۔

ہر کو رنگیں بنانے کیلئے پیتا ہوں میں — خواب کی دنیا سجانے کیلئے پیتا ہوں میں
ضبطِ غم کی حد سے جب میرا گذر جاتا ہے غم — ضبطِ غم کی حد بڑھانے کیلئے پیتا ہوں میں

جب سفر کی کوئی منزل ہو تعین تب چلو — عزم کی قندیل لیکر راہ میں آگے بڑھو
ماتم تیرہ نصیبی زندگی کی موت ہے — کاروانِ زندگی میں زندگی پیدا کرو

تم نے جس گل کو نوازا گلستاں بنتا گیا — میں نے جس نغمے کو اپنایا فغاں بنتا گیا
عقل راہِ شوق میں کچھ دور چل کر رہ گئی — عشق ہر منزل پہ میرِ کارواں بنتا گیا
میں نے ہر عنوانِ غم سے داستانِ دل کہی — اور ہر عنوانِ غم اک داستاں بنتا گیا

نفس کی لو چراغ زندگی سے کاٹ کر میں نے — کسی کے ہجر میں یوں شامِ غم کی مختصر میں نے

بہ ہر عنوانِ مجبوری نکل آئے ہیں کچھ آنسو — مرے اللہ کب کی ہے شکایت جان کر میں نے
انھیں جس رنگ میں جس شے میں چاہوں دیکھ لوں طالب — بنا لی ہے نگاہِ شوق اتنی معتبر میں نے

دلِ ناداں الم کی زندگی سے کچھ نہیں ہوتا — اندھیروں میں چراغِ بے کسی سے کچھ نہیں ہوتا
وہی دامن کے ٹکڑے ہیں وہی چاکِ گریباں ہے — جنونِ شوق میں بخیہ گری سے کچھ نہیں ہوتا

داغِ دل ان کو دکھاتے ہوئے جی ڈرتا ہے — آگ میں آگ لگاتے ہوئے جی ڈرتا ہے
اب نہ معلوم وہ پہلی سی نظر ہے کہ نہیں — آنکھ سے آنکھ ملاتے ہوئے جی ڈرتا ہے

یونہی غم پہ غم میں اٹھاتا رہا تو — کوئی غم نہ آجائے مجکو اٹھانے
فسانوں کو ہم نے حقیقت بنایا — حقیقت کے تم نے بنائے فسانے

محل جو تہذیب و ارتقاء کے مزارِ ماضی پہ بن رہے ہیں
ہیں ان کی بنیاد کتنی گہری۔ میں ان کی گہرائی جانتا ہوں
نہ جانے کیا کیا لطیف منظر مری نظر سے ابھر رہے ہیں
بقیدِ تنہائی رہتے رہتے میں لطفِ تنہائی جانتا ہوں

طالب

لالہ ششیش چندر ولد رائے صاحب لالہ ہمیش داس آنریری مجسٹریٹ درئیس دہلی۔ قوم کائستھ، ولادت ۱۹۱۰ء شاگرد جناب مہاراج بہادر برق دہلوی۔ آپ نے بی۔ اے تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کے دو شعری مجموعے "رتن مالا" اور "سبزۂ بیگانہ" شائع ہو چکے ہیں۔ آپ اخبار تیج اور آجکل دہلی کے مدیر رہ چکے ہیں۔

یوں تو عاقل بھی ہے دانا بھی ہے فرزانہ بھی ہے
آدمی لیکن بکارِ خویش دیوانہ بھی ہے

ہر رُخِ زیبا کا ہر صورت سے لیتا ہے عکس
دل مرا دل ہی نہیں اک آئینہ خانہ بھی ہے

ہم تو بیگانے کو بھی اپنا سمجھتے آئے ہیں
کس کو بیگانہ کہیں گویا کوئی بیگانہ بھی ہے

گھر خدا کا بھی ہے اس میں ہیں مقیم اصنام بھی
دل جسے کہتے ہیں سب کعبہ بھی بتخانہ بھی ہے

خون اس کا بھی ہوا ہے صرف تزئینِ چمن
اور دنیا کی نظر میں سبزہ بیگانہ بھی ہے

ہے خمیرِ ابنِ آدم میں غرض مندی بہت
اپنا مطلب ہو تو دیوانہ بھی فرزانہ بھی ہے

ہم تو دنیا کی دو رنگی کا اثر لیتے نہیں
یہ طرب خانہ بھی ہے طالب عزا خانہ بھی ہے

اور کیا اے ستم ایجاد ابھی باقی ہے
وہ بھی ہو جائے جو بیداد ابھی باقی ہے

خواہ برتیں وہ تغافل کہ توجہ فرمائیں
کسی عنواں ہی سہی یاد ابھی باقی ہے

آپ کے حسنِ سماعت پہ اگر بار نہ ہو
وہ بھی سن لیجئے جو روداد ابھی باقی ہے

ذکر طالب کے بزرگوں کا ہوا ہے اکثر
سطوت و عظمتِ اجداد ابھی باقی ہے

جذبۂ خود رفتگی سے جب مٹا نقشِ دوئی
ذرہ ذرہ سے نمایاں تیری وحدت ہو گئی
دل کا آئینہ جو وحدت سے مجلا ہو گیا
شکل جو آئی نظر وہ تیری صورت ہو گئی

آنسوؤں نے آنکھ کو وہ قوتِ تقریر دی
جس سے عریاں میرے احساسات کی تصویر ہے
ہر بشر ہے کاتبِ تقدیر خود اپنے لئے
کرمِ اعمال کا نام دگر تقدیر ہے

قہر بھی تیرا یہ اندازِ کرم ہوتا ہے
جو کرے شکوہ تراننگِ شکیبائی ہے
بخش دے صبر و سکوں کی مجھے دولت یارب
دامنِ حرص جو پھیلائے وہ سودائی ہے

طالب

چندن پرکاش نندہ ولادت ۱۹۲۲ء۔ جائے پیدائش امین آباد (گوجرانوالا) آپ کے والد امین آباد کے زمیندار تھے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے بعد آپ نے علاقہ کانگڑہ قصبہ دھرم شالا میں سکونت اختیار کر لی تھی۔

ہائے وہ لوگ کتنا سادہ تھے
ان کے سب جور بے ارادہ تھے
زعم تھا ان کو سایہ داری کا
ورنہ وہ پیڑ کم لبادہ تھے
اس نے جتنے کرم کئے مجھ پر
میری اوقات سے زیادہ تھے
یاد تھی جن کو آبلہ پائی
وہ کہاں آشنائے جادہ تھے
کچھ ملے ان صنوبروں کا سراغ
جو نگینوں میں ایستادہ تھے

۲۲۵

طوفاںؔ

کرشن دت باشندہ دہلی۔ آپ تیس ہزاری ینوسیول کورٹ دہلی آفس میں سپرنٹینڈنٹ کے عہدہ پر مامور تھے۔

یہ بات اور ہے کہ کوئی کامراں نہیں — لیکن کبھی کسی کا عدو آسماں نہیں
مانا حدِ خزاں سے الگ گلستاں نہیں — واقف ان آفتوں سے مگر باغباں نہیں
ناکامیوں کے دم سے ملیں کامیابیاں — محنت کبھی کسی کی ہوئی رائیگاں نہیں
نظریں تری تلاش میں خود نور بن گئیں — جلوہ ترا نہ جانے کہاں ہے کہاں نہیں
ہوتے یہاں ہیں کافر و دیندار ایک جا — کس نے کہا کہ میکدہ آرام جاں نہیں
طوفاںؔ اسیر غم ہی رہوں گا تمام عمر — دنیا سے مختلف تو مری داستاں نہیں

ظفرؔ

سجین سین خلف لالہ ایشری داس باشندہ ملتان شاگرد جناب احسان دانش بزرگوں کا وطن انبالہ تھا، مگر آپ کے دادا نے ملتان میں سکونت اختیار کر لی تھی لہٰذا آپ وہیں پیدا ہوئے اور وہیں تعلیم حاصل کی۔ انٹرنس اور ادیب کامل کے امتحانات پاس کرنے کے بعد ۱۹۳۳ء میں ایف۔اے کے امتحان میں شریک ہوئے۔ آپ ظفر ادیب کے لقب سے مشہور تھے۔ ۲۳ جون ۱۹۸۱ء کو دہلی میں وفات کی۔

میرا معبود نہیں بُت مرا مسجود نہیں — دل کے بہلانے کو تصویر بنا رکھی ہے
یہ بھی وعدہ تھا ترا کیا یہ مناسب تھا تجھے — تو نے کیوں اتنی جفا ہم پہ روا رکھی ہے

متفرق اشعار

مقیدرہ کے جینے کا مزہ کیا ہے — مٹا دے یا ہمیں آزاد کر دے
عشق میں نیستی بھی ہستی ہے — کون کہتا ہے مر گیا ہوں میں

عاجزؔ

رائے گورچرن داس ولد رائے ٹھاکر پرشاد نقم باشندہ حیدرآباد دکن، ولادت ۱۹۰۴ء۔ شاگرد جناب رائے بشن سنگھ خوشترؔ۔

تاریخ وفات محبوب راج

اس گئے گذرے زمانے میں فلک — اک غنیمت تھا دمِ محبوب راج
تو نے ایّامِ بہاری میں مگر — ہم کو دکھلایا غمِ محبوب راج
کیوں نہ ہو اپنے لئے تا زندگی — روح فرسا ماتمِ محبوب راج
از سرِ حیف ان کی تاریخِ وفات — لکھ دیا ہے ہے غمِ محبوب راج

عرشؔ

پنڈت بالمکند خلف پنڈت لبھورام جوشؔ ملسیانی۔ باشندہ ملسیان ضلع جالندھر ولادت ۱۹۰۸ء۔ آپ نے ادور سیر کا امتحان پاس کرنے کے بعد ۱۹۲۸ء میں محکمۂ نہر میں ملازمت اختیار کر لی۔ اسکے بعد آپ گورنمنٹ انڈسٹریل اسکول میں درس و تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ آپ نے ایف۔اے اور بی۔اے کے امتحانات پرائیویٹ طور پر پاس کئے۔ رسالہ رہنمائے تعلیم، لاہور کے اڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ شاعری میں کسی

استاد سے وابستہ نہیں تھے۔ یہ فیض والدِ محترم کا تھا کہ شعر کہنے کی صلاحیت جلا پائی۔ ۱۹۷۹ء میں دہلی میں انتقال کیا۔

رباعیات

حسرت کا گلہ دل سے کیے جاتے ہیں
جینے کی جو پوچھو تو جیے جاتے ہیں
ملتا نہیں، اے عرشؔ جو کچھ پینے کو
ہم جام ہی دھو دھو کے پیے جاتے ہیں

فردوس کے چشموں کی روانی پہ نہ جا
اے شیخ تو جنّت کی کہانی پہ نہ جا
اس دہر کو چھوڑ اپنے بڑھاپے ہی کو دیکھ
حورانِ بہشتی کی جوانی پہ نہ جا

زخمِ دل بھی کھا کے دیکھ لیا
بس تمھیں آزما کے دیکھ لیا
داغِ دل سے بھی روشنی نہ ملی
یہ دیا بھی جلا کے دیکھ لیا
شکوے مٹتے ہیں کیونکر آپ سے آپ
سامنے انکے جا کے دیکھ لیا
مژدہ اے حسرتِ دلِ پُر شوق
اس نے پھر مسکرا کے دیکھ لیا
ترکِ اُلفت کے سُن لئے الزام
رازِ دل کو چھپا کے دیکھ لیا
جو نہ دیکھا تھا آجتک ہم نے
دل کی باتوں میں آ کے دیکھ لیا
کوئی اپنا نہیں یہاں اے عرشؔ
سب کو اپنا بنا کے دیکھ لیا

ایمیتؔ کا نور اگر ہے تو میرے وطن میں ہے
اب تک بھی شانِ طور اس اجڑے چمن میں ہے
دونوں ہیں تیری یاد میں آلودۂ غرض
جو عیب شیخ میں ہے وہی برہمن میں ہے

بچھڑ کر قافلے والوں سے یہ حالت ہوئی میری
کہ ہر آواز اب بانگِ درا معلوم ہوتی ہے
تصنع کی فسوں کاری کا کچھ ایسا اثر دیکھا
کہ یہ دنیا مجھے دنیا نما معلوم ہوتی ہے

نہ اُمنگ ہے نہ شباب ہے نہ بہار ہے نہ شراب ہے
کہوں موت کو میں عذاب کیوں مجھے زندگی ہی عذاب ہے
ہے ورق ورق پہ لکھا ہوا وہی درد و یاس کا ماجرا
نہیں باب جسمیں امید کا مرے عشق کی وہ کتاب ہے

فانی

کرپال سنگھ، آپ ۱۹۰۹ء میں بمقام بٹالہ ضلع گورداسپور میں پیدا ہوئے۔ ہائی اسکول پاس کرنے کے بعد محکمۂ مال میں ملازم ہو گئے اور بحیثیت تحصیلدار ریٹائر ہوئے۔ شرفِ تلمذ جناب دلارام رتن پنڈوری، کوشاں بنگ پوری اور عارف جالپوری سے ہے۔ آپ کا دیوان موسوم "رموزِ نکات" ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکا ہے۔

عنصری نے کی صراحی میں طرحدار ہے کون
فطرتِ حسن کی تصویر کا شہکار ہے کون
پتے پتے پہ ہے عریاتی نزہت کی جھلک
نگہتِ گل سے نکل کر سرِ گلزار ہے کون

ہر رگِ گل میں اُبھر آئے ہیں نغمات کے تال
اس کے ٹوٹے ہوئے ساز میں فنکار ہے کون

یوں تو ہے ہر لبِ گفتار پہ کردار کی بات
خلق سے سلجھا ہوا پیکرِ کردار ہے کون

رگِ شاہیں میں تو اب طاقتِ پرواز نہیں
اوج گاہوں کی فضاؤں کا طلبگار ہے کون

جھوم اٹھے مری واماندہ تمنا کے نصیب
حُسن کی محفلِ رقصاں میں اداکار ہے کون

جھومتی پھرتی ہے مدہوش نظر کی مستی
سرِ محفل مئے پُرکیف سے سرشار ہے کون

گلِ عارض پہ مجھے آیا نظر طورِ ظہور
اس کے شعلوں میں نہاں پیکرِ اظہار ہے کون

خوب ہے نکھرا ہوا چمپئی زلفوں کا نکھار
حُسن کا مارا ہُوا رونقِ بازار ہے کون

ہر کوئی حُسنِ مجازی کا ہے شیدا فانیؔ
جلوۂ حُسنِ حقیقی کا پرستار ہے کون

المست ہوئے دیکھ کے مستانے ہزاروں
ساقی نے بھی مسکائے ہیں پیمانے ہزاروں

اک بات ہی سُن کر ہیں تحیر میں فضائیں
دل کے تو پھپھولوں کے ہیں افسانے ہزاروں

گھونگھٹ کی تمنا ہی نہیں میری پجارن
جلوت کے بھی آنگن میں ہیں مستانے ہزاروں

اکسیر ہوئے جاتے ہیں آتش سے لپٹ کر
بیتاب ہوئے موت کے پروانے ہزاروں

اک میں ہی نہیں مجنوں کی طرح عشق میں کامل
بازار میں پھرتے تو ہیں دیوانے ہزاروں

آنکھوں کے ہیں شیشے درِ لاہوت کے پردے
پہلو میں ہیں کعبے کئی بتخانے ہزاروں

پھندوں میں نہ آئی مری توبہ کی لطافت
ساقی نے تو چھلکائے تھے پیمانے ہزاروں

آنکھوں میں سمو کر ترے بہروپ کی دنیا
نظروں نے لئے روپ کے نذرانے ہزاروں

لیکر چلے آئے ہیں تمنا کے تزلزل
ارمان کے مارے ہوئے پروانے ہزاروں
چھیڑو تو سہی تم دلِ فانی کے پھپھولے
ان میں ہیں نہاں سوز کے افسانے ہزاروں

ٹھٹھرے ہوئے چراغ ہیں جلووں پہ ہے نقاب
تا بانیوں پہ اونگھ ہے معبود محوِ خواب
کتنی کرشمہ ساز ہے وہ ذاتِ سرفراز
دیکھے ہیں طورِ نور میں ظلمت کے آفتاب
مایوس ہو گئی ہے دعاؤں کی التجا
بے حس جمود سے کوئی ملتا نہیں جواب
کھل کر ہو بات کیسے مری اس جمیل سے
سجدوں کی ضرب سے بھی جو کرتا ہو اجتناب
اپنا نظام دیکھے وہ بندوں کے ہاتھ میں
سویا ہوا ہے چین سے اوڑھے ہوئے نقاب
آئیں نظر تجھے بھی قیامت کے زلزلے
رُخ سے ذرا ہٹا تو سہی گوشۂ حجاب
فانی جلال آگیا حُسن و جمال میں
نورانیوں پہ چھا گیا اک قہرِ پُر عتاب

فدا

لقب فدائے سخن ولد پنڈت شیو رام باشندہ گھوڑی کلاں (پاکستان) مقیم پٹیالہ، ولادت ۱۹۰۸ء۔

کوئی بالائے بام آگیا ہے
زندگی کا پیام آگیا ہے
رُک گئی ہے زمانہ کی گردش
جب بھی گردش میں جام آگیا ہے
ان کو کرتی ہے دنیا سلامیں
جن کو تیرا اسلام آگیا ہے
لڑکھڑانے لگے پاؤں سب کے
کوئی مستِ خرام آگیا ہے

بند ہونے لگی دل کی دھڑکن — کون سا یہ مقام آگیا ہے
آگیا درد کو بھی پسینہ — کس کا ہونٹوں پہ نام آگیا ہے
رنج کی مٹ گئیں تلخیاں سب — جب وہ شیریں کلام آگیا ہے
اے فداؔ کیا کہوں، طائرِ دل — خود بخود زیرِ دام آگیا ہے

فداؔ

پنڈت برج کشن گنجور کشمیری۔ باشندہ فیض آباد (یو۔پی) آپ اُردو اور فارسی میں اچھی قابلیت رکھتے تھے۔ ۱۹۳۲ء میں آپ کا نوجوانی کا عالم تھا۔ آپ کے والد اضلاع اودھ میں سب جج کے عہدہ پر ممتاز تھے۔

نظر آتا جو کہیں دیکھنے والا کوئی — جلوۂ دوست بھی پردے سے نمایاں ہوتا
اب وہاں رکھا ہے کیا حضرتِ آدم بھی نہیں — لطف آتا جو کوئی خلد میں انساں ہوتا

پُردرد وہ فسانہ تھا میرا کہ میرے بعد — دنیا بہ حشر تک کبھی افسانہ خواں ہوئی
شوقِ بتاں سے دل کو ہوئی گو خلش مگر — دل کی خلش ہی رہبرِ کوئے بتاں ہوئی

اشعارِ متفرق

ہمیں اس نزع کے عالم میں بھی آرام آجائے — بوقتِ آخری گر یار کا پیغام آجائے
قطرۂ خونِ جگر کی دیکھیے رنگینیاں — آنکھ میں آنسو بنا دامن میں دریا ہو گیا
وہ برقِ عشق جسکو درد کہتے ہیں محبت میں — کبھی دل کی طرف آئے کبھی سوئے جگر آئے

حسرت سے تک رہا ہوں ترے ہاتھ کی طرف
اب اور کس طرح کہوں مجھے جام چاہیئے

فرحت

بابو گنگا دھر بی۔ اے خلف بابو بشمبر ناتھ وکیل، باشندہ کانپور۔ ولادت ۱۹۰۵ء ذریعۂ معاش وکالت، شاگرد جناب احسن سنبھلی۔ آپ کانگرس کمیٹی کانپور کے جنرل سکریٹری رہ چکے ہیں اور جنگ آزادی میں بڑے جوش کے ساتھ حصہ لیکر گرفتاری بھی دی ہے۔

رباعیات

اپنی قیمت گہر کو معلوم نہیں
قدرِ سایۂ شجر کو معلوم نہیں
سجدہ کرنے کو ہیں فرشتے تیار
اپنی عظمت بشر کو معلوم نہیں

اعمال سے اپنے ڈر نہیں سکتا ہوں
مرنا چاہوں تو مر نہیں سکتا ہوں
تادیبِ ضمیر سے ہوں فرحت مجبور
چاہوں تو گناہ کر نہیں سکتا ہوں

رسوا آیا ہوں خوار آیا ہوں
درگاہ میں تری شرمسار آیا ہوں
اپنی رحمت کی لاج رکھ لے مالک
ہر چند کہ میں گناہگار آیا ہوں

زیست کو مستعار کہتے ہیں
زندگی کو غبار کہتے ہیں
ان کی نادانیوں کا کیا کہنا
دل کو جو ہوشیار کہتے ہیں

اصل میں ہیں وہی بلند مقام
خود کو جو خاکسار کہتے ہیں

یہ تجاہل ہے ان کا یا شوخی
ضبطِ غم کو غبار کہتے ہیں

لوگ دنیائے عشق میں مجھ کو
فرحتِ جاں نثار کہتے ہیں

آ تو پھر اس طرح سے آ دوست کی بزم ناز میں
سر کی بھی کچھ خبر نہ ہو سجدۂ بے نیاز میں

دیکھ کے آستانِ دوست عقل کے بھی ہوش اڑ گئے
دخل کہاں حواس کا حُسن کی بزم ناز میں

واہ رے شانِ اضطرابِ دل میں ہے کوئی برقِ حسن
جلوے تڑپ رہے ہیں آج دامنِ سوز و ساز میں

فرحتِ آرزو پسند، ہوش میں آ خودی کو چھوڑ
دیکھ یہ کس کا عکس ہے آئینۂ مجاز میں

دیکھو کر عہد وفا ساغر سرشار کے ساتھ
ابر بھی جھوم اُٹھا فرحتِ میخوار کے ساتھ

کیا خبر آگ نشیمن میں لگائی کس نے
برق چمکی تھی مری آہِ شرربار کے ساتھ

فلک

ھیرا لال باشندہ دہلی، ولادت ۱۹۲۰ء شاگرد جناب بیخود دہلوی

ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے
مجھ میں ہی سمائی ہے یہ دنیا مرے آگے

شبنم میں چمک اُٹھتا ہے خورشید دمِ دید
کوزے میں سما جاتا ہے دریا مرے آگے

کھلتی ہے ہر اک بند کلی میری نظر سے
اُٹھتا ہے ہر اک راز سے پردا مرے آگے

رقصاں ہیں مرے سامنے میرے ہی خیالات
اک خواب کی صورت ہے یہ دنیا مرے آگے

بتخانے میں جو بُت ہیں وہ میرا تصوّر ہیں
آباد ہوئے کعبہ و کلیسا مرے آگے

وہ قیس ہوں میں جس سے لرزتے ہیں بگولے
آتی نہیں خوف سے لیلا مرے آگے

مہتاب سرِ شام تو خورشید دمِ صبح
دونوں ہی ادا کرتے ہیں سجدا مرے آگے

ذرّوں کو بچاتا ہوں کہ ٹھوکریں فنا ہیں
اور کوہ سے کہتا ہوں کہ آ جا مرے آگے

میں دیدۂ ساقی کو فلک چومتا پھر دوں
رکھتا نہ اگر ساغر و مینا مرے آگے

قابلؔ

سیلک چند ولد شری کنول نین قوم جین ولادت ۱۹۲۳ء جائے پیدائش موضع بڑسَت ضلع کرنال (ہریانہ) شاگرد جناب کنہیا لال آزردہ دہلوی و پروفیسر بخشی اختر امرتسری۔ آپ اُردو کے ساتھ فارسی زبان سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ پنجاب نیشنل بنک میں بطور اکاؤنٹینٹ کام کرنے کے بعد ۱۹۸۳ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اسوقت دہلی میں آباد ہیں۔

قطعات

رُخ سے ذرا نقاب تم اپنے ہٹاؤ تو
رنگینیِ شباب کے جلوے دکھاؤ تو

ہم جان و دل نثار کرینگے ہزار بار
اک بار مُسکرا کے نگاہیں ملاؤ تو

دلِ غمِ عشق سے مسرور ہُوا جاتا ہے | جلوۂ حُسن سے معمور ہُوا جاتا ہے
آرزو مست کئے دیتی ہے قابل مجکو | کون یہ روح میں مستور ہُوا جاتا ہے

کسی کے مسکرانے میں نہاں ہے رازِ عشرت بھی | کسی کا روٹھ جانا ہے مصیبت میں قیامت بھی
یہ دنیا ہے یہاں پر کون کس کا ساتھ دیتا ہے | یہ اک ایسی روایت ہے کہ جسمیں حقیقت بھی
ادا ہو جائے ان کے پاؤں پر اک سجدۂ الفت | تو ہو جائے مکمل زندگی بھر کی عبادت بھی
وہ قابل جب خفا ہوتے ہیں دنیا روٹھ جاتی ہے | وہ اپنے ساتھ ہوتے ہیں تو بن جاتی ہے قسمت بھی

قتل ہونے کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے | ہم یہاں ہیں دل ہمارا کوچۂ قاتل میں ہے
ان کی محفل میں ہے دستورِ زباں بندی مگر | خود بتا دینگے یہ آنسو کیا ہمارے دل میں ہے
ہے فرشتے سے بھی بڑھ کر اس بشر کا مرتبہ | خدمتِ خلقِ خدا کا درد جس کے دل میں ہے
عشق میں جلنے کی لذت تو دلِ قابل سے پوچھ | اس نے دیکھا ہے مزہ جو سوزشِ حاصل میں ہے

نگاہوں سے تری ساقی مئے گلگوں برستی ہے | یہ پیمانے سلامت ہیں تو پیمانوں کا کیا ہوگا
سکونِ جان بنیں گے کس کے جلوے پھر خدا جانے | جو شمع ہو گئی خاموش تو پروانوں کا کیا ہوگا
ہمارے دم سے ہیں آباد قابل آج بتخانے | نہ ہوں گے جب ہمی کل پھر صنم خانوں کا کیا ہوگا

محبّانِ وطن

دیکھتے ہیں جب ضرورت سرفروشانِ وطن — اپنی جاں پر کھیل جاتے ہیں محبانِ وطن
شمعِ آزادی کے پروانے فدایانِ وطن — قابلِ تعظیم ہوتے ہیں شہیدانِ وطن

جو بھی رکھتے ہیں حیاتِ جاوداں کی جستجو
آپ رکھ دیتے ہیں بڑھ کر تیغِ قاتل پر گلو

ان کو ہوتا ہی نہیں کچھ جان کا خوف و خطر — موت کب آتی ہے ان کو یہ ہمیشہ ہیں امر
رات دن قوم و وطن پر ان کی رہتی ہے نظر — دیش کے نورِ نظر ہیں قوم کے لختِ جگر

ہاں وطن کی خاک پر سجدے ادا کرتے ہیں یہ
دین بھی ایمان بھی جاں بھی فدا کرتے ہیں یہ

جاں نثارانِ وطن ہو قوم کی تم آبرو — ملک و ملت کیلئے تم نے دیا اپنا لہو
تم چمن کی آبرو ہو اور گلوں کا رنگ و بو — ہے تمہارے دم سے ہی سرسبز باغِ آرزو

اک تمہارے نور سے روشن ہے ایوانِ وطن
تم ہو ہر عنوان سے روحِ وطن جانِ وطن

دے رہے ہیں یہ شہیدانِ وطن ہم کو پیام — ہاتھ سے جانے نہ پائے جو ہوا حاصل مقام
ہاں رہے قائم یہ اپنی شانِ آزادی مدام — ان کی خواہش ہے یقیناً قابلِ صد احترام

ہم کریں پیدا دلوں میں اب نئی بیداریاں
ہر بشر کے سر پہ ہیں قابلؔ یہ ذمہ داریاں

قمر

چاند پرکاش اہلووالیہ ساکن دسوہا ضلع ہوشیارپور (پنجاب) ولادت ۱۹۲۵ء شاگرد جناب ساحرؔ ہوشیارپوری۔ آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔ اے کا امتحان پاس کرنے کے بعد سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی۔

تیرا جمال جلوۂ گلہائے زمیں ہے
تیرا جلال آتشِ دیرق و شرر میں ہے

اک تو کہ تیرے سامنے دنیائے رنگ و بو
اک میں کہ سیلِ دردمری چشمِ تر میں ہے

جس نور سے فروغ ملا مہر و ماہ کو
وہ نورِ جانفروز ہماری نظر میں ہے

مسجد نہ ڈیڑھ اینٹ کی واعظ الگ بنا
اے بےخبر وطن کا سفینہ بھنور میں ہے

یہ فخر میرے واسطے کچھ کم نہیں قمرؔ
میرا بھی نام حلقۂ اہلِ ہنر میں ہے

کسی کافر ادا کی زلف برہم ہوتی جاتی ہے
رہِ منزل میں میری روشنی کم ہوتی جاتی ہے

وہی محفل وہی ساقی، وہی مینا وہی ساغر
نہ جانے ان سے کیوں دل بستگی کم ہوتی جاتی ہے

قمرؔ اس جلوہ سامانی سے تو ظلمت ہی اچھی تھی
کہ لو دل میں چراغِ غم کی مدھم ہوتی جاتی ہے

سنگِ غم سے جو قلب چور نہیں
اسمیں انسانیت کا نور نہیں

وہ نگاہوں سے لاکھ دور سہی
لطف یہ ہے کہ دل سے دور نہیں

اسکے اسلوب اس کے تیور ہیں
حسن ہی حسن ہے غرور نہیں

لے قمرؔ ڈھونڈتا ہے تو جس کو
تیرے دل میں ہے تجھ سے دور نہیں

قیسؔ

لالہ رام چند ولد لالہ ہری رام باشندہ بسی کلاں ضلع ہوشیار پور، ولادت ۱۹۰۴ء شاگرد جناب محمد علی آزاد جالندھری۔ آپ کے والد علاقہ کے مشہور تاجر اور ساہوکار تھے۔ آپ کو فارسی، اردو اور ہندی تینوں زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ آپ کی تصنیفات میں جذباتِ قیس، فلسفۂ گیتا اور ڈراموں کا مجموعہ آنسو وغیرہ ہیں۔

ہر شے میں مجھے کُل کا تماشا نظر آیا
قطرہ لئے آغوش میں دریا نظر آیا

تھی شوخ نگاہی کسی ظالم کی قیامت
جذبات کا عالم تہ و بالا نظر آیا

پہلو میں جو دل تھا تو فقط خون کا قطرہ
آنکھوں میں پہنچا تھا کہ دریا نظر آیا

جب آنکھ کھلی وہم بھی تھا اصل سراسر
جب راز کھلا اصل بھی دھوکا نظر آیا

جب ہوش نہ آیا تھا پرایا بھی تھا اپنا
ہوش آیا تو اپنا بھی پرایا نظر آیا

اب بزم میں اللہ رے حیرت کا یہ عالم
پردے کے نہ ہونے پہ بھی پردا نظر آیا

جی جی کے مر گئے بھی تو مر مر کے جی اُٹھے
کیا معجزہ دکھایا ترے انتظار نے

لطفِ خیال کیفِ تصوّر، نشاطِ یاد
کیا کیا نہیں دیا کسی غفلت شعار نے

کیا کم ہے کو ہکن سے کہ غم کی پہاڑ رات
آنکھوں میں کاٹ دی ترے اختر شمار نے

نازک کلائی، نرم طبیعت ذرا سا دل
آئے ہو میرے سینہ میں خنجر اتارنے

برباد کر دیا مجھے برباد کر دیا　　اس دل نے ہاں اسی الفت شعار نے

حُسن کا موسم بھی ہوتا ہے غضب کا پُر بہار　　ایک گُل کو دیکھ کر نظریں گلستاں ہو گئیں
دشمنوں کو دے رہے ہیں آپ آنکھوں میں جگہ　　اب نگاہیں لطف کی اس درجہ ارزاں ہو گئیں
اک جفا جو کو جفاؤں پر پشیماں دیکھ کر　　ہیں تو بیں میری وفائیں بھی پشیماں ہو گئیں
جن نگاہوں سے ٹپکتی تھی کبھی معصومیاں　　دیکھتے ہی دیکھتے وہ فتنہ ساماں ہو گئیں

ہم قافیہ غزل

وہ آفتاب میں ہے نہ ماہتاب میں　　جو ضو جھلک رہی ہے کسی کے نقاب میں
میری نظر سے چھپ نہ سکا حسنِ خود نقاب　　میری نظر نے آگ لگا دی نقاب میں
دیدِ جمالِ یار کی طاقت ہی تھی کسے　　اچھا ہُوا کہ آپ رہے وہ نقاب میں
آنکھوں سے اب نقاب اُٹھاؤ جنابِ قیس　　لیلیٰ بھی ہو سکے گی مقید نقاب میں

کاشؔ

سوم ناتھ ولد جیون رام باشندہ نیوڑ ضلع روپڑ (ہریانہ) ولادت ۱۹۲۰ء شاگرد جناب گنگا دھر تسنیم. پیشہ درس و تدریس۔ آپ ۱۹۷۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول جگادھری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کی نظموں کا مجموعہ موسوم "صبح خنداں" شائع ہو چکا ہے۔

قطعات

ہیں ابھی دہر کے ماتھے پہ لہو کے چھینٹے
ابھی انسان کی تذلیل ہے مقصودِ حیات
ابھی تقسیم بشر کے ہیں شرارے ہر سو
ابھی اوہام کی تصویر ہیں معبودِ حیات

نار ہو یا شراب، پیتا ہوں
آج کل بے حساب پیتا ہوں
تیری چشمِ وفا کے میں صدقے
جامِ حسن و شباب پیتا ہوں

نگہ نگہ میں فرق ہے نظر نظر کی بات ہے
ترے خیال میں ہے دن میری نظر میں رات ہے
میری نگاہِ آرزو ہے تیرے غم سے پُرضیا
میرے الم سے پُر بہار گلشنِ کائنات ہے
تیری نگاہِ ناز پر ہے انحصارِ زندگی
تیرے کرم سے فیضیاب بزمِ کائنات ہے
تیرے بغیر اجنبی ہے ذرّہ ذرّہ دہر کا
تیرا جو ساتھ ہو تو پھر ساتھ ساری کائنات ہے
تیرے تصورات سے بزم ہے کاشِ گلستاں
میری نگاہ پُرضیا میں رازِ کائنات ہے

صرف کرکے ہر بہارِ زندگی تیرے لئے
میں نے کر لی ہے خزاں سے دوستی تیرے لئے
یاد کی تنہائیوں میں ہوتے ہو میرے قریب
میرا ہر لمحہ ہے وقفِ بندگی تیرے لئے
میں غزل کہتا ہوں لیکن تجھ سے احساسِ لطیف
فکر و فن سے ہے مری وابستگی تیرے لئے

کامل

منشی بدری ناتھ پنجابی قوم کھتری باشندہ ماچھی واڑہ ضلع لدھیانہ، ولادت ۱۹۰۹ء، شاگرد جناب مہاراج بہادر برق دہلوی۔

تصور میں وہ آ آ کر دکھاتے ہیں جھلک اپنی
وہ اب کچھ کچھ رفیقِ شامِ ہجراں ہوتے جاتے ہیں
صفائے قلب کا اتنا اثر ہے میرے سجدوں میں
تری دہلیز کے ذرّے بھی تاباں ہوتے جاتے ہیں
جدا ہو کر جو تجھ سے آدمیت سے رہے عاری
وہ تیرے عشق کے صدقے میں انساں ہوتے جاتے ہیں

تیرے صدقے چھیڑ دے اسکو ذرا مضرابِ دیدہ سے
نغمۂ خاموش خوابیدہ جو سازِ دل میں ہے
کیسے پانی میں، قاتل آج دیکھیں گے اسے
موجزن اک شوق کا دریا دلِ بسمل میں ہے

متفرق اشعار

ہماری فکرِ روشن کو ہے نسبت برق سے کامل
تجلی ریز ہے دریائے نورِ کہکشاں ہم سے
واصلِ شمع ہو مطلب تھا یہ جل جانے کا
ذوقِ ایثار ذرا دیکھیے کوئی پروانے میں

کامل

سردار سنتو کھ سنگھ ولد سردار پرتاب سنگھ حکیم۔ باشندہ جہلم (پنجاب) ولادت ۱۹۰۳ء شاگرد جناب سیماب اکبرآبادی۔ تقسیمِ وطن کے بعد آپ نے لدھیانہ اسپتال میں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ ۱۹۵۳ء میں راہیِ ملکِ عدم ہوئے۔

یہ کیا شے اب مری ہستی میں داخل ہوتی جاتی ہے
کہ خود فطرت مری ہستی سے غافل ہوتی جاتی ہے

نہیں خطرہ مری کشتی کو طوفانِ حوادث کا
کہ خود طوفاں کی ہر ہر موج ساحل ہوتی جاتی ہے

کمالِ حسنِ وسعت ہے مری چشمِ بصیرت کا
سمٹ کر خود بخود ہر شے مرا دل ہوتی جاتی ہے

نظامِ شب نے اب اپنی اٹھائی ہے صفِ انجم
طلوعِ صبح سے تاراج محفل ہوتی جاتی ہے

جدائی دیر کی مسجد کی یہ دیوار سی بن کر
مرے اخلاص کے رستے میں حائل ہوتی جاتی ہے

لئے جاتا ہے الٹی سمت میرا کارواں مجکو
درِ جاناں سے کوسوں دور منزل ہوتی جاتی ہے

ہلالِ عید ہے مجکو ترا نظارۂ رنگیں
مری ہر حسرتِ دیدار کامل ہوتی جاتی ہے

کرشن مراری

کرشن مراری سہگل جائے پیدائش مغربی پنجاب ضلع جہلم (پاکستان) ولادت ۱۹۲۶ء۔ آپ کی تعلیم ایم۔ اے تک ہے۔ آپ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۲ء تک آل انڈیا ریڈیو سے منسلک رہے۔ بعد ازاں آپ ریونیو سروس کے رکن منتخب ہو کر انکم ٹیکس کے محکمہ سے وابستہ ہو گئے۔ آپ اردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں۔ تخلص کی قید سے آزاد ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے موسوم۔ سازِ رگِ جاں۔ اور شعلۂ احساس ۱۹۷۵ء اور ۱۹۸۳ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ آپ بحیثیت انکم ٹیکس آفیسر ریٹائر ہو کر دہلی میں آباد ہیں۔

دوستوں کی بے حسی کا تھا وہ عالم
زیست کا احساس مٹتا جا رہا تھا

بیتے لمحوں کی عجب رنگینیاں تھیں
اک چمن یادوں کا کھلتا جا رہا تھا

ہر پریشاں اور آوارہ تخیل
اک غزل کا شعر بنتا جا رہا تھا

بزمِ عشرت میں جو رہتی ہے مسلسل روشن
آج کی رات وہ شمع بجھا کر دیکھیں
ظلمتِ غم میں تجلّی کا سماں ہو شاید
آج ہم اپنے نشیمن کو جلا کر دیکھیں
مدّتوں سے ہے جو پہلو میں لرزتا سایہ
آج ہم اس کو اجالوں میں سجا کر دیکھیں

کشش اک قطرۂ خوں کی جنوں کا تھا گماں یارو
نہ زیرِ پا زمیں ہی تھی نہ سر پر آسماں یارو
نہ منزل تھی وہاں کوئی نہ منزل کا نشاں یارو
فقط نظارگی میں تھا غبارِ کارواں یارو
وہی پیمانِ فردا اور صبر و ضبط کی تلقیں
رہا ہے اجنبی سا ایک رشتہ درمیاں یارو

ایک خوشبو مرے ساتھ ٹکرا گئی
رنگ ہر گل کا تھا جھکا ہوا
وہ مری ہی شکستہ سی آواز تھی
مجھ سے جو پوچھتی تھی مرا ہی پتا
جب میں آگے بڑھا موڑ کو کاٹ کر
حادثہ اک مجھے دیکھتا رہ گیا

کچھ عجب محرومیوں میں گم ہوا
لطف تھا جو گرمیِ احساس کا
پھر اچٹتی سی نگاہِ واپسیں
لے رہی ہے دھڑکنوں کا جائزہ
وہ تجسس کی تھکن تھی دوستو
پوچھتی تھی جو منازل کا پتا

گمتر

بابو کنہیا لال رستوگی ولد بابو رگھبر دیال رستوگی رئیس، باشندہ لکھنؤ، ولادت

۱۹۰۰ء تلمیذ جناب اودھ بہاری لال ثمر لکھنوی۔ آپ فارسی زبان میں ایم۔ اے، تھے

بوترے گیسوؤں کی مشکِ ختن کیا جانے لبِ لعلیں کا شرف لعلِ یمن کیا جانے

باغِ عالم میں نہیں مجھ سا غزل خواں کوئی بلبلِ نغمہ سرا طرزِ سخن کیا جانے

پھر نہ دیکھا جو گیا تیرِ نگاہ کا گھائل شیوۂ رحم بُتِ صید فگن کیا جانے

بہت بے چین ہے یہ قطرۂ مہجور مدت سے تمنا ہے کرے امداد بحرِ بیکراں میری

ہیں جسکی ثنا میں سب رسول و انبیاء عاجز لکھوں حمد و ثنا اسکی کہاں تابِ زباں میری

نہیں کمتر کی خوبی شاعری الہام ہوتی ہے عبث کرتے ہیں مدحت شاعرانِ نکتہ داں میری

کنولؔ

پنڈت دیسراج ولد پنڈت منشی لال ساکن سلطانپور لودھی ضلع جالندھر، ولادت ۱۹۲۳ء شاگرد جناب رشید احمد صدیقی رشیدؔ۔ آپ نے ۱۹۴۲ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور لاہور میں جنرل اکاؤنٹس کے دفتر میں ملازمت اختیار کرلی ازاں بعد تبدیل ہو کر شملہ چلے گئے اور وہیں سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا اور نیو ایرا کالج میں بحیثیت پرنسپل چار سال تک خدمات انجام دیں۔ اس وقت آپ دہلی میں مقیم ہیں۔"

قطعات

زندگی چاک سہی چاک پہ سینا ہوگا ہم نے مانا کہ یہ زہراب ہے۔ پینا ہوگا

زندگی موت کے ہاتھوں سے نہ کھا جائے شکست اے کنولؔ ہم کو ہر اک حال میں جینا ہوگا

قہقہوں میں ایک لمبی سی گھٹن
ہاں کسی گہرے دھوئیں سے کم نہیں

اسمیں پنہاں ہے مسلسل تیرگی
زندگی اندھے کنوئیں سے کم نہیں

کس لئے کرتے خوشی کی آرزو
آرزو بھی اک طرح کی بھیک ہے

کوئی سمجھا ہی نہیں ہے آجتک
زندگی کا فلسفہ باریک ہے

زندگی سے کیا گلہ کرتے رہیں
جس طرح بھی کٹ رہی ہے ٹھیک ہے

کہہ رہی ہے یہ ہواؤں کی مہک
موسم گل اب بہت نزدیک ہے

آئے ہیں وہ مقام بھی الفت کی راہ میں
اپنوں سے پیش آئے جہاں بے رخی سے ہم

تہذیب نو کے ہوتے گئے جسقدر قریب
اتنا ہی دور ہو گئے آدمی سے ہم

جب جب بھی گردشوں نے دکھایا ہے آئینہ
اپنے کو بھی لگے ہیں بہت اجنبی سے ہم

آپ نے ترکِ تعلق کر لیا اچھا کیا
عمر بھر کی ورنہ رسوائی تھی دیوانے کے ساتھ

ہم کو ان سے عشق تھا، دنیا نے لیکن دیکھئے
لاکھ افسانے گھڑے ہیں ایک افسانے کے ساتھ

آپ کو کم یا زیادہ کا اگر شک ہے حضور
اپنا پیمانہ بدل لیں میرے پیمانے کے ساتھ

کیا جانے چاندنی نے ستاروں سے کیا کہا
شب بھر وہ سر جھکا کے بہت سوچتے رہے

ٹوٹا کہیں جو شاخ سے غنچہ، تو ہم وہیں
پہلو میں دل دبا کے بہت سوچتے رہے
ہاتھوں سے گر کے چور ہوا جام جب کنولؔ
ٹکڑے اٹھا اٹھا کے بہت سوچتے رہے

کنولؔ

کنول لال شرما خلف شری رام پرتاپ شرما۔ آپ کے والد چونکہ کرشنا پور ضلع شاہ آباد (بہار) میں سرکاری ملازم تھے۔ لہٰذا آپ کی ولادت ۱۹۲۱ء میں وہیں ہوئی۔ آپ کا آبائی وطن قصبہ ساڑا تحصیل پھلور ضلع جالندھر ہے، چونکہ آپ کی مستقل سکونت انبالہ میں رہی۔ لہٰذا اسی نسبت سے خود کو انبالوی لکھتے تھے۔ شرف تلمذ جناب لبھو رام جوشؔ ملسیانی سے حاصل تھا۔ آپ بہ سلسلۂ ملازمت آتمارام سناتن دھرم کالج دہلی میں بحیثیت ڈائرکٹر فزیکل ایجوکیشن مامور تھے۔ ۲۷ مئی ۱۹۸۴ء کو آپ کا انتقال ہوا۔

رباعیات

دھوکا ہے فریب ہے ریاکاری ہے
دنیا کی ہر اک چال میں عیّاری ہے
اس پر بھی کہے جاتے ہیں دنیا والے
دنیا تو کہیں جان سے بھی پیاری ہے

مقبول ہوئی طرزِ فغاں بھی میری
گلبار ہوئی طبع رواں بھی میری
فیضانِ جوشؔ ملسیانی سے کنولؔ
ہر عیب سے ہے پاک زباں بھی میری

جب بھی دل میں شعلے بھڑکے آنکھوں نے خونباری کی
ایسے کلفت کے لمحوں میں کس نے یوں غمخواری کی

پیتے پیتے غم کا ساگر، غصہ بھی پی جاتا ہوں
ایسا بھی میکش ہے کوئی جس نے یوں میخواری کی

چپکے چپکے کہدیں ان سے میرے دل کی سب باتیں
مجھ سے میری خاموشی نے کیسی یہ غداری کی

خوابیدہ آنکھوں میں نیندوں کی پریاں رقصاں ہیں
مستی کے عالم میں بھی اک صورت ہے بیداری کی

کیسے کیسے دلسوزی کے منظر ہیں نظروں میں کنولؔ
جس کو سُن لو اس کے لب پر باتیں ہیں بیزاری کی

دلکشی جو ہے خیالات کے آئینہ میں
نظر آئی نہ کسی بات کے آئینہ میں

کس نے سوئے ہوئے ارمان جگائے دل کے
کون ہے میرے خیالات کے آئینہ میں

صاف اک شکل نظر آئے گی مستقبل کی
غور سے دیکھئے خیالات کے آئینہ میں

دلِ ہشیار یہ ہو لاکھ بھروسا لیکن
کھو ہی جاتا ہے طلسمات کے آئینہ میں

ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں کون مکاں میں اسکو
وہ تو ہے تیرے خیالات کے آئینہ میں

کیوں نہ دلکش ہو مری انجمنِ فکر و نظر
تم ہو رقصاں مرے جذبات کے آئینہ میں

کیوں مرے حالِ پریشاں پہ کنولؔ ہنستے ہو
مجکو دیکھو مرے جذبات کے آئینہ میں

کنولؔ

پنڈت بلونت سہائے خلف پنڈت ایشور سنگھ جائے پیدائش شیخو پورہ، ولادت ۱۹۰۴ء، آپ ملٹری فارس میجر رہ چکے ہیں۔ اور آپ کے والد تھانہ شیخو پورہ میں پولس انسپکٹر کی حیثیت سے تعینات تھے۔

اے دوست ترے حسن کو رسوا نہیں کرتے
ہم جرأتِ اظہارِ تمنا نہیں کرتے

کرتے ہیں ترا ذکر مگر سوچ سمجھ کر
ہم تیری محبت کا بھی دعویٰ نہیں کرتے

ہونے کو تو ہم تجھ سے جدا ہو گئے لیکن
کس موڑ پہ ہم تجکو پکارا نہیں کرتے

سمجھا ہے ترے جور کو بھی لطف و عنایت
ہم تیرے تغافل کا بھی شکوا نہیں کرتے

ہوگا انھیں پردہ تو وہ اغیار سے ہوگا
وہ اپنے کنولؔ سے کبھی پردا نہیں کرتے

بزدل ہیں جو ساحل کے ارمانوں میں رہتے ہیں
ہم موجِ رواں بنکر طوفانوں میں رہتے ہیں

یہ گردشِ دوراں ہے یا وحشتِ دل اپنی
اپنوں سے گریزاں ہیں بیگانوں میں رہتے ہیں

کعبہ میں مسلماں ہے مندر میں برہمن ہے
انسان تو اے واعظ میخانوں میں رہتے ہیں

حسنِ گلِ نسریں سے کیا انکو کنولؔ مطلب
جو موسمِ گل میں بھی ویرانوں میں رہتے ہیں

اب لگاؤ ہے دلِ زار کو بیداد کے ساتھ
مدتوں اپنی کٹی ہے ستم ایجاد کے ساتھ

تم ہی لیجاؤ خدارا مرے پہلو سے اسے
اب گزارا نہیں ہوتا دلِ ناشاد کے ساتھ

تجکو بے رنگ بہاروں کا ہے افسوس کنولؔ
ہم تو پت جھڑ میں گزار آئے ہیں صیاد کے ساتھ

کیفؔ

سرسوتی سرن خلف شری بھگوان داس قوم کائستھ۔ سریواستو جائے پیدائش ضلع مین پوری (یو۔پی) ولادت ۱۹۲۰ء۔ آپ کی تعلیم بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی تک ہے۔ آپ کے بزرگ مغل شاہی میں عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے۔ آپ نے تحریکِ آزادی میں نمایاں حصہ لیکر قید وبند کی سعادت حاصل کی۔ آپ نے اُردو۔ ہندی، اور انگریزی زبانوں میں کافی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ عربی، فارسی۔ ہندی فرانسیسی جرمنی، بنگالی اور پنجابی زبانوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اخبار ٹریبیون چنڈی گڈھ کے سب ایڈیٹر رہنے کے بعد ۱۹۸۲ء میں ریٹائر ہوئے ہیں۔ آپ کا مجموعہ کلام موسوم "شعورِ لاشعوری" ۱۹۸۳ء میں شائع ہوچکا ہے۔ اسوقت آپ چنڈی گڈھ میں مقیم ہیں۔

رباعیات

پیتے نہیں داغِ جگر دھوتے ہیں
اور سائے میں رحمت کے تری سوتے ہیں

اے داورِ محشر تو ذرا یہ بھی تو دیکھ
ہم جیسے گنہگار کہاں ہوتے ہیں

ہر روز نیا زخمِ جگر سیتے ہیں
غم کھاتے ہیں اور دل کا لہو پیتے ہیں

ہستی کا بس الزام ہے ہم پر یارو
یہ بھی کوئی جینا ہے جو ہم جیتے ہیں

یہ مانا کہ ہر ایک جگہ جا دیکھا — دنیا کو ہر اک رنگ سے پرکھا دیکھا
اک دم کیلئے جھانک کے اپنے اندر — عیب دیکھ نہ پائے تو بھلا کیا دیکھا

ستمگر تجھ سے کب ہم شکوۂ بیداد کرتے ہیں — ہمیں فریاد کی عادت ہے، ہم فریاد کرتے ہیں
نہ جانے کیوں یہ دنیا چین سے جینے نہیں دیتی — کوئی پوچھے ہم اپر کونسی بیداد کرتے ہیں
کیا ہوگا کبھی آدم کو سجدہ کہنے سننے سے — فرشتے اب کہاں پروائے آدم زاد کرتے ہیں
ہمیں اے دوستو چپ چاپ مرجانا بھی آتا ہے — تڑپ کر ہم ذرا دلجوئی صیاد کرتے ہیں
بہت سادہ سا ہے اے کیف اپنے غم کا افسانہ — وہ ہم کو بھول بیٹھے ہیں جنہیں ہم یاد کرتے ہیں

عشق کے پرکیف پیکاں دل پہ چلتے ہی رہے — جن سے سوز و ساز کے چشمے ابلتے ہی رہے
ضبط کے ہاتھوں بالآخر ہو گئی تکمیل عشق — اور چشم شوق میں آنسو مچلتے ہی رہے
ہم نشیں چشم تصور کی کرامات نہ پوچھ — ان کا پردہ ہی رہا ارماں نکلتے ہی رہے
خوب ہے عیسیٰ نفس شان مسیحائی تری — تا ابد بیمار غم کروٹ بدلتے ہی رہے
کیف قائم ہی رہا سوز و گداز حسن و عشق — شمع روتی ہی رہی پروانے جلتے ہی رہے

کیوں اور زیادہ ہیں تپاں قلب و جگر آج — شاید کہ پس پردہ اٹھی کوئی نظر آج
احساس کی دنیا کا اندھیرا نہ ہوا دور — ہو ہو کے خجل ڈوب گئے شمس و قمر آج

رہے کہیں واعظ نہ بہکنے لگے آکر　　ساقی نے کھُلا رکھا ہے میخانہ کا در آج

دیکھنے والو تم نے کبھی دیکھی نہ ہوگی بن کی آگ

اس سے بھی کچھ تیز دہکنے والی ہے میرے من کی آگ

من کی مٹی تو کبھی کی بن کے بگولا اڑ بھی گئی

صحرا صحرا اب تک پھیلی ہے دیوانہ پن کی آگ

گاندھی

اندرجیت ولد شری لبھامل۔ آپ ۱۹۲۵ء میں ڈسکہ ضلع سیالکوٹ پاکستان میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اسکاچ مشن ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اس کے بعد لاہور کے کالجوں میں تعلیم حاصل کی۔ تقسیم ملک کے بعد آپ کا خاندان مستقل طور پر دہلی میں آباد ہو گیا تھا۔ آپ تحریک آزادی کے سرگرم ممبر رہے ہیں اور دو بار جیل اس سلسلہ میں جا چکے ہیں۔ آپ بہت سی انجمنوں اور اخبارات سے منسلک ہیں اور بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

قطعات

کوئی اپنا نہیں ہے دنیا میں　　لوگ ناحق یہ بات کہتے ہیں

رنج و غم، درد اور تنہائی　　یہ تو ہر وقت ساتھ رہتے ہیں

تم جو روٹھے ہو تو روٹھو شوق سے — ہم سے تو ہرگز نہ روٹھا جائے گا
چھوڑ دیں ہم تم کو یہ ممکن نہیں — چھوڑ دوگے تم تو دیکھا جائے گا

جو اپنے پاس تھا سب کچھ لٹا دیا ہم نے — نفس نفس کو تمنا بنا دیا ہم نے
کوئی سنے نہ سنے اپنی داستاں گاندھی — فسانہ درد کا اپنے سنا دیا ہم نے

اب خوشی کا ذکر بھی آزار ہے تیرے بغیر — درحقیقت ہر خوشی بے کار ہے تیرے بغیر
کیوں میں سوچوں منزل مقصود کی خاطر ندیم — زندگی کا سب سفر دشوار ہے تیرے بغیر
عشق کی باتیں تو اب بیکار ہیں بے کیف ہیں — ہر گھڑی جب زندگی ناچار ہے تیرے بغیر
کیا اٹھائے گی کسی کا بار غم اے ہم نشیں — زندگی خود زندگی پر بار ہے تیرے بغیر
ہو مبارک زندگی کی ہر خوشی تجھکو ندیم — مجھکو لیکن ہر خوشی آزار ہے تیرے بغیر
تو ہی اک رسوا نہیں مجھ سے تعلق توڑ کر — اب تو گاندھی بھی ذلیل و خوار ہے تیرے بغیر

ہم خیالوں میں ہی جن سے گفتگو کرتے رہے — دل ہی دل میں ہم انہی کی آرزو کرتے رہے
جن کو پینا تھی رہے شب بھر وہ پینے ہی میں مست — ہم تو لیکن ساغر مے سے وضو کرتے رہے
ڈر یہی تھا وہ کہیں معذور ہو جائیں نہ پھر — ان کی ہم تصویر ہی سے گفتگو کرتے رہے
وہ جنہوں نے جیتنی تھی جیت لی بازی مگر — شور و شر کے جو تھے حامی ہاؤ ہو کرتے رہے

ب کیوں الزام ہم پر تھوپتے ہیں بار بار — جو بھی چاہا آپ نے ہم ہو بہو کرتے رہے
زنوں کے پاس گاندھی وہ نہ پہنچے آج تک — ہر قدم پر جو کسی کی جستجو کرتے رہے

نشِ شوق کو کچھ اور ہوا دو یارو — اور اسی آگ میں پھر خود کو جلا دو یارو
امزنِ جادۂ نفرت پہ ہیں جو لوگ انھیں — راستہ مہر و محبت کا بتا دو یارو
نے جن راہوں میں نفرت کے نشاں آئیں نظر — نقش ان راہ گزاروں کے مٹا دو یارو
ول دیا ہوش و خرد اپنے لٹائے ہم نے — یہ خطا ہے تو ہمیں خوب سزا دو یارو
ندگی مہر و محبت ہی کا ہے دوسرا نام — اور کیا چیز ہے گاندھی کو بتا دو یارو

لاغر

پنڈت ادم پرکاش ولد پنڈت کرم چند بھاردواج باشندہ جگراؤں ضلع لدھیانہ
ولادت سنہ ۱۹۲۴ء۔ آپ کا آبائی وطن پٹی ضلع امرتسر ہے۔ آپ کے دو شعری مجموعے
احساسات" اور "محسوسات" کے عنوانات سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس وقت آپ
ریدآباد (ہریانہ) میں مقیم ہیں۔

ابھی تک ہے باقی انا زندگی میں — کمی رہ گئی ہے کوئی بندگی میں
عبث ہے عبادت عبث اس کا تقویٰ — اگر آدمیت نہیں آدمی میں
بزرگوں سے جانا ہے یہ راز ہم نے — ہے جینے کی لذت فقط سادگی میں
فلک تک اگر تو گیا بھی تو کیا ہے — بہت فاصلہ ہے ابھی آگہی میں

زمانے کو اب کیسے کوئی بتائے ۔ بڑی تیرگی ہے نئی روشنی میں
مری زندگی میں تو آئی بہاریں ۔ مگر میں نے کھو دی وہ دیوانگی میں
بہادر تو مرتا ہے اک بار لاغرؔ ۔ کئی بار بزدل مرا زندگی میں

خود عرشِ بریں کو بھی جھکتے ہوئے پایا ہے ۔ سر جب بھی کبھی ہم نے سجدہ میں جھکایا ہے
دنیا کے ارادے کو وہ بھانپ گیا ہوگا ۔ پژمردہ سا جو چہرہ سورج نے بنایا ہے
نادار کا مولا ہے لوگوں سے سُنا ہے یہ ۔ پھر کونسی طاقت نے مفلس کو ستایا ہے
میخانۂ الفت کے میخوار کو دنیا نے ۔ سولی پہ چڑھایا ہے یا زہر پلایا ہے
اس راز کو اے لاغرؔ کوئی نہ سمجھ پایا ۔ کیا سوچ کے خالق نے دنیا کو بنایا ہے

سچ کو آخر جامۂ تکمیل پہنائے گا کون ۔ شیر کے منہ سے نوالا چھین کر لائے گا کون
جب نکالا ہی گیا ہے آدمی فردوس سے ۔ پھر وہاں بے آبرو ہونے بھلا جائے گا کون
یہ تو مانا ہم کو جنت میں ملیں گی نعمتیں ۔ بہرِ نعمت گُن فرشتوں کے مگر گائے گا کون
زندگی کے عیش و عشرت چھوڑ کر میری طرح ۔ موت کی آغوش میں لاغرؔ بھلا جائے گا کون

لطف

نام نذر حبیب، ولادت ۱۹۲۶ء ساکن گوندواں (جموں) آپ نے ہندو سبھا کالج امرتسر میں تعلیم حاصل کی۔ تلاشِ روزگار میں بمبئی بھی گئے مگر کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

آخر جموں واپس آکر فوج کی ٹھیکیداری کے کاروبار میں مشغول ہو گئے۔

بہ فیضِ جذبۂ کامل یہاں تک بات آپہنچی
کہ ان کے دل کی اب انکی زباں تک بات آپہنچی
گریباں سی کے میں نے پھر گریباں چاک کر ڈالا
مری دیوانگی کی اب کہاں تک بات آپہنچی
ذرا سی برق چمکی اور پھر اے لطف گلشن میں
یکایک میری شاخ آشیاں تک بات آپہنچی

رنج والم کو جان سے رکھوں نہ کیوں عزیز
بخشش ہوئی حضور کی یہ کائنات ہے
تجھ سے شرابِ ناب کی لذت کو کیا کہوں
پی کر تو دیکھ شیخ یہ آبِ حیات ہے

دل کی حالت عجیب ہے، پیارے
تو جو میرے قریب ہے پیارے
تو نگاہوں سے دور ہے بیشک
دل سے لیکن قریب ہے، پیارے

دوستوں کی نوازشیں ہیں کہ اب
دردِ دل اپنا کم نہیں ہوتا
کس قدر بد نصیب ہوتے ہیں
جن پہ تیرا ستم نہیں ہوتا

مجبور

لکھپت رائے ولد شری دولت رائے قوم کائستھ ساکن موضع اترسو میر کلاں ضلع سلطانپور (یو۔پی) ولادت ۱۹۰۸ء۔ آپ نے لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو زبان میں معاشیات، سیاسیات اور جنرل انگلش میں بی۔اے۔ ایل۔ایل۔بی۔ کی ڈگری

حاصل کی ۔ شروع میں آپ نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا ۔ بعد ازاں اسسٹینٹ کلکٹر مقرر ہو گئے ۔ کچھ عرصہ بعد پھر وہی وکالت کا پیشہ اختیار کیا ۔ آپ کا مجموعۂ کلام موسوم "فردوسِ گم شدہ" ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے ۔ شاعری میں کسی استاد سے وابستہ نہیں ہیں ۔

تو ہے ظاہر کاہکشاں میں ۔۔۔ تو ہے پنہاں پردۂ جاں میں
شبنم شبنم آبِ رواں میں ۔۔۔ شعلہ شعلہ برقِ تپاں میں
قلزم قلزم تو ہے موتی ۔۔۔ دریا دریا کوہِ گراں میں
تیری حمد و ثنا ناممکن ۔۔۔ میری زباں میں عام زباں میں
اپنے مخمورِ خستہ جاں کو ۔۔۔ لے لے تو آغوشِ اماں میں

التفات کا رُخ تمہاری کم نگاہی میں ۔۔۔ ہم نے مدعا پایا عرضِ مدعا ہی میں
میرے خانۂ دل میں کاش آپ آ جاتے ۔۔۔ چاند چاند لگ جاتے رات کی سیاہی میں
غنچۂ وفا پانا جوئے شیر لانا ہے ۔۔۔ خار ہر قدم پہ ہیں رہگزارِ راہی میں
اپنی بادہ نوشی کا اعتراف ہے مجکو ۔۔۔ آپ کیوں پکڑ لائے شیخ کو گواہی میں
میری خانہ بربادی لطف سے نہیں خالی ۔۔۔ حسن نے مزہ پایا عشق کی تباہی میں
آپ پاس آتے ہیں آپ مسکراتے ہیں ۔۔۔ آپ بات کرتے ہیں یادِ صبح گاہی میں
آج رو رہے ہو کیوں زار زار اے مخمورؔ ۔۔۔ کل تو مسکراتے تھے غم کی بے پناہی میں

غم کی توقیر بڑھا عشق کی تیز میں آ
راہ میں آنکھیں بچھی ہیں دلِ نخچیر میں آ

میں دعا نکلے تری زلف سنواروں سرِ شام
تو اثر بن کے مرے نالۂ شب گیر میں آ

میرے سجدوں کو تمنا ہے قدمبوسی کی
پردۂ نور سے تو پیکرِ تصویر میں آ

ہے اگر شوقِ ملاقات تجھے محورؔ سے
دورِ ساغر کی طرح گردشِ تقدیر میں آ

بزم میں لائی تری شانِ کریمانہ مجھے
ورنہ وحشت کی قسم کیا کم تھا ویرانہ مجھے

رخصت اے دیر و حرم اور اے کلیسا الوداع
چشمِ ساقی نے دکھا دی راہِ میخانہ مجھے

بے نیازی اسکی فطرت غمگساری اسکی خو
پیار کرتا ہے محورؔ بے نیازانہ مجھے

دل جہاں گواہی دے کر اسی جگہ سجدہ
عزم کو بکو کیوں ہے خاکِ در بدر کیا ہے

دل نہیں تو یہ مٹی، غم نہیں تو یہ پتھر
خاک و باد کا پتلا یہ بشر، بشر کیا ہے

زحمتِ آہ تری زلفِ دوتا دے کہ نہ دے
اتنی فرصت بھی اسیروں کو قضا دے کہ نہ دے

جانتا ہوں کہ محبت ہے عبادت اے دوست
اس عبادت کی بھی توفیق خدا دے کہ نہ دے

مدہوش

منشی ست پرشاد ولد رائے صاحب گنیش پرشاد قوم کائستھ باشندہ باندہ (یو پی)
ولادت ۱۹۰۶ء آپ کے والد باندہ ڈسٹرکٹ بورڈ اور باندہ میونسپل بورڈ کے چیرمین تھے۔

آپ کی ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی اسکول باندہ میں ہوئی۔ بی۔اے کا امتحان الہ آباد سے پاس کیا اور ایم۔اے کی ڈگری آگرہ یونیورسٹی سے حاصل کی۔ ۱۹۲۸ء میں آپ اقتصادیات کے لکچرر مقرر ہو گئے۔ عربی، فارسی اور سنسکرت پر اچھا عبور حاصل تھا۔

رباعیات

بندہ ہوں ادا نماز کرتا ہوں
اک فرض سے اپنے ساز کرتا ہوں
دے کچھ نہ مجھے وہ دینے والا مدہوش
ہاں دستِ طلب دراز کرتا ہوں

مدہوش نے جامِ عیشِ ہستی توڑا
یعنی قدحِ شوقِ مے پرستی توڑا
ساقی کے بھی ہوش اڑ گئے توبہ
اس طرح طلسمِ کیف و مستی توڑا

خود اپنے شیشۂ دل کی ملا کے پیتا ہوں
میں دلبروں کے دل میں سما کے پیتا ہوں
وہ بادہ نوش ہوں پہلے پلا کے پیتا ہوں
لبوں کو اس کے لبوں سے ملا کے پیتا ہوں
میں آگ خانۂ دل میں لگا کے پیتا ہوں
شرابِ عشق سے شعلے اٹھا کے پیتا ہوں
تڑپ کے چیخ کے تلملا کے پیتا ہوں
شراب خانہ میں محشر اٹھا کے پیتا ہوں
ہے مے حرام، بطور میں کر کے اسکو حلال
شرابِ عشق کو مذہب بنا کے پیتا ہوں
خدا کے نام سے چھوڑی تھی میکشی میں نے
اب اسکے نام سے ساغر اٹھا کے پیتا ہوں

تدبیر پریشاں ہے، تقدیر ہے شرمائی
معزور مسیحا ہیں، نالاں ہے مسیحائی

انساں سگِ دنیا ہے دنیا کا تماشائی
داروئے نجات اس کو آتی ہے نہ آئی

رہوارِ تمنا ہے گرتا ہے پھر اُٹھتا ہے
صحرائے تناسخ ہے اور بادیہ پیمائی

مدہوش ہے شرمندہ کھوئی ہوئی عظمت پر
مسجودِ ملائک کی یہ ناصیہ فرسائی

مست

دینا ناتھ چکن۔ آپ ۱۹۱۲ء کو بمقام اسلام آباد کشمیر میں پیدا ہوئے۔ آپ نے اسلام آباد۔ سری نگر اور جموں میں تعلیم حاصل کی۔ آپ بہت سے اُردو اخبارات سے بھی وابستہ رہے اور محکمہ انفارمیشن میں بھی اعلیٰ عہدہ پر ممتاز رہے۔

ہر گلی کوچے میں پھر پھر کے صدا دیتا ہوں
اے بتو آؤ کہ بدلے میں خدا دیتا ہوں

تشنۂ زیست مجھے جو بھی نظر آتا ہے
دل کے میخانہ سے میں جام بقا دیتا ہوں

چشم و دل ایسے منور ہیں کسی کی ضو سے
دیکھوں جس ذرے کو خورشید بنا دیتا ہوں

اور ہونگے کہ جو رکھتے ہیں کدورت دل میں
میں تو دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتا ہوں

میں وہ کشمیری فردوس وطن ہوں اے مست
نارِ دوزخ کو بھی میں خلد بنا دیتا ہوں

سچے مریضِ عشق دوا مانگتے نہیں
مر جاتے ہیں مگر وہ شفا مانگتے نہیں

جو مانگتے تھے موت انھیں زندگی ملی
ان کو ملی قضا جو قضا مانگتے نہیں

دو گھونٹ آبِ تلخ کے بخشے تو سو کرم
ساقی سے ہم تو آبِ بقا مانگتے نہیں

اک گونا مانگتے ہیں ہم اس دل پہ اختیار
کچھ اختیار ارض و سما مانگتے نہیں
جب سے ملے ہیں مست وہ ہم خود کو پا گئے
اب اور کچھ ہم اس کے سوا مانگتے نہیں

تو وہ آغاز ہے جس کا نہیں انجام کوئی
میں وہ انجام ہوں جس کا کوئی آغاز نہیں
دل جو ٹوٹے تو پہنچتی ہے خدا تک آواز
ایک تم ہو کہ سن سکتے یہ آواز نہیں
اب تو انسان ہی جاتے ہیں سرِ عرش بریں
عرش سے آتا کوئی صاحبِ اعجاز نہیں
اس کا مطلب یہ نہیں مست نہیں ہے شاعر
سرِ محفل اگر یہ زمزمہ پرداز نہیں

مستؔرا

پنڈت رام سرن خلف پنڈت کندن لال ۔ جائے پیدائش اسمٰعیل پور ماجرہ ضلع سہارنپور ۔ ولادت ۱۹۲۰ء ۔ پیشہ درس و تدریس ۔ آپ اسلامیہ انٹر کالج سہارنپور میں ٹیچر رہنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں ریٹائر ہوئے ہیں ۔ آپ اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں شعر کہتے ہیں ۔ مستقل طور پر سہارنپور میں آباد ہیں ۔

قطعات

اندھیروں سے پرے اک روشنی معلوم ہوتی ہے
عجب اک نور ہے اور بیخودی معلوم ہوتی ہے
حرم اور دیر سے آگے بھی مسؔرا ایسی منزل ہے
جہاں پر روشنی ہی روشنی معلوم ہوتی ہے

گردشِ وقت کا یہ طور کہاں تھا پہلے
محفلِ زیست میں یہ شور کہاں تھا پہلے
پہلے تھا پاسِ ادب جذبۂ ایثار و رحم
دستِ جلاد میں یہ زور کہاں تھا پہلے

قلب کو رنگیں بنانا چاہیے
نورِ حق سے جگمگانا چاہیے

بے خودی میں اس جہاں کو بھول کر
ساغرِ وحدت اٹھانا چاہیے

مذاقِ زندگی اہلِ ہوس کو ہی گراں گزرے
کہ جن کے دل میں ہر دم خواہشِ سود و زیاں گزرے

جمالِ آگہی جس دم نظر کے درمیاں گزرے
کسے معلوم ہے کہ پھر کہاں سے ہم کہاں گزرے

سکونِ زندگی حاصل کہاں سے ہو کہ جب دل پر
ہر اک لمحہ مرے ماحول کا شعلہ فشاں گزرے

عدم کی منزلوں پر اک نظر تو کر اے غافل
انہی راہوں سے رہرو کارواں در کارواں گزرے

جیے جو دوسروں کے واسطے مر کے وہ زندہ ہیں
جنہوں نے خود کو پایا وہ جہاں سے بے نشاں گزرے

خیالوں کو سجایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے
دلوں کو گدگدایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے

بہاروں سے بنایا تھا کبھی رنگین دنیا کو
نظاروں کو سجایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے

قرارِ زندگی کو جو شبِ غم لوٹ لیتا تھا
وہ دردِ دل جگایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے

جو نغمہ رات کی خاموشیوں میں پیار نے گایا
اسے دل میں بسایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے

وہ رازِ دل محبت نے جسے بخشا تھا اے اسرا
زمانے سے چھپایا تھا کبھی ہم نے کبھی تم نے

جب تکبر کے نشے میں چور ہو جاتا ہے دل
زندگی کی عظمتوں سے دور ہو جاتا ہے دل

جب جمالِ آگہی کے جام پی لیتا ہوں میں
بے خودی میں ڈوب کر مسرور ہو جاتا ہے دل

خیر ہی اسکو نظر آتی ہے مسرا کائنات
جب محبت کے چلن سے دور ہو جاتا ہے دل

دکھا کر اس طرح رندوں کو خالی جام اے ساقی
لبوں کی تشنگی کو اور بھڑکایا نہیں کرتے

محبت کی امانت ہیں یہ اشکوں کے گہر اے دل
انھیں سنسان ویرانوں میں بکھرایا نہیں کرتے

خزاں کا خوف جن کے دل پہ طاری ہو گیا مسرا
وہ نازک گل کبھی گلشن کو مہکایا نہیں کرتے

مضطر

بال کرشن بھاردواج خلف پنڈت راجا رام بھاردواج۔ ولادت ۱۹۲۱ء۔ آپ نے لاہور اور دہلی میں تعلیم حاصل کی مستقل قیام کوردو کشمیر میں ہے۔ آپ تحریک آزادی کے سلسلہ میں کئی مرتبہ جیل بھی جا چکے ہیں۔ آپ کے دو شعری مجموعے "شامِ میکدہ" اور "تپشِ شوق" کے عنوانات سے شائع ہو چکے ہیں۔

جتنی شبِ فراق ہے اپنی سحر سے دور
اتنی دعائے نیم شبی ہے اثر سے دور

فکر و خیال ہوش و خرد کے اثر سے دور
جلووں سے کھیلتا ہوں یہاں حدِ نظر سے دور

اک عالمِ عروج ہے میری نگاہ میں
دل کے قریب رفعتِ شمس و قمر سے دور

کب تک نیاز مند سے یہ بے نیازیاں
کب تک پڑا رہے گا ترے سنگِ در سے دور

مضطر بسائیں عشق و محبت کا اک جہاں
لیکن محیطِ گردشِ شام و سحر سے دور

فریبِ رنگ و بو میں آ رہا ہوں
یہ دھوکا جان کر میں کھا رہا ہوں

تصوّر میں ہوں سرگرم تکلّم
شب غم دل کو میں بہلا رہا ہوں

مری ظلمت میں وہ تابانیاں ہیں
جمالِ طور کو شرما رہا ہوں

فضائے دہر میں تحلیل ہو کر
جہاں کی وسعتوں پر چھا رہا ہوں

قنوط و یاس کی تاریکیوں میں
امیدوں کی شعاعیں پا رہا ہوں

مسلسل ہچکیاں شاہد ہیں مضطرؔ
یقیناً میں انھیں یاد آ رہا ہوں

دعاؤں کا اثر الٹا ہُوا ہے
وہ ہم سے اور کھنچتا جا رہا ہے

یہ منزل کونسی ہے عاشقی کی
کہ دل ہی بے نیازِ مدّعا ہے

شب غم میں یہ مرگِ ناگہانی
اگر آ جائے تو رونا ہی کیا ہے

دوائے دردِ دل ہو گی کہاں سے
کہ دردِ دل ہی خود اپنی دوا ہے

فریبِ رنگ و بو میں آنے والے
ترے ادراک کو یہ کیا ہُوا ہے

مضطرؔ

رام رتن باشندہ موضع تھرئی وال ضلع امرتسر۔ ولادت ۱۹۰۶ء شاگرد پنڈت میلا رام وفاؔ۔ ذریعۂ معاش درس و تدریس۔ آپ کی تصنیفات میں دستہ، گل چمنستان نوائے سروش اور مقامِ وفا وغیرہ ہیں۔ آپ ماہنامہ "جاں نثار" امرتسر کے مدیر معاون اور انجمن ترقی اُردو امرتسر کے نائب صدر رہ چکے ہیں۔ ہیڈ ماسٹری کے عہدہ پر فائز رہنے کے بعد ریٹائر ہوئے ہیں۔

فروزاں میرے دل میں نورِ ایماں ہو تو کیونکر ہو
میسّر دولتِ دیدارِ جاناں ہو تو کیونکر ہو

مری کشتی سلامت آ گئی ہے جب کنارے پر
مجھے پھر شکوۂ بیدادِ طوفاں ہو تو کیونکر ہو

تمھارے گیسو و رخسار پر دل جس کا قرباں ہے
اسے احساسِ فرقِ کفر و ایماں ہو تو کیونکر ہو

نہ کہہ سکتا ہوں دردِ دل نہ سہہ سکتا ہوں دردِ دل
یہ پنہاں ہو تو کیونکر ہو نمایاں ہو تو کیونکر ہو

جب اس کے جورِ بیجا کی شکایت ہی نہیں مجکو
وہ اپنے جورِ بیجا پر پشیماں ہو تو کیونکر ہو

کیا ہے جس نے دانستہ مجھے برباد اے مضطر
وہ بربادی پہ میری اب پشیماں ہو تو کیونکر ہو

پھر بہار آئے گی عالم گلفشاں ہو جائیگا
ختم آخر ایک دن دورِ خزاں ہو جائیگا

وہ مجھے پوچھیں نہ پوچھیں میں کہوں یا چپ رہوں
چشمِ تر سے حالِ دل خود ہی عیاں ہو جائیگا

اپنی عظمت سے اگر واقف ہو تو اے بے خبر
سرنگوں قدموں پہ تیرے آسماں ہو جائیگا

پھول چننے کو بھی آخر کچھ سلیقہ چاہیئے
ورنہ دو ہی دن میں ویراں گلستاں ہو جائیگا

ہم نہ کہتے تھے کہ مضطر باز آ اس کھیل سے
دوستی ناداں کی ہے جی کا زیاں ہو جائیگا

محبّت کے ترانے گا رہا ہوں
دلِ رنجور کو بہلا رہا ہوں

معاف اے محتسب میری خطائیں
خطاؤں پر میں خود پچھتا رہا ہوں

سکھا کر تم کو اندازِ ستم میں
سزا اپنے کیے کی پا رہا ہوں

محبّت میں تحمّل بھی ہے لازم
دلِ وارفتہ کو سمجھا رہا ہوں

غمِ اہلِ جہاں میں جل کے مضطرؔ — جہاں میں روشنی پھیلا رہا ہوں

لایا نویدِ وصل و ملاقاتِ یار خط — آیا قرار بخشِ دلِ بے قرار خط
آتا نہیں قرار دلِ بے قرار کو — پڑھتا ہوں میں اٹھا کے ترا بار بار خط
یہ حال ہے کہ شام و سحر دستِ شوق سے — رکھتا نہیں ہے اب دلِ امیدوار خط
آ اور جلد آ کہ نہیں تابِ انتظار — بیتابیوں کی جاں ہے ترا لطف بار خط

کیا یہی ہے ابتدا سے اہلِ دنیا کا چلن — محوِ حیرت ہوں خدایا تیری دنیا دیکھ کر
فرق تجھ کو بھی نظر آ جائے گا دن رات کا — دیر کی بھی سیر کر اے شیخ کعبا دیکھ کر
اے خدا وہ دیکھنے کی آنکھ مجکو کر عطا — دیکھ لے جو صاحبِ پردہ کو پردا دیکھ کر
ایک دن مضطرؔ تماشا ان کا بھی دیکھیں گے لوگ — آج ہنستے ہیں جو لوگوں کا تماشا دیکھ کر

مغمومؔ

بادا کرشن گوپال جائے پیدائش ددمیل ضلع اٹک (پاکستان) ولادت ۱۹۱۶ء۔ شاگرد جناب تلوک چند محرومؔ و بشیشور پرشاد منورؔ لکھنوی۔ ایامِ طفلی میں والد کا انتقال ہو گیا تھا جس کے سبب جوانی سوگوار ہوئی۔ آپ نے دیال سنگھ کالج لاہور سے ۱۹۳۸ء میں بی۔اے کا امتحان پاس کیا۔ آٹھ سال ہریانہ گورنمنٹ کے گزیٹیڈ آفیسر رہ کر ۱۹۷۴ء میں ریٹائر ہو چکے ہیں۔ آپ امریکا بھی کچھ روز رہ چکے ہیں

اس وقت جھنڈی گڑھ میں آباد ہیں۔

رباعیات

دن رات مئے علم و ہنر پیتا ہے — مجنونِ ادب خونِ جگر پیتا ہے
بیگانۂ فن کو نہیں اب تک معلوم — فنکار باندازِ دگر پیتا ہے

ہستی ہے کہ اک کاکلِ برہم یارد — ہر شخص ہے صیدِ غمِ بیہم یارد
جینے کے نہ ساماں اب کوئی ڈھونڈے — بگڑا ہے مزاجِ ہر دو عالم یارد

قطعات

جسمیں جذب کی آنچ ہو مقصود — شعر کب ہے کلامِ موزوں ہے
دل پہ کرے گرفت جو فی الفور — شعر الفاظ کا وہ افسوں ہے

ہے زباں کا نہ کچھ بیاں کا خیال — شعر میں حسن ہے نہ کوئی جمال
پست ہے فکر پست تر اظہار — شاعری ہو گئی ہے رو بہ زوال

آہوں کی آنسوؤں کی زبانی کبھی کبھی — ہم نے کہی ہے دل کی کہانی کبھی کبھی
بے نامہ و پیام بھی دنیائے عشق میں — ہوتی رہی ہے پیام رسانی کبھی کبھی
رکھی ہے میرے جامۂ ہستی کو آگ میں — جذباتِ دل کی شعلہ فشانی کبھی کبھی

راہِ خرد پہ چلتے رہے یوں تو ہم مگر
دشتِ جنوں کی خاک بھی چھانی کبھی کبھی

مغموم دل کے ساز پہ چھڑتی ہے اک غزل
آتی ہے طبع میں جو روانی کبھی کبھی

رے حسن کا فسوں پھر مرے دل پہ چل نہ جائے
مری زندگی کا دھارا کہیں رُخ بدل نہ جائے

رے دل کا دردِ پیہم یہ تڑپ ہے دَین تیری
نہ ہو ملتفت خدارا کہیں دل سنبھل نہ جائے

ری خاکِ دل سے لپٹی وہ جو ہے تری تمنّا
وہ ہے ایک شمعِ کشتہ کہیں پھر سے جل نہ جائے

یہ جو وقت تیز پا ہے یہی ہے گریز پا بھی
مجھے گردِ رہ بنا کر کہیں یہ نکل نہ جائے

میں ہوں غم کا اک مرقع تو یہ خوب بھی ہے مغموم
کہیں وہ مہِ دو ہفتہ مرے غم میں ڈھل نہ جائے

شہیدوں کو سلام

سلام ان باغیوں کو غازیوں کو جاں نثاروں کو
سلام ان سرکشوں کو خود سروں کو وضعداروں کو

سلام ان پیشواؤں کو سلام ان رہنماؤں کو
سلام ان کشتیِ حبِّ وطن کے ناخداؤں کو

سلام ان پیر مردوں کو سلام ان نوجوانوں کو
سلام ان سورماؤں کو وطن کے پاسبانوں کو

سلام ان کو پکارا جن کو غیرت نے حمیّت نے
سلام ان کو ابھارا جن کو آزادی کی حسرت نے

سلام ان کو شہنشاہی کی قوت سے جو ٹکرائے
سلام ان کو جو پہلی جنگِ آزادی میں کام آئے

مُلاّ

پنڈت آنند نرائن کشمیری خلف پنڈت جگت نرائن کشمیری۔ باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۹۰۱ء آپ نے ۱۹۲۵ء میں ایم۔ اے۔ ایل، بی کا امتحان پاس کیا اور لکھنؤ

میں پریکٹس شروع کی۔ اسکے بعد آپ الہ آباد ہائی کورٹ کے جج مقرر ہو گئے۔ شاعری میں کسی استاد سے وابستہ نہیں ہیں۔

تمنا قید، ہمت پا بجولاں ہے جہاں میں ہوں — مجھے جکڑے ہوئے زنجیر امکاں ہے جہاں میں ہوں
کبھی شاید فرشتہ آدم خاکی بھی بن جائے — ابھی تو بھیس میں انساں کے شیطاں ہے جہاں میں ہوں
وہی روئے حقیقت پر پڑا ہے پردۂ ایماں — ابھی انساں فقط ہندو مسلماں ہے جہاں میں ہوں
نظر میں ہیں تصور کے وہی موہوم نظارے — ابھی انساں حقیقت سے گریزاں ہے جہاں میں ہوں

جفا صیاد کی اہل وفا نے رائیگاں کر دی — قفس کی زندگی وقف خیال آشیاں کر دی
یہ دل کیا ہے کسی کو امتحان ظرف لینا ہے — تن خاکی میں اک چھوٹی سی چنگاری نہاں کر دی
بھرم حسن حقیقت کا کوئی کھلنے نہیں دیتا — نظر جب سامنے آئی تجلی درمیاں کر دی

دوشیزہ کا راز

بے خبر فطرت سے اپنی خاطر معصوم تھی — یہ جو اک دل میں تڑپ ہے کل تلک بے دم تھی
آرزو اپنی فقط اتنی مجھے معلوم تھی — کوئی لذت تھی کہ جس سے زندگی محروم تھی

اب حقیقت زیست کی مجھ پر ہویدا ہو گئی
کل تلک انگور تھی جو آج صہبا ہو گئی

کل بھی دل سینہ میں تھا لیکن دل پر خوں نہ تھا — کل تلک بطن صدف میں یہ در مکنوں نہ تھا
کل بھی تھا مجھکو مذاق زیست لیکن یوں نہ تھا — کوئی جادو تھا پیام دیدۂ مجنوں نہ تھا

دل میں ہوک اٹھی لبوں پر مسکراہٹ آگئی
رُخ پہ رنگ آیا نگاہوں میں لگاوٹ آگئی

موج

راجندر بہادر ولد منشی رام کنوار قوم سکسینہ باشندہ فتح گڈھ ضلع فرخ آباد (یو-پی) ولادت ۱۹۲۲ء پیشہ وکالت۔ آپ کے چار شعری مجموعے طوفان، موج و ساحل، موج در موج اور ساگر کے عنوانات سے شائع ہو چکے ہیں۔ شاعری میں کسی استاد سے وابستہ نہیں ہیں۔ آپ اتر پردیش اُردو اکیڈمی لکھنؤ کے ممبر بھی ہیں۔

رباعیات

جو بیت چکا اس کی شکایات نہ کر
دل شکنی ہو جس بات سے وہ بات نہ کر
گر ذوقِ عمل ہے تو بدل دے حالات
اے دوست کبھی شکوۂ حالات نہ کر

پھولوں سے حسیں چاند ستاروں سے حسیں
گلزار کی رنگین بہاروں سے حسیں
تم صانعِ قدرت کی حسیں تر تصویر
آکاش کے دھرتی کے نظاروں سے حسیں

متفرق اشعار

وہ قوت جسے کہتے ہیں سب مرگِ محبت
اک زیست کا آغاز ہے انجام نہیں ہے

کانٹوں کے ساتھ الجھے طوفاں کے ساتھ کھیلے
ایسے بھی دور آئے پھولوں کی زندگی میں

دیر و حرم نہ کوئے بتاں دیکھ رہا ہوں
وہ دیکھیے ملتے ہیں کہاں دیکھ رہا ہوں

اتنی سی ہے حقیقت ہنگامۂ جہاں کی
جس خاک سے اٹھے ہیں مل جائیں گے اسی میں

امید کے سورج کی کرن دیکھ رہا ہوں
ہنستا ہوا سونے کا گگن دیکھ رہا ہوں

سکوں اس دہر میں حاصل نہیں ہے
برابر راہ ہے منزل نہیں ہے

شمعِ ایماں ہی کی ہے کچھ روشنی
زندگی ورنہ اندھیری رات ہے

ان کو دیر و حرم کی راہوں میں
ہم بہت دور تک پکار آئے

نہ دیکھا اور نہ پہچانا کسی نے
مجھے اتنا ہی سمجھا آدمی نے

ان کے انتظار میں عمرِ مختصر گئی
اک حسیں فریب میں راہ گذر گئی

روشنی ہے ترے تصوّر کی
جل رہے ہیں چراغ سینہ میں

مونس

لالہ پرکاش چند ولد لالہ بجال سنگھ رئیس باشندہ سیوہارا ضلع بجنور (یو۔ پی) ولادت ۱۹۰۵ء شاگرد جناب ابوالخیال ساغر دمنشی پدم سین زیرک۔ آپ کے دادا فارسی زبان کے عالم تھے۔

آج جب سارے نظامِ دہر میں اک جوش ہے
اے ربابِ زندگی تو کس لئے خاموش ہے

چھیڑ دے پھر بیخودی میں نغمہ ہائے حرّیت
میرے دل کا ذرّہ ذرّہ پھر سراپا گوش ہے

کس لئے مسرور ہے تو اے دلِ راحت طلب
کس لئے مدہوش ہے کیوں محوِ نا و نوش ہے

گامزن راہِ ترقی پر ہیں اقوامِ جہاں
اور تو ہے بادۂ غفلت سے جو مدہوش ہے

اُف رے ساقی کا ترنم اور میخواروں کا پاس
میکدے کا ذرّہ ذرّہ میکدہ بردوش ہے

نس تک مونس میں آزادی سے لے سکتا نہیں — پھر بھی میرے واسطے کوئی اذیت کوش ہے

ن بے خودیِ شوق میں وارفتگی مری — منزل سے دور سینکڑوں منزل نکل گیا
ے آئی موج پھر مجھے گرداب کی طرف — پھر ہاتھ آکے دامنِ ساحل نکل گیا
ز نگاہِ حسن سے پھر بجلیاں گریں — پہلو سے پھر تڑپ کے مرا دل نکل گیا

سکونِ کاوشِ پنہاں کو نذرِ آہ کیا — یہ اضطرابِ محبت نے کیا گناہ کیا
ز کامیاب ہوئی انتہائے گمراہی — تو بے نیازیِ منزل کو خضرِ راہ کیا

عداوت تھی یہاں تک باغباں کو — لگا دی آگ شاخِ آشیاں کو
ہزاروں کے ہوئے ارمان پورے — ہمی سے دشمنی ہے باغباں کو

موہن

منشی موہن لال خلفِ منشی برج موہن لال قوم کائستھ باشندہ دہلی۔ ولادت سن ۱۹۰۴ء شاگرد جناب برج موہن تاثر یہ کیفی دہلوی۔ آپ ہندو سبھا کالج امرتسر میں فارسی اور اردو کے پروفیسر رہ چکے ہیں۔

ز ساتھ ہو کوئی جب مہ تھا زہرہ جبیں — شبِ بہار میں گلگشتِ ماہتاب سے کیا
ہے لعلِ لب سے مشابہ ترے جو رنگِ شراب — وہ منہ لگی مرے ورنہ مجھے شراب سے کیا

خط ان کو شوق سے لکھا ہے نامہ بر لے جا
جواب دیں کہ نہ دیں تجھے جواب سے کیا

فلک کو بھی یہ تمنّا مرے مٹانے کی
چمن میں خاک بھی چھوڑی نہ آشیانے کی
راہِ عاقبت میں مرے کام آئی اے موہنؔ
میں اپنے ساتھ جو دنیا سے لے گیا نیکی

مہتابؔ

ستیہ پرکاش۔ ولادت ۱۹۲۵ء شاگرد جناب حیدر دہلوی۔ آپ کا آبائی وطن پسرور ضلع سیالکوٹ پاکستان ہے۔ ۱۹۲۷ء میں آپ کے والد نے دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ لہٰذا آپ بھی ان کے ہمراہ دہلی آگئے اور یہیں پرورش ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں ریلوے اکاؤنٹس آفس دہلی سے ریٹائر ہوتے ہیں۔ اس وقت آپ شاہدرہ میں آباد ہیں۔ آپ کا دیوان موسوم "نغماتِ مہتاب" ۱۹۷۷ء میں شائع ہو چکا ہے۔

رباعیات

پرچالیٔ عالم پہ ہے کیا ہی نیرا
ہے ذکرِ نفس لامتناہی تیرا
انسانوں کی صف میں کیا پیدا مجکو
احسان ہے احسان الٰہی تیرا

وہ جوش میں یہ قلبِ خراب آتا ہے
نیند آتی ہے کمبخت نہ خواب آتا ہے
انسان کو بد و نیک نہیں سوجھتا کچھ
آندھی کی طرح عہدِ شباب آتا ہے

قطعات

دوست بچپن کے بھاگے جاتے ہیں
آنکھیں ہنس ہنس کے اب دکھاتے ہیں
دانت رخصت ہوئے نگاہ گئی
پیر چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں

دل غم و رنج سے آزاد نظر آتا ہے
یہ جہاں جلووں سے آباد نظر آتا ہے
جس طرف آنکھ اٹھاتا ہوں میں تا حدِ نظر
اک وہی حُسنِ خداداد نظر آتا ہے

مانا قفس نصیب ہوں میں آشیاں سے دور
لیکن مری بہار ہے دورِ خزاں سے دور
گلشن سے دور گل سے الگ آشیاں سے دور
جائیں تو جائیں ہم کہاں ہندوستاں سے دور
اے موت پھر مجھے یہیں آنا ہے لوٹ کر
لیجا رہی ہے مجھکو کہاں دو جہاں سے دور
کعبہ کہیں بنا تو کہیں دیر بن گیا
سجدہ کیا جہاں بھی ترے آستاں سے دور
بہتاب یہ جا سکے گا نکل کر بھلا کہاں
تیری زمیں سے دور ترے آسماں سے دور

دوا پر دوا تو نہ اے چارہ گر دے
مئے وصل سے میرے ساغر کو بھر دے
یہ لطف و کرم دے یہ ذوقِ نظر دے
مسرت سے لبریز شام و سحر دے
مسافر عدم کے ہیں جاتے کہاں تک
کوئی بھی نہ جا کر وہاں کی خبر دے
بہارِ سخن کا یہی مشورہ ہے
ابھی خونِ دل اور خونِ جگر دے

لگے بن کے مرہم جو ہر زخمِ دل پر
اگر دے تو مہتاب کو وہ جگر دے

اس درجہ بدگمان ہیں مجھ بدنصیب سے
اکثر نکل گئے مرے دل کے قریب سے

وہ حُسن کے غرور میں بن کر عجیب سے
نکلے نہ جان بوجھ کے میرے قریب سے

ہوں گے بہت حسین زمانے میں اور بھی
بہتر نہیں ہے کوئی ہمارے حبیب سے

زاہد خیال کو نہ دے جنّت کی چاہ میں
لیجائے گا کہاں تو دیارِ حبیب سے

تیوری چڑھی ہوئی تھی نگاہیں بھی تن گئیں
مہتاب جب نکل گیا ان کے قریب سے

نظم "انسانیت" کے تین بند

کارنامے کچھ تو اپنے خاک کے پتلے بتا
باغِ عالم میں تری ہستی کا ہے کیا مدّعا

سچ بتا انسانیت کے واسطے کیا کیا کیا
کس کی مشکل دور کی کس کا بنا مشکل کشا

کس پریشاں حال پر تن من کئے تو نے نثار
کس کی تو تسکیں بنا کس کو دیا تو نے قرار

کس کے بختِ نارسا کا تو بنا بختِ رسا
کس کے زخمی دل کے اوپر بن کے تو مرہم لگا

در پئے حُبِّ وطن تو نے بتا کیا کیا کیا
کس غریبِ بے نوا کا تو بنا مشکل کشا

تو نے کیا انسانیت کا فرض کچھ سوچا کبھی
کس کے تیرہ دل کے اندر تو نے بھر دی روشنی

زندگی کو وقف کر تو ہر بشر کے واسطے
یادگارِ زندگی ہوں کام جو تو نے کئے
زخمی و خستہ دلوں پر بن کے مرہم تو لگے
سجدہ گاہِ ہر دو عالم تیرا نقش پا بنے

کیا کبھی سوچا ہے تو نے خاک کے پتلے بتا
زندگی میں کیا تھا کرنا اور تو نے کیا کیا

ہندر رینہ

ہندر رینہ - آپ ۱۹۲۳ء میں سری نگر کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے، ۱۹۳۷ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۴۳ء میں بی، اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ایک پرائیویٹ ہائی اسکول میں ملازم ہو گئے۔ اسکے بعد دہلی وغیرہ میں چند اخبارات سے وابستہ رہنے کے بعد ۱۹۵۱ء میں سرینگر لوٹ آئے اور دفتر انتخابات میں آپ کا تقرر ہو گیا۔ شرف تلمذ پنڈت دینا ناتھ نادمؔ سے ہے۔

وسعتِ قلب و نظر تو بخشدی
اور جہانِ آب گل محدود ہے
کر رہا ہوں طے خدا کے راستے
پھر بھی کیا میرا جنون بے سود ہے
اک ذرا ذوقِ نظر کی بات ہے،
ورنہ کیا ہے جو یہاں مفقود ہے
بڑھ رہا ہے آدمی ہر راہ پر
گو اسیرِ فکرِ ہست و بود ہے

چھوڑ بھی خزاں کے یہ قصّے تنظیمِ چمن کی بات کریں
کچھ لالہ و گل کا ذکر کریں، کچھ سرو و سمن کی بات کریں

آجائے گا آخر موسمِ گل، اکسیر بنے گی خاکِ چمن
ہر شاخ سے نغمے پھوٹیں گے اک ایسے قرن کی بات کریں
مانا ہے مسلط رات ابھی پُرہول اندھیرے چھائے ہیں
جو نورِ سحر کی خالق ہے اس شوخ کرن کی بات کریں

نادانؔ

ہیش سروپ سکسینہ خلف شری زہر سروپ سکسینہ۔ جائے پیدائش بدایوں (یو۔پی) ولادت ۱۹۰۷ء شاگرد جناب ہیش پرشاد درماسوگ الہ آبادی۔ آپ نے ۱۹۲۴ء میں بدایوں سے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۲۹ء میں سناتن دھرم کالج آف کامرس کان پور سے بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے آگرہ یونیورسٹی کے دفتر میں بحیثیت انچارج ڈیپارٹمنٹ امتحانات کام کیا۔ اس کے بعد آپ دفتر پبلک سروس کمیشن یو۔پی الہ آباد میں بحیثیت پرنسپل اسسٹنٹ ٹوچیرمین رہ کر ۱۹۶۲ء میں ملازمت سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کی غزلیات کا مجموعہ بعنوان "سوغات نادانؔ" شائع ہو چکا ہے۔ آپ خود کو الہ آبادی لکھتے ہیں اور اس وقت بریلی میں مقیم ہیں۔

میکدہ پر چھا گئی کالی گھٹا برسات کی
میکشوں تم کو مبارک ہو فضا برسات کی

توبہ شکنی کی شکایت ناصحا مجھ سے نہ کر
یہ خطا میری نہیں ہے، ہے خطا برسات کی

جام چلتے ہیں صراحی ناچتی ہے بزم میں
کرشمے کیا کیا دکھاتی ہے فضا برسات کی

آج رہ سکتی نہیں توبہ مری ٹوٹے بغیر — کہہ رہی ہے صاف یہ کالی گھٹا برسات کی
توڑ توبہ، چھوڑ دے عقبیٰ کا تو ناداں خیال — ہر گھڑی آتی نہیں ایسی فضا برسات کی

اس کا کچھ غم بھی نہیں یوں دل سے بیدل ہو گیا — ہے خوشی اسکی مرا دل ان کے قابل ہو گیا
کیا کہیں کیا دل کو مل کر ان سے حاصل ہو گیا — پہلے تھا کچھ اور اب کچھ اور ہی دل ہو گیا
انکے آنے سے ہوا تھا دل کو میرے کچھ سکوں — ان کے جاتے ہی پریشاں پھر مرا دل ہو گیا
وہ مریضِ غم جو اٹھ سکتا نہ تھا بستر سے کل — آج وہ دنیا سے اٹھ جانے کے قابل ہو گیا
جو نہ حاصل ہو سکا اس کا تو کچھ شکوہ نہ کر — شکر کر اسکا جو ناداں تجکو حاصل ہو گیا

شام بھی ہوتی رہے گی صبح بھی ہو گی ضرور — ہنس کے ہو یا رو کے، پوری زندگی ہو گی ضرور
غیر ممکن ہے بدل جائے یہ قدرت کا نظام — شام ہوتی ہے اگر تو صبح بھی ہو گی ضرور
ہم نہ آئیں یاد دنیا کو کبھی ممکن نہیں — یاد دنیا کو ہماری بھی کبھی ہو گی ضرور
ہم کہیں کیسے نہ ہو گی ہم سے کوئی بھی خطا — ہیں تو انساں ہی خطا ہم سے کبھی ہو گی ضرور
تو سمجھ سکتا نہیں ناداں خدا کی مصلحت — غم کے پردہ میں نہاں کوئی خوشی ہو گی ضرور

گھٹائیں جب اٹھیں کالی تو میخانے کی یاد آئی — سبو کی جام کی ساغر کی پیمانے کی یاد آئی
ہمارے جذبۂ جوشِ جنوں کا واہ کیا کہنا — قدم رکھا تھا گلشن میں کہ ویرانے کی یاد آئی

نگایا تھا ابھی تو جام لب سے میں نے اے ناصح
ابھی تجکو بھی اے کمبخت سمجھانے کی یاد آئی

اسیرانِ قفس کے دل پہ بجلی سی گری گویا
انھیں جس وقت گلشن میں بہار آنے کی یاد آئی

نہ پوچھو کس طرح ناداں کٹے ہیں دن مصیبت کے
ہمیں ہر ہر گھڑی پر اشک برسانے کی یاد آئی

گھر سے باہر جو وہ رشکِ مہِ تاباں نکلا
شور ہر سمت ہوا ماہِ درخشاں نکلا

اسکی میت پہ نہ آئے ہمیں رونا کیونکر
جسکی میت پہ کوئی ہائے نہ گریاں نکلا

ہم سمجھتے تھے کہ جینا ہی بہت مشکل ہے
ہائے مرنا بھی تو فرقت میں نہ آساں نکلا

ناز

بالمکند بہر دترا خلف شری نہتی پرشاد بہر دترا باشندہ بجنور (یوپی) ولادت ۱۹۱۲ء آپ کی تعلیم بی، اے تک ہے - آپ اسٹار پیپر مل سہارنپور میں کافی عرصہ ملازم رہنے کے بعد ۱۹۷۳ء میں ریٹائر ہو کر مستقل طور پر سہارنپور میں آباد ہیں۔

مجھے کیا غرض ترے کام سے، تری گردشوں کے نظام سے
تجھے کیا خبر مری شام غم، ہوئی مختصر ترے نام سے

کبھی چشم مست میں ڈوب کے کبھی رقصِ مینا و جام سے
چلے دور بس یونہی ساقیا، کبھی صبح سے کبھی شام سے

مجھے کیا خبر، ہوئی رات کب سجی بزم کب چلا دور کب
وہ نگاہِ مست کی کیفیت مجھے نیند آگئی شام سے

وہ بھلا چکے ہیں مجھے تو کیا مگر اب بھی ان سے ہے واسطہ
کبھی آرہے ہیں سلام سے کبھی آرہے ہیں پیام سے

ساقی ترے جاتے ہی میخانے کا کیا ہوگا
شیشہ کہاں جائے گا پیمانے کا کیا ہوگا

ہیں دیر و حرم دونوں محبوب کے رستے میں
کعبہ کو اگر جاؤں بتخانے کا کیا ہوگا

ہر خار کو عادت ہے دامن سے الجھنے کی
انجام خدا جانے دیوانے کا کیا ہوگا

وہ ناز گھٹا اٹھی وہ بجلیاں لہرائیں
جاؤں تو کدھر جاؤں کاشانے کا کیا ہوگا

تری حسین نگاہوں کی چوٹ کھائے ہوئے
وہی ہے ناز جو بیٹھا ہے دل دبائے ہوئے

تری نگاہ نے نیچا دکھا دیا ورنہ
گزر رہا تھا زمانے میں سر اٹھائے ہوئے

مری نگاہ میں کم ظرف ہیں وہ اے ساقی
جو میکدے سے نکلتے ہیں ڈگمگائے ہوئے

کچھ ایسے میرے مقدر میں انقلاب آئے
زمانہ ہو گیا اے ناز مسکرائے ہوئے

کون آیا بہاروں میں یہ کس کا پیام آیا
پھولوں نے قدم چومے کلیوں کا سلام آیا

خود جھوم اٹھا ساقی میخانے کو کیا کہیے
جب رند کے ہاتھوں میں چھلکا ہوا جام آیا

آداب محبت کی رعنائیاں تو دیکھو
جھک جھک کے نظر اٹھی رک رک کے پیام آیا

نازش

ہنسدر سنگھ راجپوت باشندہ تورادی ٹونک ریاست جے پور، شاگرد جناب منظور احمد کوثر۔ آپ راجستھان میں پولس انسپکٹر رہ چکے ہیں۔

گر یہی حالت رہی ان کے شباب و حسن کی
دل تو دل سر جائیں گے دو چار دن کی بات ہے
میں نے جب پوچھا کہ کب آؤ گے گھر پر، تو کہا
آپ جیب مر جائیں گے دو چار دن کی بات ہے

عیادت کو جو وہ تشریف لائے مہرباں ہو کر
مزہ دینے لگا درد جگر، آرام جاں ہو کر
غضب ہے چھین لیتے ہیں وہ ہر انداز سے دل کو
خفا ہو کر، بگڑ کر، مسکرا کر، مہرباں ہو کر

متفرق اشعار

چھیڑا احباب میں جب بھی کبھی ذکر سخن نازش
تو آخر میں مرے طرز سخن تک بات جا پہنچی
نہ روتا ہے نہ ہنستا ہے نہ کہتا ہے نہ سنتا ہے
یہ حالت ہو گئی ہے اب ترے بیمار ہجراں کی
آتے ہی فصل گل، دامن
خود بخود تار تار ہوتا ہے

نسیم

لالہ لچھمی چند خلف لالہ اچھر دمل، قوم کھتری، باشندہ نور محل، ضلع جالندھر ولادت ۱۹۱۳ء۔ شاگرد جناب لبھو رام جوش ملسیانی۔

ایک دنیا اشتیاق دید میں بیتاب تھی
کاش تم اک بار پردے سے نکل کر دیکھتے
کوئی مر بھی جائے تو ان کی بلا سے اے نسیم
کیا پڑی تھی ان کو وہ کیوں مجھکو آ کر دیکھتے

متفرق اشعار

سینہ سے ہاتھ اٹھائیے اے حضرتِ مسیح
مجھ ناتواں سے اس کا اٹھانا محال ہے

نہ جانے آہ تھی کوئی تمنا تھی کہ حسرت تھی
مگر کچھ تو ضرور اٹھا تھا سینہ سے دھواں ہو کر

زالی دنیا ہنس رہی ہے میرے حالِ زار پر
یعنی دیوانہ سمجھتی ہے یہ دیوانی مجھے

میں نے ناکردہ گنہ کی بھی سزائیں پائیں
تو مگر اپنے کئے پر بھی پشیماں نہ ہوا

نازک مزاج بھی ہیں وہ نازک بدن بھی ہیں
ڈر ہے کہ ان پہ حرفِ تمنا گراں نہ ہو

داستاں دل کی گو دو حرفی تھی
کہنے بیٹھے تو مختصر نہ ہوئی

نشاط

بابو بخت بہادر خلف ماسٹر مودی دیال، قوم کائستھ باشندہ بسوان، ضلع سیتاپور (یو۔پی) ولادت ۱۹۰۱ء۔

دمِ آخر سرِ بالیں تھے وہ مشکل کا ساماں تھا / نہ جینا اپنا آساں تھا نہ مرنا اپنا آساں تھا
نہ نکلا پر نہ نکلا جب سے آ بیٹھا کلیجے میں / تمہارا تیر بھی گویا ہمارے دل کا ارماں تھا
نہ فکرِ چارہ جوئی تھی نہ ذکرِ درد و درماں تھا / ترے بیمار کے گھر اور ہی کچھ آج ساماں تھا
نہیں معلوم کیا ٹھہریں ہیں شرطیں کفر و ایماں میں / مسلمانوں کی محفل میں نشاطِ نامسلماں تھا

دیکھ لے دل ہے جگر ہے کیا ہے اے ناوک فگن
سینہ سے نکلا ہے کچھ ہمراہ تیرے تیر کے

مسکراہٹ، سادگی، حسنِ خموشی، دل کشی
ہائے کیا انداز ہیں ظالم تری تصویر کے

اسقدر سجدے کئے اس بُت کے قدموں پر ظ   نقش آدھے سے زیادہ مٹ گئے تقدیر کے

متفرق اشعار

آپ بالیں سے پھرے پھر گئی بیمار کی آنکھ   دیکھتے دیکھتے کیا آپ کئے جاتے ہیں
کہدو نہ وہ علاج دلِ مبتلا کریں   پہلے مسیح ہوش کی اپنے دوا کریں

نشور

بال کشور بھٹناگر۔ باشندہ اجین۔ ولادت ۱۹۰۸ء شاگرد جناب ہیرالال دکمپی اجینی۔ آپ اُردو، ہندی اور انگریزی کے تعلیم یافتہ تھے۔ کلکٹر اور اسسٹنٹ رجسٹرار کے دفتر میں آفس سپر نٹنڈنٹ کے عہدہ پر مامور رہنے کے بعد ۱۹۷۶ء میں انتقال کیا۔

یہ آہ نہیں ہے بجلی ہے، یہ اشک نہیں ہے موتی ہے
جو چیز ہے فطرت میں شامل وہ بھی کبھی بدعت ہوتی ہے
انساں کی ولادت اور قضا دونوں ہی ہیں غم میں جلوہ نما
آتا ہے تو خود وہ روتا ہے جاتا ہے تو دنیا روتی ہے

کس نے چمکائیں شعاعیں نور کی میری طرح   دور کی کس نے جہاں کی تیرگی میری طرح
کس کے دم سے آگئی باغِ وطن میں پھر بہار   ختم کی کس نے خزاں کی زندگی میری طرح

اشعارِ متفرق

بنا لیتا ہوں میں بحرِ فنا میں موج کو کشتی
یہ ناممکن ہے میرا حوصلہ ناکام ہو جائے

کیا بتائے گا منجم حال قسمت کا مری
کون آتا ہے یہاں تحریرِ قسمت دیکھ کر

چلو دلائیں انھیں یاد ہم وفا اپنی
وہ بھولے بھالے ہیں عادت ہے بھول جانے کی

نورؔ

کرشن بہاری ولد شری کنج بہاری لال قوم سریواستو۔ باشندہ لکھنؤ، ولادت ۱۹۲۵ء تلمیذ جناب ظفر عباس افضل نقوی۔ آپ کا دیوان ۱۹۷۷ء (میں شائع ہو چکا ہے)۔

تجھ سے اگر بچھڑ بھی گیا تو یاد رکھ
چہرے پہ تیرے اپنی نظر چھوڑ جاؤں گا

جیسے کہ شمع دان میں بجھ جائے کوئی شمع
بس یونہی اپنے جسم کا گھر چھوڑ جاؤں گا

کوئی خیال تک بھی نہ چھو جائے گا مجھے
یہ چاروں سمت آٹھوں پہر چھوڑ جاؤں گا

تشنگی کے بھی مقامات ہیں کیا کیا یعنی
کبھی دریا نہیں کافی کبھی قطرہ ہے بہت

کوئی آیا ہے ضرور اور یہاں ٹھہرا بھی ہے
گھر کی دہلیز پہ اے نورؔ اجالا ہے بہت

میں جس کے ہاتھ میں اک پھول دیکھ آیا تھا
اسی کے ہاتھ کا پتھر مری تلاش میں ہے

میں ایک قطرہ ہوں میرا الگ وجود تو ہے
ہوا کرے جو سمندر مری تلاش میں ہے

یہ کس خطا کی سزائیں ہیں دوہری زنجیریں
گرفت موت کی ہے زندگی کی قید میں ہوں

جہاں میں قید سے چھوٹوں وہیں پہ مل جانا
ابھی نہ ملنا ابھی زندگی کی قید میں ہوں

متفرق اشعار

زندگی ٹھوکریں کھاتی ہے بچھڑ کر تجھ سے
تیری پازیب سے ٹوٹے ہوئے گھنگرو کی طرح

تاحیات اسکے بچھڑنے کا یقیں آیا نہیں
وہ جہاں بچھڑ اتھا مجھ سے میں وہیں ٹھہرا رہا

گذرے جدھر جدھر سے وہ الٹے ہوئے نقاب
اک نور کی لکیر سی کھنچتی چلی گئی

کتنے اوتار ہوئے کتنے پیمبر آئے
تو نہ آیا ترے پیغام برابر آئے

نیّر

درگاداس باشندہ امرتسر۔ ولادت ۱۹۲۱ء تلمیذ حضرت لبھو رام جوش ملسیانی پیشہ معلمی۔ آپ کی تعلیم ایم۔اے تک ہے اور منشی فاضل اور ادیب فاضل کے امتحانات بھی پاس کئے ہوئے ہیں۔

متفرق اشعار

کون ہوتا ہے مصیبت میں رفیق اے نیّر
اپنی آنکھیں بھی دم نزع تو بجھ جاتی ہیں

ان کے شباب کیف زا کی نہ کچھ پوچھیے
ڈوبا ہوا ہے سر سے قدم تک شباب میں

گو دل میں تھیں ہزار شکایت فراق میں
وہ آگئے تو کہہ نہ سکے کچھ زباں سے ہم

زباں پر مہر خاموشی ہے پاس رازداری سے
یہ میری بے زبانی ہی زبانِ دل نہ بن جائے

اب صبر کا پیمانہ ہوا جاتا ہے لبریز
تو پانی اب آپہنچا ہے خطرے کے نشاں تک

ہر اک تدبیر جب تک اسکی باطل ہو نہیں جاتی
بشر اسوقت تک تقدیر کا قائل نہیں ہوتا

بیانِ خلد کو اتنا نہ طول دے زاہد
میں جانتا ہوں حقیقت ترے فسانے کی

تلاش شرط ہے اے تشنہ کامِ آبِ حیات
غلط کہ چشمۂ حیواں کہیں نہیں ملتا

تو ہے شریکِ بزم تو مے بھی حلال ہے
پانی بھی ہے حرام مری جاں ترے بغیر

نیاز مند کو نازِ آفریں نہیں ملتا
یہ آسماں زمیں سے کہیں نہیں ملتا

نیرنگ

منشی جگندر ناتھ خلف لالہ امیر چند گورنمنٹ پنشنر باشندہ نوشہرہ ضلع پشاور۔ شاگرد جناب بسمل پشاوری

مری تقدیر کی خوبی زمانے سے نرالی ہے
کہ رو رو کر ملا ساغر تو وہ بھی مے سے خالی ہے

بلائیں ہر گلِ شاداب کی جی بھر کے لیتا ہوں
چمن میں آج اے بلبل نہ گلچیں ہے نہ مالی ہے

میں منکر نہیں، مالک خدا ہے
مگر دل تو بتوں پر ہی فدا ہے

ورما

رام چندر ولد چودھری شیام لال ساکن سنبھل ضلع مراد آباد (یو۔پی) شاگرد جناب جگر مراد آبادی، پیشہ زرگری۔ آپ نے مراد آباد میں تعلیم حاصل کی اور وہیں جگر صاحب کی شاگردی اختیار کی۔

اشعار متفرق

ایک زردار کے بے فیض یہ محلوں کی قطار
کسی مزدور کے پسینے کی بدولت ہو گی

میں نے غرقابیِ کشتی میں پیا آبِ حیات   میں تلاطم کی اداؤں سے گریزاں نہ رہا
کیا مٹا پائیں گے ان کو انقلاباتِ جہاں   زندگی اہلِ محبت کو ملی ہے جاوداں
جہاں چاہا جبینِ شوق رکھ دی   محبت بے نیازِ کفر و دیں ہے
تکبّر کو نہ کیوں ٹھکراؤں ورما   مرا رتبہ ہے بالا عاجزی سے

وفاؔ

بابو پرتاب نرائن خلف منشی بہا نرائن قوم کائستھ باشندہ شاہجہاں پور، ولادت ۱۹۰۵ء شاگرد جناب سکھدیو پرشاد بسملؔ الہ آبادی۔

غیر کی بات مان لیتے ہو   تم ہمارا کہا نہیں کرتے
آپ کے تیر آپ کے ناوک   بھول کر بھی خطا نہیں کرتے
مفت بھرتے ہو دم محبت کا   جب وفا سے وفا نہیں کرتے

مصیبت میں کسی کا کوئی بھی ساتھی نہیں ہوتا   شبِ فرقت میں ظالم صبر بھی رہتا نہیں دل میں
کہیں ارماں کہیں حسرت کہیں ہے داغِ ناکامی   نئی دنیا بسائی ہے محبت نے مرے دل میں

آشیاں بننے نہ پایا تھا کہ بجلی گر پڑی   جور کی کچھ انتہا اے آسمانِ پیر ہے
آنکھ اٹھا کر دیکھتا ہوں بزمِ ہستی میں جہاں   ہر طرف ہر سمت ہر سو آپ کی تصویر ہے

ہُماؔ

مہتہ برہم دت ولادت ۱۹۱۸ء شاگرد حضرت لبھو رام جوشؔ ملسیانی۔ آپ ہماؔ ہریانوی کے لقب سے مشہور تھے۔ آپ کا خاص وطن راولپنڈی تھا۔ تقسیم ملک کے بعد آپ جالندھر میں مقیم ہو گئے اور روزانہ اخبار "پرتاپ" جالندھر سے منسلک ہو گئے۔ قریب تین سال کا عرصہ گزرا۔ آپ دفتر سے گھر کے لئے روانہ ہوئے تھے مگر ابتک کوئی سراغ نہیں ملا۔

اس قدر شوقِ ملاقات فراواں ہونا — غیب سے خود ہی ملاقات کا ساماں ہونا
ہر کسی کے لئے تفریح کا ساماں ہونا — سیکھ لے پھول کی خوشبو سے پریشاں ہونا
دل میں اک جذبۂ ہمدردیِ انساں ہونا — کچھ نہیں اسکے سوا صاحبِ ایماں ہونا
ایسے انساں کی ترقی سے مسرت کیا ہو — سب کچھ آکر بھی نہ آیا جسے انساں ہونا
اے ہماؔ رہبرِ کامل کی عنایت کے بغیر — غیر ممکن ہے سخن سنج و سخنداں ہونا

حُسن کی یہ کرشمہ سازی ہے — خامشی میں سخن طرازی ہے
زخمِ دل کا نصیب جاگ اٹھا — وہ نظر محوِ چارہ سازی ہے
عشق نے جان بھی فدا کر دی — عقل محوِ بہانہ سازی ہے
وہ تصور میں بھی نہیں آتے — بے نیازی سی بے نیازی ہے
کیوں نہ مقبول ہو کلامِ ہُماؔ — ہمیں اک شانِ امتیازی ہے

ہمّت رائے شرما

ہمّت رائے شرما۔ جائے پیدائش نارووال، ضلع سیالکوٹ (پاکستان) ولادت ۱۹۱۹ء۔ آپ کی ابتدائی تعلیم اُردو اور فارسی سے شروع ہوئی۔ امرتسر سے انٹرنس کا امتحان پاس کرنے کے بعد آپ کلکتہ چلے گئے اور فلمی دنیا سے وابستہ ہوگئے۔ آپ ایک کامیاب شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کامیاب فلم ڈائرکٹر اور ایکٹر بھی ہیں۔ آپ اس وقت بمبئی میں مقیم ہیں۔ آپ کی دو تصنیفات "ہندو مسلمان" اور "نکاتِ زباں دانی" شائع ہو کر یو۔پی اُردو اکیڈمی سے انعامات حاصل کر چکے ہیں

قطعات

وسعتیں دل کی کچھ سمٹ سی گئیں
دھڑکنیں پوچھتی ہیں پھر مجھ سے
تصوّرات کی دنیا میں کون آیا ہے
کون؟ کس کا پیام لایا ہے

بامِ افلاک پہ اک ہلکی سی آہٹ جو ہوئی
ابر پارے ہیں کہ بکھرے سے نظر آتے ہیں
دل کے گوشہ میں سہم جاتے ہیں یکسر آکر
زلزلے جب تری آمد کی خبر پاتے ہیں

نظم "جدائی" کے چند اشعار

آج کیوں محفلِ ہستی ہے فسردہ ساماں
آج کیوں چاک ہے ملبوسِ خرد کا داماں
آج کچھ اور ہی رنگت ہے پری خانے میں
آج بدلی ہوئی صورت ہے صنم خانے میں
آج احساس کو رہبر کی ضرورت کیوں ہے
دل میں معصوم فرشتوں کے کدورت کیوں ہے

آج پہنچے ہیں ستاروں کے شرارے دل تک
گرتے پڑتے چلے آتے ہیں سہارے دل تک

آج اس دل کا کوئی مونس و غمخوار نہیں
آج وہ دن ہے کہ کوئی بھی طلبگار نہیں

آج برہم سا نظر آتا ہے دنیا کا نظام
آج ٹوٹا ہے کہیں بادۂ تقدیر کا جام

آج لٹتی ہیں مقدر کی تجلی گاہیں
آج مسرور ہیں قدموں پہ ترستی راہیں

آج کس طور سے شیرازۂ الفت بکھرا
ڈھل کے شبنم میں شبِ تار کا دامن نکھرا

جھلملاتا سا ہے گھٹاؤں کا افق کے اس پار
جس کے دامن میں ہے مستور کسی دل کا قرار

آج احساس کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
چند ذرے ہیں جو تاروں میں ڈھلے جاتے ہیں

دل کی اجڑی ہوئی بے نور سرائے کے قریب
کارواں آتے ہیں رکتے ہیں چلے جاتے ہیں

ایک دھندلا سا نشاں ہے جسے منزل کہہ لو
نامرادی کا ہے مسکن جسے اب دل کہہ لو

ہنر

پنڈت رتن سنگھ جائے پیدائش لاہور۔ ولادت ۱۹۰۴ء شاگرد جناب تاجور نجیب آبادی ذریعۂ معاش معلمی۔ آپ کی ادارت میں کافی رسائل شائع ہوتے رہے ہیں۔ اور آپ کے کئی شعری مجموعے اور دوسری ادبی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ اردو ادب کے معاونین میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ اس وقت آپ امرتسر میں مقیم ہیں۔

وقت نے کچھ ایسے مرحلے بھی دکھائے ہیں
اپنی لغزشوں پہ ہم آپ مسکراتے ہیں

چارۂ غمِ ہستی اور کچھ نہیں ساقی
محتسب سے چھپ کے ہم میکدہ میں آئے ہیں

اس قدر خزاں نے بھی آفتیں نہ ڈھائی تھیں
جتنے موسمِ گل میں ہم نے زخم کھائے ہیں

جن کی تلخ کامی کا ہم بیاں نہ کر پائیں — حادثے بہت ایسے زندگی میں آئے ہیں
نیک و بد میں فرق اب تو کچھ نہیں ہوتا — ظلمتوں کے سائے بھی رحمتوں کے سائے ہیں
یاد تھی جب ان کی دل ضرور تھا مضطر — دم پہ بن گئی لیکن جب وہ یاد آئے ہیں
عالمِ جنوں میں بھی ہم نے وہ نہیں دیکھے — جو خرد کے پہرے میں انقلاب آئے ہیں
اے ہنرؔ گلہ کرتے دشمنوں کا کس منہ سے — دوستوں سے بھی جب ہم نے فریب کھائے ہیں

جو مٹاتا ہے کسی کو خود بھی مٹ جاتا ہے وہ — مٹ گیا دارا تو کیا باقی سکندر رہ گیا
دولتِ علم و ہنر وہ ہے نہیں جسکو زوال — اے ہنرؔ جو بے ہنر نکلا وہ بے زر رہ گیا

کرتا ہے کون ماتم بے کس جہان میں — ہے شمع بھی خموش ہمارے مزار کی

ضمیمہ

پھُولؔ

منشی پھول چند خلف شری نول کشور۔ قوم ویش اگروال ساکن دیو بند ضلع سہارنپور ۔ ولادت ۱۹۲۳ء تلمیذ پنڈت مرلی دھر مُرلیؔ دیو بندی۔ آپ کچہری دیو بند میں منشی گری کا کام کرتے ہیں اور "شمعِ ادب" دیو بند کے نائب صدر ہیں۔

قطعات

اچھا نہیں ہے غافل ناحق ستم کا ڈھانا
پہلے یقین کر لے آگ ان میں پھکنا
تنکے یہ اتفاقاً کچھ ہو گئے ہیں یک جا
کہدے گا کون ان کو صیاد آشیانا

آپ مل جائے گی دنیا، خواہشِ دنیا نہ کر
خود فریبی چھوڑ غافل آپ کو رسوا نہ کر
رہگذارِ صدق پر ہو اے مسافر گامزن
حق کے آگے سر جھکا باطل کو تو سجدا نہ کر

اس بُری دنیا میں اب ہم سے جیا جاتا نہیں
زندگی اک زہر ہے ہم سے پیا جاتا نہیں
ہو چکا بوسیدہ اتنا آدمی کا پیرہن
دامنِ صد چاک اس کا اب سیا جاتا نہیں

غیر سے تو وہ ایسے ملتے ہیں
پھول جیسے چمن میں کھلتے ہیں
اس نظر کا یقین کیا کیجئے
جس میں لاکھوں فریب پلتے ہیں

دوستی کی منزلت جانی نہیں　　دوستی کی قدر پہچانی نہیں
دوستوں نے دوستی کی آڑ میں　　اس جگہ مارا جہاں پانی نہیں

تری دوری کا مجھکو غم نہیں ہے　　کہ فرقت میں بھی لذت کم نہیں ہے

جسے حاصل ہو تیرے غم کی دولت　　اسے دنیا میں کوئی غم نہیں ہے
تقاضا دل کا ہے نالے کروں میں　　یہاں اک آہ کا بھی دم نہیں ہے

پھر گئیں ہیں جب سے آنکھیں عاشق بیمار کی
در بدر پھرتی ہیں ماری حسرتیں دیدار کی
جو غشی تھی آپ کے آنے سے وہ جاتی رہی
اب ذرا آنکھیں کھلی ہیں طالب دیدار کی
شام ہونے آئی ظالم اب تو آنچل ڈال دے
صبح سے میت پڑی ہے بے کفن بیمار کی
پھول ہو تعریف کیسے، لفظ ہی ملتے نہیں
ہے نرالی شان کچھ ایسی مرے دلدار کی

دلؔ

برج لال کپور خلف جیون داس کپور۔ ولادت ۱۹۲۰ء شاگرد جناب نادار حسین خنجر خیر آبادی۔ آپ کی جائے پیدائش دان بچھراں ضلع میانوالی (پاکستان) ہے آپ نے لاہور سے ہائی اسکول کا امتحان پاس کیا۔ اس وقت آپ کوٹہ راجستھان میں مقیم ہیں۔

میں کہاں رہوں میں کہاں بسوں میری جان زمین پہ بار ہے
مری حسرتوں کی ہر اک کلی پہ خزاں کی موجِ فشار ہے

مری زندگی بھی یہ زندگی کوئی زندگی میں شمار ہے
تجھے کیا بتاؤں میں ہمنشیں مجھے چین ہے نہ قرار ہے

نہ ہے منزلوں کی مجھے خبر نہ ہے راستوں کا کوئی پتا
مری موت ہے مری راہبر جو گلوئے زیست کا ہار ہے

جسے لوگ کہتے ہیں کہکشاں مرے آنسوؤں کا جہان ہے
مرے اشک ہائے ندامتوں کی وہ آسماں پہ قطار ہے

میں وہ غنچہ ہوں جو نہ کھل سکا وہ نہال ہوں جو نہ پھل سکا
جسے آپ کہتے ہیں گلستاں مری حسرتوں کا مزار ہے

مری حسرتوں کی کلی وہ ہے کہ جو کھلتے کھلتے ہی رہ گئی
مری بے قراریٔ بے سکوں دلِ مضطرب کا قرار ہے

دونوں عالم کی فضا زیرِ اثر ہوتی ہے
ان کی جب مجھ پہ محبت کی نظر ہوتی ہے
شام اور صبح کے جلووں پہ نظر ہوتی ہے
تیرے دیوانے کی اس طرح بسر ہوتی ہے
جب کبھی آمدِ گلچیں کی خبر ہوتی ہے
سارے گلشن کی فضا زیر و زبر ہوتی ہے

ہاتھ اللہ سے اٹھتے ہیں دعاؤں کے لئے
جب کبھی آپ کی برہم سی نظر ہوتی ہے
وہ تصوّر میں چلے آتے ہیں جب بھی شبِ غم
مری اُمّید کی دنیا کی سحر ہوتی ہے
آپ سوچیں تو سہی کیسے وہ منزل ڈھونڈے
ایک وحشی کو کہاں اتنی خبر ہوتی ہے
کیا مٹا سکتا ہے دل اس کو زمانے میں کوئی
جس پہ اللہ کی رحمت کی نظر ہوتی ہے

O

اعزازی سند

نقل خط سیکریٹری آنرز کمیٹی علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ جس کے ذریعہ احقر کو
ڈاکٹر آف لٹریچر کا اعزاز تفویض کیا گیا۔

جوہر دیوبندی

علم الانسان مالم یعلم
THE ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY
ALIGARH
مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

سیکریٹری
آنرز کمیٹی

از 72/85
مورخہ 12-7-85

Aligarh Muslim University Aligarh

محترمی ڈاکٹر جوہر صاحب

آداب و خلوص

مجھے شیخ الجامعہ کی طرف سے آپ کو یہ اطلاع دینے کی ہدایت ملی ہے کہ جناب کے بیش بہا ادبی کارنامے "موجِ گنگ" (تحقیقی شاہکار) پر آنرز کمیٹی کی "بزمِ اردو" کی سفارش پر یونیورسٹی نے بطورِ اعتراف "ڈاکٹر آف لٹریچر" کی اعزازی سند منظور کر لی ہے، جناب کی ڈاکٹریٹ کی سند پر ۲۶ مئی ۱۹۸۵ء کو شیخ الجامعہ نے دستخط ثبت فرمائے اور اسطرح جناب کو ڈاکٹر کا اعزاز تفویض کر دیا گیا۔ یونیورسٹی نے آپ کو اپنے اہم گرامی کے ساتھ لفظ "ڈاکٹر" بطورِ خطاب استعمال کرنے کا حق دیا ہے۔ سالِ آئندہ جلسہ تقسیم اسناد کے خصوصی ضمیمہ میں جناب کو یہ سند شیخ الجامعہ کے ہاتھوں سے پیش کردی جائیگی۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔

نیاز مند،
(ڈاکٹر ضیاء الحسن جیلانی)
سیکریٹری آنرز کمیٹی

بخدمت:۔ ڈاکٹر جوہر دیوبندی صاحب
"گیتا نواس" مکھن نگر ریلوے کالونی
سہارنپور 247001

ضروری اعلان

مُصنّف کا مجموعۂ کلام موسوم

کلیاتِ جوہرؔ

عنقریب شائع ہونے جارہا ہے

جوہرؔ دیوبندی